اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیش کش
تحقیق الابواب لتعارف الکتاب
المسمّٰی بہ
آثار التنزیل
جلد دوم
چودہ مضامین
ایک قرآن آداب القرآن ارض القرآن امثال القرآن
مصطلحات القرآن اصحاب القرآن قصص القرآن تراجم القرآن
تفسیر القرآن ربط القرآن علاج بالقرآن لغات القرآن
فہرست لبست بابی لمضامین القرآن آراء المستشرقین فی بیان القرآن
تالیف
ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر
دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادرِ علمی پیشکش

تحقیق الابواب لِتعارف الکتاب

المسمّٰی بہ

آثار التنزیل

حصہ

جلد دوم

چودہ مضامین

ایک قرآن آداب القرآن ارض القرآن امثال القرآن

اصطلاحات القرآن اصحاب القرآن قصص القرآن تراجم القرآن

تفسیر القرآن ربط القرآن علاج بالقرآن لغات القرآن

فہرست بست بابی لمضامین القرآن آراء المستشرقین فی بیان القرآن

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب ــــــــــــــ	آثار التنزیل جلد دوم
مصنف ــــــــــــــ	ڈاکٹر علامہ خالد محمود
کتابت ــــــــــــــ	محمد حنیظ الحق صدیقی خانیوال
ناشر ــــــــــــــ	دار المعارف لاہور
صفحات ــــــــــــــ	
تعداد ــــــــــــــ	
قیمت ــــــــــــــ	
ممالک یورپ ــــــــــــــ	

ملنے کے پتے

دفتر دار المعارف ½ دیو سماج روڈ سنت نگر لاہور

جامعہ ملیہ اسلامیہ توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور

پتہ انگلینڈ۔ اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

مقدمه

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

اللہ رب العزت کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جس نے آثار التنزیل کی دوسری جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ طلبہ اور علماء کو مدت سے اسکا انتظار تھا۔ ہر کام اپنے وقت کا رہین ہے اور اس خدمت کیلئے اللہ کے ہاں یہی وقت مقدر تھا۔ وکان امر الله قدرا مقدورا۔

طلبہ علوم اسلامی کو قرآن کے جس قدر قریب ہونا چاہیئے ہم انہیں حفظ و قرات کے سوا کسی دوسرے باب میں اس میں گہرا اترا نہیں دیکھتے قرآن کریم کے تاریخی پس منظر اور اسکے اصول کلیہ پر ہر طالب علم کی بالغ نظر ہونی چاہیئے مگر افسوس کہ قرآن کا یہ درک واستحضار بہت کم طلبہ کو نصیب ہوا ہے۔

قرآن کریم جس طرح اسلام کا پہلا ماخذ علم ہے طلبہ کا اس میں انہماک وادراک اسی درجہ میں ہونا چاہیئے مگر افسوس کہ آج طلبہ حدیث وفقہ کی بحثوں میں تو پھر بھی کچھ دلچسپی لے لیتے ہیں مگر قرآن کریم کے حوالوں سے بات چیت کرتے آپ انہیں بہت کم دیکھیں گے

راقم الحروف نے طلبہ کیلئے قرآن کریم کے بارے میں چالیس مختلف عنوان اختیار کئے ہیں اور طلبہ مدارس عربیہ کے ہوں یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے۔ ان کو ان مختلف راہوں سے قرآن کریم کے چشمہ صافی کے گرد لا بٹھانے کی کوشش کی ہے انکے عنوان بہت آسان ہیں تاہم انکی تفہیم بہت زیادہ توجہ۔ غور وخوض اور بار بار کے مطالعہ کی مقتضی ہے

قرآن کریم کے تعارف میں بہت سی کتابیں پہلے سے بھی موجود ہیں علوم قرآن پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن طلبہ کو ترجمہ قرآن کے قریب کرنے کیلئے کسی ایسی کتاب میں کوئی کوشش نہیں ملتی۔ طلبہ قرآن کے بارے میں تو بہت کچھ جان لیتے ہیں لیکن قرآن کو وہ بہت کم جان پاتے ہیں

راقم الحروف نے اس جلد میں لغات القرآن کے نام سے عربی الفاظ کا ایک مختصر کشکول پیش کیا ہے جسے بار بار دیکھنے اور پڑھنے سے طلبہ میں آسانی سے ترجمہ قرآن کی استعداد پیدا ہو سکتی ہے میں نے اس میں کچھ عربی الفاظ اسماء میں سے بھی اور افعال میں سے بھی اس طرح متفرق جمع کئے ہیں کہ ان میں واحد وجمع مؤنث ومذکر ماضی ومضارع اور امر و نہی کی تلاش خود طلبہ کے ذمہ لگائی ہے یہ کوشش ان میں ایک ایسا

ذوق پیدا کر دے گی کہ انکے لئے پھر پورے قرآن کا ترجمہ کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔

طلبہ کی مدد کیلئے راقم الحروف نے بیشتر وہ آیتیں بھی دے دی ہیں جہاں ان الفاظ کا استعمال ہوا ہے وہاں انکا ترجمہ بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ قرآن کے تعارف میں لکھی گئی پہلی کتابوں میں طلبہ کو ترجمہ قرآن کریم کے قریب کرنے کی یہ کوشش اور کہیں نہ ملے گی

میں پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اپنے مانچسٹر کے قیام کے دوران ان الفاظ کو اس ترتیب سے جمع کیا۔ یہاں بہت سے طلبہ ان الفاظ کی مشق سے ترجمہ قرآن کی استعداد پاگئے اور اسی احساس سے راقم نے اسے آثار التنزیل میں جگہ دی ہے

مضامین قرآن کی بست بالی فہرست اس جلد کا شاہ پارہ ہے اس میں ان مضامین پر کہیں بحث نہیں کی گئی۔ قرآن کریم سے ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں یہ مباحث موجود ہیں یہ اسلئے کہ طلبہ میں قرآن کی طرف مراجعت کرنے کی عادت پیدا کی جائے اور انہیں خود انکے تراجم کی ضرورت پڑے۔ اس سے ان میں تفسیر دیکھنے کی عادت بھی پیدا ہو جائے گی۔ یہ ایک ریفرنس بک کی طرح ہے جس کے حوالے آپ کو دیگر علمی کتابوں کی طرف رجوع کرنے میں مدد دے سکتے ہیں

میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے اللہ رب العزت کے حضور کوئی کلمہ شکر کہہ سکوں جس نے اس ناکارہ کو اس کام کی توفیق بخشی اور قرآن کریم کو چالیس مختلف عنوانوں سے طلبہ کے سامنے لانے کی سعادت عطا فرمائی ۔ اختلافی مسائل میں راقم نے حقائق کی بجائے طلبہ کے عام مزاج کو سامنے رکھا ہے جس سے ہر مکتب فکر کا طالب علم اس کتاب سے برابر کا فائدہ اٹھا سکے گا۔ یہ کتاب اسی لئے بعض یونیورسٹیوں میں برائے مطالعہ منظور کی گئی ہے۔

۷ا اکتوبر ۱۹۹۷ء　　　　　　　　مؤلف عفا اللہ عنہ

فہرست

ایک قرآن

آداب القرآن

ارض القرآن

قصص القرآن

امثال القرآن ۱۸۵

مختلف تراجم قرآن

علاج بالقرآن

مضامین القرآن

۱. کتابُ القرآن

۲. کتابُ الایمان

۳. کتابُ الکفر والالحاد

انبیاء بنی اسرائیل

حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام

لغات القرآن

ایک قرآن

صحابہؓ اور ائمہ اہلبیت کا ایک قرآن

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

اسلام کی پہلی تین صدیاں صحتِ قرآن اور اس کی وحدت میں ہر اختلاف سے خالی ہیں۔ تیسری صدی کے آخر یا چوتھی صدی کے شروع میں بعض یہود شیعی علماء کے لباس میں سامنے آئے اور انہوں نے قرآن کریم کو مابہ الاختلاف بنانے کے لیے ائمہ کے نام سے ایسی روایات گھڑیں کہ اس قرآن میں بہت کمی کی گئی ہے اور اس کا بہت سا حصہ ضائع ہوگیا ہے۔ نیز یہ کہ حضرت علیؓ نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ ترتیبِ نزول کے مطابق تھا یہ نہ تھا۔ (معاذ اللہ)

قرآن کو اختلافی بنانے کی یہ سازش یہودیوں نے کی تھی افسوس یہ کہ بعض شیعہ علماء بھی اس رَو میں بہہ گئے۔ اس اختلاف کو حضرت علیؓ سے شروع کرنا درست نہیں۔ تاریخ اس مفروضے کا ساتھ نہیں دیتی یہ صحیح ہے کہ سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین اختلاف ہوا، اس سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ کا خلفاء ثلثہ سے کوئی اختلاف نہ ہوا تھا۔ صحابہؓ میں یہ پہلا اختلاف تھا جو حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ میں ہوا۔ اس وقت تک سب صحابہؓ ایک تھے اور سب ایک ہی قرآن رکھتے تھے اور اسے اسی ترتیب سے نمازوں میں پڑھتے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا قرآن ایک تھا اور اس ایک قرآن کے سامنے لانے پر ہی جنگ صفین ختم ہوئی تھی۔ اگر دونوں کا قرآن علیحدہ علیحدہ ہوتا تو دونوں کسی ایک قرآن کے سامنے جنگ سے کیوں رک گئے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ کا ایک قرآن

(۱) جنگ صفین میں جب اہل شام نے بانسوں پر قرآن باندھ کر انہیں بلند کیا اور حضرت علیؓ نے اپنی فوجوں کو جنگ روکنے کا حکم دیا کہ میں قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے راضی نہیں تو یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ فریقین کا ایک قرآن ہو۔ اگر دونوں فریق ایک قرآن کو ماننے والے نہ تھے تو ایک قرآن سامنے لانے پر

اس طرح جنگ کیسے ختم ہو سکتی تھی۔

(۲) پھر فریقین میں جب تحکیم پر بات پہنچی کہ دونوں فریقین اپنے اپنے حکم تجویز کریں اور وہ دونوں مل کر مابہ النزاع کا فیصلہ کریں، حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو پیش کیا تھا اور حضرت معاویہؓ نے فاتحِ مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا تھا تو دونوں پر یہ پابندی عائد کی گئی تھی کہ وہ قرآن کے مطابق فیصلہ کریں تو اگر دونوں کے ہاں قرآن ایک نہ تھا تو یہ تحکیم کیسے واقع ہوئی ہوگی۔ پھر جب خوارج حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے تھے کہ انہوں نے انسانوں کا فیصلہ کیوں اپنے اوپر لاگو کرنے کا اقرار کر لیا۔ تو آپ نے فرمایا :-

انا لم نحکم الرجال وانما حکمنا القرآن وھذا القرآن انما ھو خط مسطور بین الدفتین۔[1]

ترجمہ ہم نے انسانوں کو حکم نہیں بنایا ہم نے قرآن کو حکم مانا ہے اور یہ قرآن مسطور میں لکھا ہوا ہے۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ ایک خطبہ میں اپنے اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف کا جائزہ لیتے ہوئے یوں فرماتے ہیں :-

ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدہ۔[2]

ترجمہ ہم دونوں کا رب ایک ہے اور ہم دونوں کے نبی بھی ایک ہیں اور ہماری دعوت فی الاسلام بھی ایک ہی ہے۔

دعوت فی الاسلام کا پہلا ماخذ قرآن کریم ہے سو وہ ایک ہی ہے جس پر ہم دونوں متفق ہیں معلوم ہوا کہ اس وقت تک سب مسلمانوں کے پاس باہم سیاسی اختلافات کے باوجود ایک ہی قرآن تھا کسی فریق کے پاس قرآن کا کوئی متبادل نسخہ نہ تھا۔

اس کی تصدیق ڈاکٹر اقبال مرحوم سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کی ایک شہادت سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے سفرِ ایران میں مشہد کے کتب خانہ میں حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک دیکھا جو بعینہ اسی ترتیب پر تھا جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی یہ رپورٹ کالج میگزین کے ۱۹۳۵ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۔ صـ [2] ایضاً جلد ۲ صـ ۱۱۴

حضرت علیؓ کی اولاد کا موقف

حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے جب حضرت معاویہؓ سے صلح کی تو اس میں ان حضرات نے یہ شرط رکھی تھی کہ حضرت معاویہؓ مسلمانوں میں کتاب اللہ کے مطابق معاملہ کریں گے۔ اس سے واضح ہوتا ہے دونوں کے ہاں (حضرت امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں) ایک ہی قرآن تھا حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اگر کسی اور نسخہ قرآن کے مدعی ہوتے جو ترتیب نزول پر لکھا گیا ہوتا تو وہ امیر معاویہؓ کو کس طرح اس پیرایہ میں کتاب اللہ کا پابند کر سکتے تھے یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس بھی وہی قرآن ہو جو ان کے پاس تھا۔ یہ حالات کھلے طور پر بتلاتے ہیں کہ اس وقت تک امت میں قرآن کی قرآنیت اور اس کی ترتیب کبھی زیر بحث نہ آئی تھی۔ تیسری صدی ہجری تک ہم امت میں قرآن کریم کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں دیکھتے۔

حضرت علی بن الحسین امام زین العابدینؒ

حضرت امام زین العابدینؒ سانحہ کربلا کے بعد جب مدینہ منورہ رہے تو روایت حدیث میں آپ دوسرے علماء امت کے ساتھ برابر کے شریک رہے۔ مسجد نبوی میں جب ان کی آمد ہوتی تو محدثین کی ایک پوری جماعت ان سے روایت لیتی اور ان سے استفادہ کرتی۔

روایت حدیث میں یہ اشتراک تبھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ایک قرآن پر پہلے سے متفق ہوں اگر حضرت علی بن الحسین زین العابدین کسی اور قرآن کے مدعی ہوتے تو اہل سنت کے ساتھ یہ اشتراک فی الحدیث کیسے ہو سکتا تھا۔

حضرت امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ)

حضرت علی بن الحسینؓ کے بیٹے امام محمد باقرؒ اپنے وقت کی ممتاز علمی شخصیت ہیں۔ آپ کے سامنے بڑے بڑے علماء نے زانوئے تلمذ طے کیا۔ ان میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) بھی تھے۔ حضرت امام مالکؒ کی کتاب موطا حدیث کی پہلی باقاعدہ مدون کتاب ہے

اس کی ایک دو سندیں ملاحظہ فرمائیں۔ ان حضرات کا حلقہ حدیث میں یہ اشتراک بتاتا ہے کہ ان میں اس وقت (اس موجودہ قرآن کے سوا) کسی اور قرآن کا تصور تک نہ تھا۔

مالک عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان علی بن ابی طالب کان یقول

ما استیسر من الهدی شاۃ۔[1]

عن علی بن الحسین عن ابیہ حسین بن علی عن علی بن ابی طالب صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۱۹ اخبرنی علی بن الحسین بخاری جلد ۱ ص ۱۵۲ آل ابی بکر و آل عمر و آل علی وابن سیرین جلد ۱ ص ۲۱۳ عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۹۷ ان علی بن الحسین حدثہ انہم حسین قدموا المدینۃ جلد ۱ ص ۲۸۳ حدثنا یحیی عن جعفر بن محمد عن ابیہ سنن نسائی جلد ۱ ص ۴۰ حدثنا جعفر بن محمد عن ابیہ ترمذی جلد ۱ ص ۱۶

حضرت امام مالکؒ کے شاگردوں میں امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور امام شافعیؒ کے شاگردوں میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) اور پھر ان کے شاگردوں میں امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کو لیجئے ان کی کتابوں میں بھی آپ حضرت امام محمد باقرؒ اور حضرت امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ) کی روایات برابر دیکھیں گے امام بخاری اور امام مسلم کے شاگردوں میں پھر امام نسائی (۳۰۳ھ) اور امام ترمذی (۲۷۹ھ) آتے ہیں ان کے ہاں بھی ان ائمہ اہلبیت کی روایات دوسرے محدثین کے ساتھ مخلوط ملیں گی۔ ان حضرات سے یہ علمی اشتراک بتاتا ہے کہ ان کے مابین اسلام کے پہلے علمی ماخذ قرآن کریم کے بارے میں ہرگز کوئی اختلاف نہ تھا اور سب محدثین کا قرآن ایک تھا۔

قرآن کریم میں تھوک کمی بیشی کی پہلی آواز

امت مسلمہ میں اختلافِ قرأت اور ناسخ و منسوخ کے کئی اختلاف تو بے شک رہے لیکن موجودہ قرآن میں کسی نے کسی قسم کی تحریف کا دعوے نہ کیا تھا نہ قرآن پاک کے بارے میں یہ آواز کہیں سُنی گئی تھی کہ اس میں تھوک کمی بیشی ہوئی ہے۔

قرآن کے خلاف یہ ناموس صدا یہودیوں کی ایک سازش ہے کوئی مسلمان اس کا ہمنوا نہیں ہو سکتا سب سے پہلے یہ آواز چوتھی صدی میں ہم علی بن ابراہیم القمی (۳۰۷ھ) اور محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ)

---

[1] موطا امام مالک ص ۱۴۷

سنتے ہیں علی بن ابراہیم القمی اپنی تفسیر میں جگہ جگہ تحریف کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان کے شاگرد علامہ کلینی بھی ٹھوک بجا کے پیمانے پر قرآن کریم میں کمی بیشی کی روایات لاتے ہیں اور ہم اس پر اظہار افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ اس نئے درآمد کردہ عقیدے کا سارا بوجھ امام باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ پر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ اہلبیت میں سے کوئی بھی تحریف قرآن کا قائل نہ تھا اور یہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ سے ہرگز کسی اعتقادی فاصلے پر نہ تھے۔

اب قمی اور کلینی کی تحریف قرآن کی ان روایات کی بنا پر کل شیعہ آبادی کو تحریف قرآن کا معتقد ٹھہرانا درست نہیں۔ اثنا عشری اپنے کو جن بارہ اماموں کی طرف منسوب کرتے ہیں ان میں کوئی قرآن پاک میں کسی قسم کی تحریف اور تبدیل کا قائل نہ تھا اور ائمہ اہلبیت کے گرد جو علمی حلقہ تھا ان میں بہت سے ایسے روات حدیث بھی ہوتے تھے جو ان حضرات کے لیے کسی آسمانی امامت کا عقیدہ نہ رکھتے تھے۔ جس طرح وہ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کو علمی پذیرائی دیتے تھے۔ ملا محمد باقر مجلسی (۱۱۰۴ھ) لکھتا ہے:۔

> از احادیث ظاہر مے شود کہ جمعے از راویاں کہ در اعصار ائمہ بودہ اند از شیعاں اعتقاد بعصمت ایشاں نداشتہ اند بلکہ ایشاں را از علمائے نیکو کار مے دانستہ اند چنانکہ از رجال کشی ظاہر مے شود و مع ذلک ائمہ حکم بایمان بلکہ عدالت ایشاں مے کردہ اند[1]

ترجمہ۔ احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ائمہ کرام کے اپنے زمانوں کے شیعہ راویوں کی جمعیت ان ائمہ کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھتی تھی اور انہیں علمائے نیکو کار ہی سمجھا جاتا تھا جیسا کہ رجال کشی سے ظاہر ہوتا ہے لیکن ان عقائد کے باوجود یہ ائمہ اطہار ان لوگوں کو نہ صرف مومن سمجھتے تھے بلکہ انہیں شاہد عدل بھی قرار دیتے تھے۔

قاضی نور اللہ شوستری بھی لکھتا ہے:۔

> اکثر اہل آں زماں را اعتقاد آں بود کہ امامت حضرت امیر علیہ السلام مبنی بر امامت ایشاں است[2]

---

[1] حق الیقین صفحہ ۳۲۸ لکھنؤ صفحہ ۵۵ ایران [2] مجالس المؤمنین صفحہ ۲۴

محمد بن یعقوب کلینی نے گو ایک ذخیرہ حدیث علیحدہ جمع کیا؛ تاہم اس میں بھی ائمہ اہلبیت کا دوسرے ائمہ علم سے عام ملنا جلنا مذکور ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام موسیٰ کاظمؒ کی ملاقات جلد ۳ ص۲۵۲ پر امام سفیان الثوریؒ اور امام جعفر صادقؒ کی ملاقات جلد ۲ ص۲۴۲ ص۵۲۱ پر۔ امام قتادہؒ اور امام باقرؒ کی ملاقات جلد ۶ ص۲۵۶ جلد ۸ ص۳۱۱ امام باقرؒ کا امام ابو حنیفہؒ کے علم کا اعتراف کرنا جلد ۸ ص۲۹۲ امام ابو حنیفہؒ کا امام جعفرؒ سے روایت لینا جلد ۷ ص۴۳۲ جلد ۳ ص۵۴۶ ابو قرہ محدث اور امام رضا کی ملاقات جلد ۱ ص۹۶ امام زہری کی روایت امام زین العابدینؒ سے جلد ۳ ص۸۳ جلد ۱ ص۱۳ ص۱۰۸ ص۳۱۷ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

اس پس منظر میں ایک قرآن کا عقیدہ اور بھی کھل کر سامنے آتا ہے۔ علامہ کلینی اور ان کے ہمنواؤں نے تحریف قرآن کی جو روایتیں لکھی ہیں ان میں علماء کو جھوٹا سمجھنا آسان ہے لیکن ائمہ اہلبیت کی طرف کسی ایسے عقیدے کی نسبت نہیں کی جا سکتی جو کفر پر منتج ہو یا اس میں انکار قرآن کی بو پائی جائے۔ ایران کے اثنا عشری علماء ان تمام روایات کو جو ان کی معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور وہ تحریف قرآن کے عقیدے پر دلالت کرتی ہیں جھوٹا اور موضوع کہتے ہیں۔ تاہم موجودہ قرآن کو غلط کہنے کے لیے وہ بھی تیار نہیں۔ ہاں جن کا عقیدہ قرآن کریم میں کمی بیشی کا رہا ان کے کفر میں کسی کو شبہ نہ ہونا چاہیئے۔

ان حالات میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب تک کوئی فرقہ قرآن کریم کی کوئی اور متبادل کاپی نہ دکھائے جو ترتیب نزول پر جمع کی گئی ہو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایک قرآن کے مسئلے میں کوئی فرقہ مجموعی طور پر جمہور اہل اسلام سے جدا ہوا ہوگا۔ کل اہل اسلام ایک قرآن پر متفق ہیں۔

اصول کافی کی صحت اثنا عشری علماء کے ہاں

اثنا عشری علماء کے ہاں اصول کافی کا وہ درجہ نہیں جو صحیح بخاری کا اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں ہے یہ صحیح ہے کہ دونوں کے ہاں ان کی صف اول کی کتابیں یہی ہیں اور شیعہ کے اصول اربعہ میں سب سے پہلا نام کافی کلینی کا ہی ہے لیکن صحیح بخاری اہل سنت کے ہاں بیشتر صحیح روایات پر مشتمل ہے اور اصول کافی شیعہ علماء کے ہاں بہت سی ضعیف روایات کی حامل ہے اس کی کل احادیث میں سے ان کے ہاں صرف احادیث صحیح ہیں۔ سو ضروری نہیں کہ ان ضعیف روایات میں جو کچھ مروی ہے تمام شیعوں کا اپنا اعتقاد بھی وہی ہو جو شیعہ اصول کافی کی تحریف قرآن کی روایات

کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں ہمیں بھی اسے قرآن کی شانِ اعجاز کی ایک جھلک سمجھنا چاہیئے۔

اس پس منظر میں اسلامیات کے طلبہ کو چاہیئے کہ اس بات پر بخلوص قلب یقین رکھیں کہ اسلام کی پہلی تین صدیوں میں پوری امت ایک قرآن پر جمع رہی ہے اور بعد کے بعض سادہ لوح علماء نے جو یہود کی دسیسہ کاریوں کو نہ سمجھ پائے انہوں نے ان کی وضعی روایات کی اساس پر قرآن کو ایک مختلف فیہ دستاویز سمجھ لیا۔ تاہم یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اب تک اس کے منکرین کو بھی یہ توفیق حاصل نہیں ہوئی کہ وہ ایک قرآن کے سوا اس کی کوئی متبادل کاپی کہیں پیش کر سکیں۔ ماسوائے اس کے کہ وہ اسے کسی غار میں چھپی بتائیں۔

حضرت امام حسن عسکریؒ (۲۶۰ھ) کے بیٹے محمد بن الحسن کی ولادت ۲۵۴ھ میں تیسری صدی کے نصف آخر میں ہوئی ظاہر ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں بس ایک ہی قرآن تھا۔ سو ہم یہ بات نہیں مان سکتے کہ امام مہدی کے پاس کوئی اور قرآن ہو جسے وہ اپنے ظہور پر ظاہر کریں گے۔

اس پر ہم ایک قرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اسلام کی پہلی تین صدیوں میں مسلمانوں کے کسی حلقے میں بھی دو قرآن کا تصور ہوتا تو اس دور کے مسیحی علماء کی طرف سے کہیں تو اس کا دعوے عام کیا گیا ہو۔

قمی اور کلینی کا ایک دوسرے قرآن کا دعویٰ

سب سے پہلے علی بن ابراہیم القمی (۳۰۷ھ) اور محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) اُٹھے جنہوں نے ایک دوسرے قرآن کی جو موافق تنزیل جمع کیا گیا خبر دی۔ یہ آواز چوتھی صدی میں لگی کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن بھی ہے جو کسی امام کے پاس غار میں محفوظ رکھا ہے اور اللہ رب العزت کا یہ دعوے کہ ہمیں نے قرآن اُتارا ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اسی نسخہ قرآن سے متعلق ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علامہ قمی اور کلینی اس دعوے کو ہم پوری شیعہ قوم کی آواز کہہ سکتے ہیں؟ ہم اثبات میں جواب دیتے اگر ان دونوں کے بعد انہی کے پایہ کے چار متقدر اثنا عشری عالم اس کے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوتے (شیخ صدوق (۳۸۱ھ) شریف مرتضیٰ صاحب علم الہدیٰ (۴۳۶ھ)

ابن بابویہ القمی (۳۰۲ھ) اور شیخ مفید بلکہ صاحب مجمع البیان برملا اس بات کے مدعی ہوئے کہ قرآن ایک ہی جو موافق ترتیب رسول پوری دنیا میں پڑھا جا رہا ہے ترتیب نزول پر کوئی دوسرا نسخہ کہیں موجود نہیں۔

کیا ائمہ اہلبیت میں سے بھی کوئی جمع قرآن موافق تنزیل کا قائل ہوا

ان ائمہ کرام نے خود کوئی کتاب نہیں لکھی جو ہمارے پاس محفوظ پہنچی ہو۔ ان کے نام سے جو روایات علی بن ابراہیم القمی اور محمد بن یعقوب الکلینی نے لکھی ہیں ان کی بنا پر ائمہ اہل بیت کو کسی دوسرے قرآن کا قائل نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے واقعہ صفین میں دونوں کا قرآن ایک ہی تھا۔ افسوس کہ ان بزرگوں کی طرف ان لوگوں نے تحریف قرآن کی روایتیں منسوب کیں جن کا اپنا عقیدہ یہ تھا کہ خلاف واقعہ بات کہنا اور تقیہ اختیار کرنا ایک بڑی نیکی ہے ـــ پیش نظر رہے کہ ان ائمہ کے اصحاب سب امامت کے عقیدے پر ہرگز نہ تھے اور اس کا مجلسی نے خود اقرار کیا ہے۔

علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان، ا جلدوں میں لکھی اور یہ ترتیب نزول پر نہیں ترتیب رسول پر لکھی گئی اور اسے پوری شیعہ قوم نے قبول کیا۔ کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی کہ اس وقت کوئی شیعہ عالم علامہ طبرسی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہوں اور انہوں نے طبرسی کو ملحد اور راہ سے اکھڑا بتایا ہو۔

سب قوم اسی مسلک پر چلی آرہی تھی یہاں تک کہ ایران میں صفوی انقلاب آیا اور اب لوگ اس عقیدے پر نہ رہے جو ان میں قرآن کے بارے میں پہلے سے چلے آرہا تھا۔ ملا محمد باقر مجلسی نے پھر وہی موقف اختیار کیا جو علامہ کلینی کا تھا۔ مجلسی نے حق الیقین میں مطاعن عثمان کی بحث میں ساتویں نمبر پر اسی عقیدہ کی ترجمانی کی ہے۔

ہندوستان میں برطانوی دور میں ملا محمد مقبول دہلوی نے قرآن کریم کا ایک اردو ترجمہ کیا اور اس پر ایک حاشیہ لکھا۔ اس نے اس میں جگہ جگہ تحریف قرآن کی روایتیں لکھیں ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے لیکن ہم اس سے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ تم اس قرآن کا ترجمہ کیوں کر رہے

ہر جو موافق تنزیل جمع نہیں، اگر قرآن کا کوئی دوسرا نسخہ موافق تنزیل ہے تو تم نے اس کا ترجمہ کیوں لکھا معلوم ہوا کہ قرآن ایک ہی ہے اور اس پر پوری امت مجتمع ہے۔ طلبہ کو چاہیئے کہ ہر اس عالم کی تحریر اور تفسیر سے بچیں جو امت میں کسی دوسرے قرآن کا تصور پیش کرتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اختلاف کی حقیقت

تدوین قرآن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام وہ نسخے جن میں قرآن کریم کے ساتھ کچھ اور بھی لکھا تھا (مثلاً کوئی تفسیری جملے یا تفسیری الفاظ یا اختلاف قرأة) اپنے قبضے میں لے لئے تھے اور ان میں قرآن کے ماسوا جو کچھ تھا اسے ان اوراق اور تحریرات سے کھرچ ڈالا گیا تا کہ آئندہ اور کسی وقت میں یہ الفاظ اور عبارات قرآن نہ سمجھ لی جائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) اپنے نسخہ قرآن کو ان زائد قیمتی معلومات کی بناء پر حضرت عثمانؓ کے سپرد کرنے کے تیار نہ ہوئے۔ یہ وہ موضوع ہے جسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اختلاف کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے اس تفسیری ذخیرہ میں معوذتین نہ لکھی ہوئی تھیں اس کی وجہ بھی یہی ہوگی کہ کسی علمی دستاویز یا تفسیری ذخیرہ میں ضروری نہیں کہ پورا قرآن لکھا جائے حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن جو مشہد کے مخطوطات میں موجود ہے پورا قرآن نہیں ہے لیکن جو ہے وہ اسی ترتیب پر ہے جو اس وقت موجود قرآن میں پائی جاتی ہے سو اس میں تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ یہ نسخہ پورا قرآن ہے انہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن ایک ہی ہے گو کہیں پورا لکھا ہوا ہو یا نامکمل لکھا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حضرت عثمانؓ سے اتفاق

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی شخصیت کا تقاضا تھا کہ ان کے پاس وہ مصحف جس میں آپ کے تفسیری الفاظ اور جملے اور اختلاف قرأت بھی لکھا ہوا تھا ان کے پاس رہنے دیا جاتا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کی شخصی عظمت پر

اُمت کی حفاظت کو مُقدم جانا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے برابر درخواست کرتے رہے کہ جب سب صحابہ ایک قرآن پر جمع ہو چکے ہیں آپ بھی اپنے اس اجماعی موقف پر آجائیں آپ نے حضرت عثمانؓ کی یہ بات تسلیم کرلی اور صحابہ کے اس اجماعی موقف کو قبول کرلیا حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں۔

فکتب الیہ عثمان رضی اللہ عنہ یدعوہ الیٰ اتباع الصحابۃ فیما اجمعوا علیہ من المصلحۃ فی ذٰلک وجمع الکلمۃ وعدم الاختلاف فاناب واجاب الیٰ المتابعۃ وترک المخالفۃ رضی اللہ عنہم اجمعین[1]

قراء سبعہ میں سے قاری عاصم کسائی اور حمزہ نے جو اپنی سندیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تک پہنچائیں ہیں اور ان اسانید کو صحیح ترین قرار دیا گیا ہے ان میں معوذتین برابر موجود ہیں جو اس بات کی کھلی شہادت ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین کے قرآن ہونے کے ہرگز خلاف نہ تھے اپنے مُصحف میں انہیں نہ لکھنا ایک امر اتفاقی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اُنھوں نے اسے لکھنے میں جمع قرآن کا کہیں اعلان نہ کیا ہُوا تھا یہ ایک ان کی اپنی علمی دستاویز تھی جسے انھوں نے اپنی مصلحت سے لکھا تھا اُن کا ایک قرآن سے ہرگز کوئی اختلاف نہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ کا ایک قرآن کا اعلان

ابراھیم تیمی اپنے والد یزید بن شریک تیمی سے روایت کرتے ہیں: — ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ بھی کوئی اور کتاب ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو اس نے جھوٹ بولا[2] آپ کے شاگرد ابوجحیفہ نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا لکھا ہوا ہے آپ نے فرمایا۔

اس میں دیت اور جرمانہ کے کچھ مسائل قیدیوں کو واگزار نے کے احکام اور قصاص کے احکام کہ کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا وغیرہ موجود ہیں[3]

اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ بھی ایک قرآن ہی رکھتے تھے اور آپ کے پاس کوئی اور قرآن نہ تھا جو موافق ترتیب نزول جمع کیا ہوا ہو۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ۲۱۸ [2] کتاب السنۃ امام احمد صـ۱۸۹ [3] ایضاً صـ۱۷۷

آداب القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

قرآن کریم کلام الٰہی ہے کلام الملوك ملوك الكلام مشہور ضرب المثل ہے۔ بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہے۔ دنیا میں بادشاہوں کے فرامین عام پھینکے نہیں جاتے اور یہ تو بادشاہوں کے کے بادشاہ اور شہنشاہ حقیقی کا کلام ہے اس کے آداب کیوں نہ ہوں گے۔ قرآن کریم کو دیکھنے اور سننے سے ذہن فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاتا ہے سو یہ خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے اور اس کے شعائر میں سے ایک شعیرہ ہے اس کی ظاہری عزت بھی اللہ کے حضور اپنی بندگی کا اقرار اور اس کی عظمت کا اظہار ہے۔

اسلام کی نگاہ میں وہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے شعائر — اس کی عظمت کے نشان — اس کی معرفت کے عنوان — اور اس کے تقرب کی علامت ہیں — واجب التعظیم ہیں۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب۔ (پ۱۷ الحج ۳۲)

ترجمہ۔ اور جس نے اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کی سو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

منبر و محراب، کعبہ و مسجد، نماز و قربانی، قرآن اور اذان یہ سب اللہ کے دین کے نشان ہیں اور یہ سب اس کا پتہ دیتے ہیں۔ دین حق کی پہچان جن علامات سے ہوتی ہے انہیں اللہ رب العزت کے شعائر کہا جاتا ہے یہ اس کی پہچان کی حسی مرادیں ہیں۔

ومن یعظم حرمٰت اللہ فهو خیر له عند ربه۔ (پ۱۷ الحج ۳۰)

ترجمہ۔ جو بڑائی رکھے اللہ کی حرمتوں کی سو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے ہاں۔

ان شعائر کا تعلق اللہ کی ذات سے ایک رابطے کا ہے لیکن اس رابطے کے ساتھ ان کا ظاہری احترام و اجلال بھی شریعت کا ایک مستقل تقاضا ہے۔ مسجد میں جنابت کی حالت میں جانا جائز نہیں — کعبہ کی طرف رُخ کر کے پیشاب کرنے کی اجازت نہیں — قربانی کے لیے خریدا ہوا جانور

بیچا نہیں جا سکتا۔ اذان کو کسی دوسری قوم کی خاطر روکا نہیں جا سکتا۔ ان شعائر کے تعظیم و احترام سے دینِ حق کا رعب و جلال قائم ہوتا ہے۔

قرآن پاک کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کے بھی کچھ آداب ہوں اسے صرف ایک ضابطہ قانون اور ایک محض پیغامِ حیات نہ سمجھا جائے بلکہ اس کے اجلال و احترام کے ظاہری آداب بھی ہونے چاہئیں ان آداب کا اس کتاب کی تعمیل احکام پر گہرا نفسیاتی اثر پڑتا ہے۔ یہ ظاہری آداب بھی انسان کی فکر و نظر اور قلب و جگر میں بہت دور تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن ایک ضابطۂ عمل ہے اس کی حقیقی تعظیم اس کے احکام کو تسلیم کرنا اور انہیں اپنی عملی زندگی میں لانا ہے لیکن اس کے نقوشِ کتابیہ Forms کا ادب و احترام بھی تکلف نہیں ہے اس کے بڑے اثرات ہیں۔ اس کی طرف پاؤں دراز کرنا بھی ایک بڑی بے ادبی ہے۔

ممکن ہے بعض مغرب زدہ ذہن ہم سے متفق نہ ہوں ہم ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اس دورِ جدید میں بیسیوں وہ مرحلے ہیں جہاں تم ظاہری آداب کے اس انداز کو نہ صرف اپنا چکے ہو بلکہ انہیں اپنی تہذیب قرار دیتے ہو ـــــ ترانہ ملی پڑھے جانے کے وقت کس ملک کے باشندے اور کس مجلس کے حاضرین کھڑے نہیں ہوتے ؟ بے شک یہ اپنے ملک سے وفا کی حقیقت نہیں لیکن کیا اسے اپنے ملک کی عظمت و محبت کا ایک نفسیاتی پیرایہ نہیں سمجھا جاتا ؟ پھر قرآن کریم کے ظاہری آداب کے باب میں شریعت کے صریح احکام موجود ہونے کے باوجود ان حقائق کو نظرانداز کرنا کہاں کا انصاف ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کی حقیقی تعظیم اسے آخری قانون ہدایت تسلیم کرنا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے لیکن اس کے ظاہری احترام کا بھی ہمیں اسلام نے حکم دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھ اسے چھونے نہ پائیں مبادا وہ اس کی بے ادبی کریں اور شعائر اللہ کی توہین ہو جائے یہ توہین اس کے باطن اور اس کے تقاضوں کی نہیں اس کے ظاہری وجود کی ہے جسے دیکھتے ہی خدا کا ایک نشان ملتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ :-

نهى ان يسافر بالقرآن الى ارض العدو مخافة ان يناله العدو۔[1]

ترجمہ: آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے کہ قرآن لئے دشمن کی سرزمین میں جاؤ اندیشہ ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

قرآن پاک اگر کفار محاربین کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس سے صداقت کے جوہر تو چھین نہیں سکتے اور نہ اس کے دلائل کا وزن کم کر سکتے ہیں۔ پھر اگر قرآن کا یہ ظاہری احترام مطلوب نہیں، تو شریعت آخر کس لیے اس کے کفار کے ہاتھ لگنے پر پابندی لگا رہی ہے؟

اسلام کی نظر میں قرآن پاک کا ظاہری ادب واحترام اگر ضروری نہ ہوتا اور شریعت کا یہ تقاضا نہ ہوتا کہ وہ زمین پر گرنے نہ پائے، ناپاک جگہ پر رکھا نہ جائے، بغیر طہارت اسے ہاتھ نہ لگیں وغیرہ وغیرہ تو لسان شریعت اس کے کفار کے ہاتھ لگنے پر قدغن نہ لگاتی۔ ارشادِ نبوت صاف بتلا رہا ہے کہ قرآن پاک کے حقیقی احترام کے ساتھ اس کا ظاہری احترام قائم رکھنا بھی اسلام کا حکم ہے اور ہم مکلف ہیں کہ اس کے ان آداب کو بھی اسلامی ثقافت کا جزء سمجھیں۔

قرآن کریم کے آداب کی بھی مختلف جہات ہیں اس کو چھونے اس کو پڑھنے اس کو سننے اس کو رکھنے اور اس کو سمجھنے کے اپنے اپنے آداب ہیں انہیں ہم طہارت تلاوت، کتابت سماعت، امامت وغیرہ کے چند ذیلی عنوانوں سے یاد کریں گے۔

قرآن کریم کے آدابِ طہارت

طہارتِ کاملہ کے بغیر قرآن کریم کو نہ چھونا چاہیئے۔ طہارتِ کاملہ یہ ہے کہ انسان حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں سے پاک ہو۔ نہ اس پر غسل فرض ہو اور نہ بے وضو ہو۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

كان اعظم التعظيم ان لا يقرب منها الانسان الا بطهارة كاملة۔[2]

ترجمہ: قرآن کریم کی بڑی تعظیم یہ ہے کہ انسان بغیر پوری طہارت کے اس کے قریب نہ آئے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۲۱۲ فالعلة المذكورة فى الحديث من كلام النبى ام من كلام مالك كما ظن ابوداؤد فى جلد ا ص۲۱۵
[2] حجة الله البالغہ ص

قرآن کریم کی آسمانوں میں شان یہ ہے کہ اسے صرف فرشتے چھو پاتے ہیں تو زمین پر بھی اس کی اتنی سطوت اور عزت ہونی چاہیئے کہ بغیر طہارت کاملہ کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے.

قرآن کریم میں ہے :-

انہ لقران کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون. تنزیل من رب العالمین. (پ الواقعہ)

ترجمہ بے شک یہ قرآن ہے عزت والا. لکھا ہوا لوح[1] محفوظ میں. وہی چھوتے ہیں اسے جو پاک ہیں. تنزیل ہے پروردگار عالمین کی طرف سے.

(۱) لا یمسہ میں ضمیر مفعول لوح محفوظ کے قرآنی نقوش کے لیے ہو یا ان صحائف اوراق کے لیے جو اس وقت قرآن کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں امر واقع خواہ کچھ ہو اتنی بات یقینی ہے کہ قرآن اپنی عظمت اور شان کے اعتبار سے اس امر کا متقاضی ہے کہ اسے وہی ہاتھ چھوئیں جو پاک[2] ہوں.

یہاں موضوع قرآن کی تعظیم ہے اس لیے غالب یہی ہے کہ لا یمسہ کی ضمیر مفعول موجودہ

---

[1] کتاب مکنون سے مراد لوح محفوظ ہو تو مطہرون سے فرشتے مراد ہوں گے کیونکہ انسانی ہاتھوں کی وہاں تک رسائی نہیں اور اگر صحائف اوراق مراد ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اسے نہ چھوئیں مگر پاک لوگ یعنی بدوں وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں اس صورت میں لا یمسہ کی نفی نہی کے لیے ہوگی جیسا کہ رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (پ البقرہ) میں نفی نہی کے لیے ہے (قالہ العلامۃ العثمانی)

[2] جب لوح محفوظ کے نقوش قرآنیہ کو پاک ہاتھوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں چھوتا تو موجودہ تنزیل کے نقوش کتابیہ بھی اس حق کے متقاضی ہیں کہ انہیں پاک ہاتھوں کے سوا کوئی دوسرا ہاتھ چھونے نہ پائے لاشتراک العلۃ بینھما. ہاں لوح محفوظ مراد ہونے کی صورت میں ہمارا اسے بے وضو نہ چھونا دلالت التزامی پر مبنی ہوگا اور نقوش تنزیلیہ مراد ہونے کی صورت میں اس آیت کی اس مسئلے پر دلالت صریح ہوگی البتہ اس اختلاف کی وجہ سے اس دلالت میں قطعیت نہ رہے گی. قرآن کو چھونے کے لیے وضو عملاً تو واجب ہوگا لیکن اس کا منکر کافر نہ ہوگا. شامی میں ہے. لو انکر الوضوء لغیر الصلوٰۃ یکفر عندنا. (رد المحتار جلد ا صـ ۲۲)

قرآن کے لیے ہے۔ تنزیل من رب العالمین کا قرینہ بتلا رہا ہے کہ یہاں قرآن پاک کے نقوش تنزیلی مراد ہیں نہ کہ لوحِ محفوظ کے نقوش جن کی تنزیل کبھی نہیں ہوئی۔ قرآن پاک کا لوحِ محفوظ میں لکھا جانا یا پہلے آسمان پر آنا تدریجی ہرگز نہ تھا۔ تنزیل تدریجاً اترنے کو کہتے ہیں۔

(۲) پھر لا یمسّہ الا المطھرون میں چھونے کے دو مفہوم ہیں۔

۱۔ جو لوگ صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں وہی اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں اس صورت میں مس کے معنی مجازی ہوں گے۔

۲۔ اس قرآن کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں اس صورت میں مس کے معنی حقیقی ہوں گے اور مطہرون سے طہارتِ کاملہ کے حاملین مراد ہوں گے۔

مطہرون کی طہارت حدثِ اکبر اور حدثِ اصغر دونوں سے پاک ہونا ہے اللہ تعالیٰ وضو غسل جنابت اور پھر دونوں کے قائم مقام تیمم کے احکام بیان کر کے سب کی علتِ جامعہ یہ بیان فرماتے ہیں:۔

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم۔ (پ المائدہ)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے وہ چاہتے ہیں کہ تم پاک رہو۔

پس طہارت صرف یہی نہیں کہ انسان جنابت سے پاک ہو بلکہ وہ تیمم جو وضو کے بدل میں حدث اصغر کے لیے ہوتا ہے وہ بھی طہارت ہے اور حدثِ اصغر کی حالت میں آدمی باطہارت نہیں ہوتا۔ طہارت کا لفظ اگر کہیں محض جنابت سے پاک ہونے پر بولا جائے تو قرینہ لازمی ہوگا طہارت کا فردِ کامل یہی ہے کہ حدثِ اکبر اور حدث اصغر دونوں سے پاک ہو پس مطہرون کے معنی باوضو ہونے کے ہی ہوں گے۔ امام ترمذیؒ نے بھی طاہر کے معنی باوضو ہونا بیان کیے ہیں:۔

ولا یقرأ فی المصحف الا وھو طاھر۔[۱]

ترجمہ۔ اور نہ چاہیئے کہ تم میں کوئی دیکھ کر قرآن پڑھے اور وہ غیر طاہر ہو۔

لا یمسّہ میں لوحِ محفوظ کے نقوش مراد ہوں یا صحائف موجودہ اتنی بات بالکل واضح

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۱ صـ۱۲ دہلی صـ۵ لکھنؤ و دیوبند بترتیب ابن ماجہ فی صـ۴۴ فراجع لہ

ہے کہ قرآن انہی ہاتھوں میں آتا ہے جو پاک ہوں اور لفظ مس کے حقیقی معنی تقاضا کرتے ہیں کہ اسے بے وضو نہ چھوا جائے طہارت کاملہ یہی ہے کہ انسان وضو سے ہو۔

علامہ شامی لکھتے ہیں :۔

ان فیہ حمل المس علی الحقیقۃ والاصل فی الکلام الحقیقۃ واحتمال غیرھا بلا دلیل لا یقدح فی صحۃ الاستدلال فلا ینافی ذٰلک القطعیۃ[1]

ترجمہ۔ یہاں لفظ مس (چھونا) اپنے حقیقی معنوں پر محمول ہے اور کلام میں اصل یہی ہے کہ حقیقی معنی لیے جائیں کسی دوسرے معنی کا احتمال جس کے لیے دلیل بھی کوئی نہ ہو اصل استدلال کی صحت پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مولود کعبہ حضرت حکیم بن حزام کو جب یمن کی طرف بھیجا تو نصیحت فرمائی :۔

لا تمس القرآن الا وانت طاھر[2]

ترجمہ۔ قرآن کو بغیر طہارت ہاتھ نہ لگانا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

لا یمس القرآن الا طاھر[3]

ترجمہ۔ کوئی شخص قرآن کو بغیر طہارت ہاتھ نہ لگائے۔

یہ روایات اس قرآنی حکم کی پرزور تائید کرتی ہیں کہ قرآن پاک کو وہی ہاتھ چھوئیں جو پاک ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :۔

وجب ان لا یقربھا الا مطھر ولم یشترط الوضوء لقرأۃ القرآن لان التزام الوضوء عند کل قرأۃ یخل فی حفظ القرآن وتلقیہ[4]

ترجمہ۔ ضروری ہے قرآن کے قریب انسان بغیر طہارت نہ جائے ہاں قرآن پاک

---

[1] رد المحتار جلد ۱ صـ ۲۲ مصر [2] رواہ الحاکم فی المستدرک جلد ۳ صـ ۴۸۵ اسنادہ صحیح (عزیزی جلد ۳ صـ ۴۴۲)
[3] رواہ الطبرانی فی الکبیر والصغیر ورجالہ موثقون (مجمع الزوائد جلد ۱ صـ ۱۰۴) [4] حجۃ اللہ البالغہ صـ

کے (زبانی) پڑھنے کے لیے وضو کی شرط نہیں کیونکہ ہر قرأت کے وقت وضو کا التزام قرآن کے حفظ اور اخذ میں خلل انداز ہوگا۔

امام ترمذی صحابہؓ و تابعین کا فیصلہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

قالوا یقرأ الرجل القران علی غیر وضوء ولا یقرأ فی المصحف الا وھو طاھر وبہ یقول سفیان الثوری والشافعی واحمد واسحٰق[1]

ترجمہ۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان بغیر وضو کے قرآن پڑھ تو سکتا ہے لیکن اسے دیکھ کر پڑھنے کی اجازت نہیں یہی فیصلہ امام سفیان الثوریؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔

یہ چار جلیل القدر مجتہدین کا فیصلہ آپ کے سامنے ہے امام ابوحنیفہؒ کی بات اس سے بھی آگے ہے۔ حضرت علامہ شعرانیؒ (۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:۔

ہم حضور اکرمؐ کی طرف سے پابند ہیں کہ کلام الٰہی کی تعظیم کے لیے وضو کا اہتمام رکھیں اور دوسروں کو بھی اس بات کا حکم کریں[2]

ہاں نابالغ بچے جو قرآن کریم کے طالب علم ہوں انہیں بار بار وضو کرنے کی پابندی نہیں کیونکہ اس سے تدریس و تعلیم کے ضائع ہونے اور طلبہ کے بدک جانے کا قوی احتمال ہے بچے بغیر وضو کے بھی ہوں تو ہم ان کے ہاتھ میں قرآن کریم دے سکتے ہیں:۔

لا بأس بدفع المصحف الی الصبیان وان کانوا محدثین[3]

ترجمہ۔ بچوں کو قرآن کریم اس حالت میں دینا کہ ان کا وضو نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ہاں بالغ حضرات مکلف ہیں کہ وہ تعلیم تعلم اور تعلیم میں مصحف (قرآن کریم) کو بغیر وضو کے نہ چھوئیں۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۱ دہلی [2] لواقح الانوار القدسیہ صفحہ ۲۵۴ [3] الاکلیل علی مدارک صفحہ ۶

پانچ سوال

(۱) قرآن مجید کے نرے اردو ترجمے کو چھونا کیسا ہے؟
(۲) کتبِ تفسیر جن میں متعدد آیاتِ قرآنیہ لکھی ہوتی ہیں انہیں بلا وضو ہاتھ لگانا کیسا ہے؟
(۳) فونوگراف کے ریکارڈ جن میں قرآن مجید کی قرأت بھری ہوتی ہے انہیں بلا وضو چھونا کیسا ہے؟
(۴) قرآن پاک کو زبانی (بغیر مصحف کے) بلا وضو پڑھنا کیسا ہے؟
(۵) ایسی جگہ جہاں صفائی نہیں وہاں قرآن پاک پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جوابات

(۱) خالص اردو ترجمہ گو حقیقۃً قرآن نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اُسے بھی بلا وضو نہ چھوا جائے:۔

ولو کان القران مکتوبًا بالفارسیۃ یکرہ لھم مسّہ عند ابی حنیفۃ وکذا عندھما ھکذا فی الخلاصۃ۔[۱]

ترجمہ۔ اگر قرآن پاک نری فارسی میں لکھا ہو تو اسے بلا وضو ہاتھ لگانا امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۲) کتبِ تفسیر میں تفسیری عبارت قرآنی عبارت سے زیادہ ہو تو اسے بلا وضو مس کرنا جائز ہے۔ شرح منیہ میں پوری بحث کرلے کے بعد آخر میں لکھا ہے:۔

والاصح انہ لا یکرہ عند ابی حنیفۃ۔[۲]

ترجمہ۔ صحیح بات یہی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں۔

ہاں خاص اس مقام کو جہاں قرآن کی آیت لکھی ہوئی ہے بلا وضو چھوا نہ جائے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

ان کتب التفسیر لا یجوز مس موضع القران منھا۔[۳]

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ ص ۳۹ [۲] غنیۃ المستملی ص ۵۷ [۳] رد المحتار جلد ۱ ص ۱۲۹

ترجمہ کتب تفسیر میں خاص آیات قرآن کے مواقع کو بلا وضو چھونا جائز نہیں۔

(۳) فونوگراف کے ریکارڈ میں ان نقوش کی دلالت نہ لفظی ہے نہ وضعی محض الفاظ کا ارتسام ہے پس یہ نقوش حروف مکتوبہ کے حکم میں نہیں ہیں انہیں بلا وضو چھونا جائز ہے۔[1]

انسانی دماغ میں بھی اسی طرح الفاظ قرآن کا ارتسام ہوتا ہے پس جس طرح حافظِ قرآن کو بلا وضو بلکہ جنابت میں بھی چھونا جائز ہے فونوگراف کے ریکارڈ کو بھی اس حالت میں چھونا ناجائز نہ ہوگا۔

(۴) حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ قرأت قرآن کے لیے وضو کا التزام نہ فرماتے تھے۔

لا یحجزہ عن القرآن شئ الا الجنابۃ۔[2]

ترجمہ: آپ کو قرآن پاک پڑھنے سے سوائے جنابت کے اور کوئی چیز نہ مانع ہوتی تھی۔

اس روایت سے یہ اُمور معلوم ہوئے:۔

(۱) مس مصحف نہ ہو تو زبانی قرآن پڑھنا بلا وضو بھی جائز ہے۔

(۲) جنابت کی حالت میں زبانی قرآن پڑھنا بھی جائز نہیں۔

(۳) غسل جنابت میں کلی کرنا فرض ہے اگر زبان ہر حال میں پاک رہتی تو حالت جنابت میں زبانی قرآن پڑھنا ممنوع نہ ہوتا۔

قرآن کریم کس جگہ پڑھا جائے؟

پاک کلام پاک جگہوں پر ہی پڑھا جانا چاہیئے جہاں اللہ کی یاد کی جائے وہاں اللہ کی رحمت اُترتی ہے اور رحمت کے فرشتے اس پڑھنے والے کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

ما جلس قوم مجلسًا یذکرون اللہ فیہ الا حفتہم الملئکۃ وتغشتہم

---

[1] کذا فی امداد الفتاویٰ [2] سنن ابن ماجہ صـ۴۴ ابو داؤد جلد ۱ صـ۳ ترمذی جلد ۱ صـ۲۱ طحاوی صـ۵۲ مستدرک حاکم جلد ۴ صـ۱۰ مسند ابی داؤد طیالسی صـ۱۰ مسند امام احمد جلد ۱ صـ۸۳، صـ۸۴، صـ۱۱۰، صـ۱۲۴

الرحمة وتنزلت علیهم السکینة [۱]

ترجمہ۔ لوگ جب کسی مجلس میں اللہ کے ذکر کے لیے بیٹھیں انہیں فرشتے اپنے سائے میں لے لیتے ہیں رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور ان پہ اللہ کی طرف سے سکینہ اترتا ہے۔

قرآن کریم سے بڑا ذکر کیا ہو گا جس کے لیے لوگ مجلس میں بیٹھیں۔ حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ ایک شخص سورۃ کہف پڑھ رہا تھا اس نے اپنے گھر میں ایک تجلی اترتے دیکھی اس نے اس کا حضورؐ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:۔

انها السکینة تنزلت عند القرآن او تنزلت للقرآن [۲]

ترجمہ۔ یہ سکینہ ہے (ایک خاص شان کا سکون) جو قرآن کے پاس اترتا ہے یا قرآن کے لیے اترتا ہے۔

سو قرآن کسی ایسی جگہ نہ پڑھا جائے جو اس نزولِ سکینہ کے لیے رکاوٹ ہو جہاں فرشتے نہ پہنچ سکیں۔ فرشتے اس گھر میں بھی نہیں آتے جس میں کتا رکھا ہو۔ وہ جگہیں جہاں گانے گائے جاتے ہوں یا وہ محفلیں جہاں عورتوں اور مردوں کا عام اختلاط ہو یا ایسی منڈیاں جہاں سودی کاروبار چلتا ہو وہاں قرآن کریم پڑھنا آدابِ قرآن کے خلاف ہے کیونکہ یہ ماحول فرشتوں کے لیے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

ایسا تعویذ جس میں قرآن کریم کی کوئی عبارت لکھی ہو اسے ساتھ لے کر بیت الخلاء نہ جائے یہ قرآن کے ادب کے خلاف ہو گا ہاں اگر وہ چاندی وغیرہ میں بند ہو تو اس کے لیے کچھ گنجائش ہو سکتی ہے [۳]

سو یہ بے ادبی ہو گی کہ قرآن کریم پڑھتے ملائکہ رحمت کا ایسی جگہ استقبال کیا جائے جو ملائکہ رحمت کے لیے موجبِ اذیت اور صاف دل انسانوں کے لیے موجب گرانی ہو قرآن پڑھتے ہر ایسے ماحول سے اجتناب کیا جائے جو فہم قرآن اور توجہ الی اللہ سے مانع ہو [۴]

---

[۱] سنن ابن ماجہ ص۲۷۷ [۲] صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۶۹ [۳] دیکھئے الطحاوی علی مراقی الفلاح ص۳۰ [۴] عین العلم جلد ص۹۴

مفسر جلیل علامہ قرطبی فرماتے ہیں :۔

لا یقرأ فی الاسواق ولا فی مواطن اللغط واللغو ومجمع السفہاء۔[1]

ترجمہ: قرآن کریم بازاروں میں شور و شغب کی مجلسوں میں اور بے وقوف (گستاخ) لوگوں کے مجمع میں نہ پڑھا جائے۔

قرآن پڑھنے کے آداب

قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے لیے کلامِ الٰہی کی تعظیم اور عظمتِ وحی کا احساس از بس ضروری ہے جس کلام کی شان یہ ہو کہ پہاڑوں پر اترے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس کے لیے مسلمان کا دل انتہائی درجے میں مؤدب کیوں نہ ہو۔ اسی میں اپنے بارے میں یہ احساس ہے کہ میں وضو سے ہوں۔

تلاوتِ قرآن کے آداب کچھ ظاہری ہیں اور کچھ باطنی۔ باطن کے آداب سے مراد دل کی وہ کیفیت ہے جو پڑھنے والا پڑھتے ہوئے اپنے اندر محسوس کرے پہلی کتابوں کو بھی جنہوں نے پوری توجہ سے پڑھا اور دل کو حاضر رکھا انہیں ایمان نصیب ہو گیا اور جنہوں نے ان کے آدابِ تلاوت میں بے پرواہی کی وہ گھاٹے میں رہے۔

الذین اٰتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولئک یؤمنون بہ ومن یکفر بہ فاولٰئک ھم الخاسرون۔ (پ البقرہ ۱۲۱)

ترجمہ: وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں حق تلاوت ادا کرتے ہوئے وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو اس سے بے پرواہ ہوئے وہ رہے گھاٹے میں۔

حضرت شیخ الہند لکھتے ہیں :۔

انہوں نے تورات کو غور سے پڑھا انہی کو ایمان نصیب ہوا اور جنہوں نے انکار کیا کتاب کا یعنی اس میں تحریف کی وہ خائب و خاسر ہوئے۔

اس سے پتہ چلا کہ تلاوت کرتے وقت عظمتِ وحی کا احساس اور حضورِ قلب یہ وہ دو چیزیں

---

[1] الجامع لاحکام القرآن ص

ہیں جن کے بغیر حقِ تلاوت ادا نہیں ہوگا۔

ویعظمہ فورد لو انزلنا ھٰذا القراٰن علیٰ جبل لراٰیتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ من قرأ القراٰن فرای ان احدًا اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظّم اللہ و یحضر القلب لما سبق انہ الاصل وبہ فسّر ما ورد یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔ [1]

ترجمہ۔ قرآن کریم کی عظمت سامنے رکھے اس کی شان میں فرمایا کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ جس نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور گمان کیا کہ کوئی شخص اس سے افضل چیز کا حامل ہے تو اس نے اس چیز کی توہین کی جس کی اللہ نے تعظیم فرمائی ہے اور اپنے دل حاضر رکھے کیونکہ جیسا کہ پہلے گزر چکا یہی اصل ہے۔ حضرت یحییٰ کو خدا نے خطاب فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ اے یحییٰ! کتاب کو (دل کی) پوری قوت سے لے۔

آدابِ ظاہرہ

① قرآن کریم کو خوب ٹھہر ٹھہر کر اور الفاظ کو صاف صاف کر کے پڑھے۔ ارشادِ الٰہی ہوا:۔

ورتل القراٰن ترتیلًا۔ (پ۲۹ مزمل)

ترجمہ۔ سو آپ پڑھیں قرآن کو کھول کھول کر۔

② اذا قرأت القراٰن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ (پ۱۴ النحل)

ترجمہ۔ جب تم قرآن پڑھو تو پہلے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ لیا کرو۔

③ رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن نہ پڑھنا۔ حضورؐ فرماتے ہیں:۔

نھیت ان اقرأ القراٰن راکعًا او ساجدًا۔ [2]

ترجمہ۔ مجھے منع کیا گیا ہے کہ رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھوں۔

---

[1] عین العلم جلد ۱ صفحہ ۸۸ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۱۸ ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۷

علامہ شامیؒ کہتے ہیں :۔

تکرہ قرأۃ القران فی الرکوع والسجود والتشہد باجماع الائمۃ الاربعۃ۔[1]

ترجمہ۔ رکوع، سجدے اور تشہد میں قرآن پڑھنا ائمہ اربعہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

اس ممانعت کی وجہ قرآن کریم کی حرمت عظیمہ اور اس کی شانِ امامت ہے رکوع اور سجدہ انتہائی عاجزی کے نشان ہیں۔ پس مناسب نہ تھا کہ قرآن کریم کو ان پیرایوں میں لایا جائے۔ تشہد میں رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ پڑھنا اس حکم کے خلاف نہ سمجھا جائے یہ الفاظ بطور دعا پڑھے جاتے ہیں بطور تلاوت نہیں اگر انہیں بہ نیت قرآن پڑھا جاتا تو اس سے پہلے اعوذ باللہ ضرور پڑھا جاتا۔

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔

اما کلامہ فلہ حرمۃ عظیمۃ ولھذا ینھی ان یقرأ القران فی حال الرکوع والسجود۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی عزت بہت بڑی ہے اس لیے اسے رکوع اور سجدے کی حالت میں پڑھنے کی ممانعت ہے۔

ویویدہ ماصرح بہ الشیخ الاکبر فی الفتوحات ان القران صفۃ اللہ تعالیٰ ومن اوصافہ القیام فانہ القیوم والقیام والقائم بالقسط فناسبت الصفۃ الصفۃ وحل القران فی القیام بخلاف الرکوع السجود فلیسا من صفات اللہ تعالیٰ فلا یحل فیھما واللہ اعلم بالصواب۔[3]

ترجمہ۔ اور اسی کی تائید شیخ اکبر کی فتوحات سے ہوتی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے اوصاف میں سے قیام ہے وہ قیوم بھی ہے اور قائم بالقسط بھی اور صفت صفت سے مناسب ٹھہری اور قرآن قیام میں اترا بخلاف رکوع و سجود کے یہ دونوں اللہ کی صفات میں سے نہیں۔ سو قرآن ان میں نہ لایا جائے۔

---

[1] رد المحتار جلد ۱ ص ۴۸۶ [2] فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۲ ص ۵۵ [3] ایضاً

④ تلاوت قرآن کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جہاں آیت رحمت ہو وہاں طلب کی کیفیت پیدا کرے اور جہاں وعید عذاب ہو وہاں اللہ کی پناہ مانگے ۔

ویسأل امرًا مرجوًا مر علیہ ویتعوذ عن مخوف ویوافق ذکرًا و دعاءً۔ [۱]

ترجمہ۔ جب اس بات سے گزرے جس کی اُمید (طلب) ہو تو سوال کرے اور اس بات سے گزرے جس سے خوف آتا ہو تو پناہ مانگے اور حکم ذکر پر ذکر کرتا چلے اور دعا کے موقع پر دعا کرتا جائے۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ جب آیت عذاب سے گزرتے استعاذہ فرماتے جب آیت رحمت سے گزرتے تو رحمت مانگتے اور جب آیت تسبیح سے گزرتے تو تسبیح کرتے۔ (مسلم)

⑤ تلاوت قرآن کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ ایسی جگہ اونچی آواز سے نہ پڑھے جہاں سننے والے اس کی طرف توجہ نہ کریں اور اس کا پڑھنا ان کی بے ادبی کا سبب بن جائے جہاں لوگوں کا انہماک اپنے کاموں میں ہو وہاں قرآن پاک کی تلاوت اس کی بے توقیری کا سبب ہوگی۔

⑥ جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے سامنے بھی تلاوت نہ کرے تاکہ اسے تشویش نہ ہو۔

⑦ تلاوت قرآن کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جب سجدہ کی آیت آئے تو سجدہ تلاوت کرے حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے اور اس کے لیے وضو، قبلہ رُخ ہونا اور سر بسجود ہونا لازمی ہیں مسلمان کے سجدہ ریز ہونے پر شیطان ہائے ہائے کرتا ہے۔

⑧ جب تلاوت سے فارغ ہو تو دعا کرے یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے۔

⑨ قرآن پاک کو بوسہ دینا اور محبت الٰہی میں ڈوب کر اسے چوم لینا جائز ہے۔

روی عن عمرؓ انہ کان یاخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی عز وجل وکان عثمانؓ یقبل المصحف ویمسحہ

---

[۱] عین العلم جلد ۱ صفحہ ۸۴

علیٰ وجهه.[۱]

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ ہر صبح جب قرآن پاک کو ہاتھ میں لیتے اسے چومتے تھے
اور کہا کرتے تھے کہ یہ میرے پروردگار کا عہد نامہ ہے اور میرے رب کی
کتاب ہے۔ حضرت عثمانؓ بھی قرآن پاک کو چوما کرتے تھے اور اسے اپنے
چہرے پر ملا کرتے تھے۔

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں :-

ضروری نہیں لیکن ادب و احترام کا طریق ہے اور جائز ہے۔[۲]

جن لوگوں کو محبت سے کچھ واسطہ پڑا ہے وہ جانتے ہیں کہ محبوب کے خط کی یا اس کے
کسی بیان کی کسی دل کھوئے ہوئے کے یہاں کیا وقعت ہوتی ہے ؎

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

قرآن کریم حسنِ مطلق اور جمالِ حقیقی کا پیغام ہی نہیں احکم الحاکمین کا کلام اور سلطان السلاطین
کا فرمان بھی ہے۔ اس پر بھی غور کیجئے کہ سلطانی فرمان کی ہیبت دلوں پر کیا ہو سکتی ہے۔ کلامِ الٰہی
میں کلامِ محبوب اور کلامِ آقا دونوں کے آداب یکجا مطلوب ہیں اسے جس قدر احترام و محبت سے
پڑھے کم ہے۔

ایک سوال

⑩ قرآن پاک لیٹ کر پڑھنا کیسا ہے یہ ادب کے خلاف تو نہیں؟

جواب : قرآن پاک تلاوت کرنے والا اگر بیٹھ کر تلاوت کرے اور پھر تھک جائے تو
اس کے لیے لیٹ کر تلاوت کرنا بھی جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ تلاوت زبانی ہو اس حالت
میں مصحف کا ادب قائم رکھنا بہت مشکل ہے۔ جو شخص بیٹھ کر تلاوت کرنے کی بجائے لیٹ
کر تلاوت کرے تو یہ اندازِ ادب کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لیٹ کر ذکر کرنے
کو قیام و قعود کے ذکر کے بعد ذکر فرمایا ہے اور اس کا درجہ واقعی یہی ہے۔ قرآن کریم میں ہے :-

---

[۱] در مختار بحاشیہ شامی جلد ۵ ص ۲۷۲ [۲] امداد الفتاویٰ جلد ۴ ص ۶۰

الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم۔ (پ آل عمران ۱۹۱)

ترجمہ۔ وہ اللہ کا کھڑے ہو کر بھی ذکر کرتے بیٹھ کر بھی اور اپنی کروٹوں کے بل پر بھی۔

عین العلم ص۶۹ میں ہے:۔

ویجوز الاضطجاع۔

ترجمہ۔ اور لیٹ کر تلاوت کرنا بھی جائز ہے۔

محدث جلیل ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر نماز میں قرآن پڑھنے سے ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں ملتی ہیں بیٹھ کر پڑھنے سے ہر حرف قرآن پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں اور نماز سے خارج باوضو تلاوت پر ہر حرف کے بدلے پچیس نیکیاں ہیں اور جو شخص بغیر وضو کے (زبانی) تلاوت کرے تو اسے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی (اور یہ سب سے نیچا درجہ ہے)۔[۱]

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے کو قرآت کے آداب سے قاصر سمجھتا رہے گا وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا اور جو اپنے کو رضا اور عجب کی نگاہ سے دیکھے گا وہ ترقی سے دور ہو گا۔ مشائخ نے تلاوت کے کئی آداب ذکر فرمائے ہیں:۔

(۱) نہایت احترام اور حضور قلب سے باوضو قبلہ رو ہو کر پڑھے۔ قرآن پاک کو رحل یا تکیہ یا کسی اونچی جگہ پر رکھے۔

(۲) اگر یاد کرنا مقصود نہ ہو تو پڑھنے میں جلدی نہ کرے ترتیل سے پڑھے۔

(۳) کلام آقا کی تعظیم اور محبت کے احساس میں آب دیدہ ہونے کی کوشش کرے۔

(۴) آیات رحمت پر رحمت کی دعا اور آیات عذاب پر مغفرت کی دعا مانگے۔ آیت سجدہ پر سجدہ کرے یہ ان آیات کا حق ہے۔

(۵) اگر ریا کا احتمال ہو یا کسی دوسرے مسلمان کے حرج کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھے ورنہ آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے۔

---

[۱] شرح عین العلم ص۶۹

(۶) بساط کے مطابق خوش الحانی سے پڑھے۔ (لیکن گانے کا پیرایہ اختیار نہ کرے)۔
(۷) تلاوت کے دوران میں کسی سے کلام نہ کرے ضرورت پیش آئے تو کلام پاک کو بند کر کے بات کرے اور دوبارہ شروع کرنے پر پھر اعوذ باللہ پڑھے۔

(شیخ الحدیث سہارنپوریؒ)

(۳) قرآن پاک لکھنے کے آداب

(۱) قرآن پاک کا رسم الخط وہی ہونا چاہیئے جو مصاحفِ عثمانیہ کا تھا اسے رومن یا کسی دوسرے حروفِ تہجی میں منتقل کرنا جائز نہیں. اگر اسے انگریزی حروف میں لکھا جائے تو عربی حروف بھی ساتھ رکھنے ضروری ہیں. قرآن کریم کو رومن رسم الخط میں لکھنے سے گو عربی تلفظ باقی رہے پھر بھی اس کی اجازت نہیں. حضرت امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ قرآن پاک کو کسی اور حروفِ تہجی کے رسم الخط میں لکھنا جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا:۔

لا ولکن یکتب علی الکتبۃ الاولیٰ۔[1]

ترجمہ. ہرگز نہیں اسے پہلے رسم الخط میں ہی لکھا جائے۔

مشہور محدث علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:۔

والذی ذھب الیہ مالک ھو الحق وھٰذا مذھب الائمۃ الاربعۃ۔[2]

ترجمہ. جو کچھ امام مالکؒ نے فرمایا وہ صحیح ہے اور یہی چاروں اماموں کا فیصلہ ہے۔

علامہ حدادؒ لکھتے ہیں:۔

قد انعقد اجماع سائر الائمۃ من الصحابۃ وغیرھم علی تلک الرسوم وانہ لا یجوز بحال من الاحوال العدول عن کتابۃ القران الکریم ولا نشرہ بصورۃ تخالف رسم المصاحف العثمانیۃ۔[3]

ترجمہ. صحابہ کرامؓ وغیرہم سب ائمہ دین کا اجماع اسی رسم الخط پر منعقد ہے اسے

---

[1] فتاویٰ ابن حجر وکذلک فی النفحۃ القدسیہ صد ۳۵ للعلامۃ الشرنبلالی صاحب نور الایضاح
[2] رسالہ النصوص الجلیۃ۔

مصاحفِ عثمانیہ کے رسم الخط کے خلاف کسی اور رسم الخط میں لکھنا اور پھیلانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

(۲) قرآن کریم کو عربی متن کے بغیر کسی اور زبان میں لکھنا جائز نہیں جب اسے کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو عربی متن TEXT بھی ساتھ ہی لکھا جائے ایک دو آیتیں کسی دوسری زبان میں علیحدہ بھی لکھی جا سکتی ہیں اور اس کی فقہاء نے اجازت دی ہے[۱] جس زمانے میں بعض علماء نے ترجمہ قرآن کی مخالفت کی تھی اس کا مورد وہ ترجمہ تھا جن کے ساتھ عربی متن نہ ہو۔ کیونکہ اس سے اصل کتاب کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اس کی تفصیل ہمارے بیان لسان القرآن میں ہو چکی ہے۔

(۳) قرآن پاک کو بلا وضو لکھنا

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو بلا وضو نہ لکھا جائے کیونکہ لکھنے والا قرآن پاک کو بلا وضو چھونے کا مرتکب ہوگا لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک نقوش قرآنیہ کو بواسطہ قلم چھونے سے قرآن کو بلا وضو چھونا لازم نہیں آتا ان کے ہاں یہ اسی طرح ہے جیسے کہ قرآن پاک کو بلا وضو کپڑے کے واسطہ سے چھوا جائے۔ درمختار میں ہے:۔

ولا تکرہ کتابۃ القراٰن والصحیفۃ واللوح علی الارض عند الثانی خلافًا لمحمدٍ وینبغی ان یقال ان وضع علی الصحیفۃ ما یحول بینھا وبین یدہ یوخذ بقول الثانی والا فبقول الثالث۔[۲]

ترجمہ: کاغذ یا تختی زمین پر قائم ہو تو اس پر قرآن پاک بغیر وضو کے لکھنا حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے بخلاف امام محمدؒ کے۔ بات یوں کہی جائے

---

[۱] فتح القدیر للعلامہ ابن الہمام جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ [۲] درمختار بحاشیہ شامی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ حلبی شرح منیہ جلد صفحہ ۱۸۰ قرآن پاک کو خونِ نکسیر سے لکھنا تداوی بالمحرم (حرام چیز سے علاج کرنا) کی تاویل سے بھی جائز نہیں اس میں صرف حرام عملی کا ارتکاب نہیں کتاب عزیزیہ کی توہین بھی ہے جن علماء نے اس میں نرمی کی ہے وہ ہمارے امام فی المذہب نہیں۔ راقم الحروف ان ایک دو حضرات سے ہرگز متفق نہیں اپنا مذہب اہل سنت کے موافق ہے۔

کہ اگر کاغذ اور لکھنے والے کے درمیان حائل موجود ہے (جیسے قلم) تو فتوےٰ امام ابو یوسفؒ کا لیا جائے گا ورنہ امام محمدؒ کے قول پر فتوےٰ دیا جائے گا۔

④ قرآن سُننے کے آداب

آنحضرتؐ پر جب حضرت جبرئیلؑ امین وحی لے کر آتے تو آپ اسے جلدی لینے اور یاد رکھنے کے لیے ساتھ ساتھ خود بھی پڑھتے جاتے۔ اس پر ارشاد ہوا۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرانه. (پ۲۹ القیامہ)

ترجمہ۔ آپ اپنی زبان کو حرکت تک نہ دیں۔ اس قرآن کا جمع کرنا اور پھر آپ کی زبان سے اسے پڑھا دینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے۔

قرآن پاک کی تعظیم و تکریم اتنی ہے کہ جب پڑھا جا رہا ہو سننے والے اپنی زبان تک نہ ہلائیں ہمہ تن گوش اور پوری طرح خاموش رہیں۔

واذا قرء القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (پ۹ اعراف ۲۰۴)

ترجمہ۔ اور جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اس کی طرف کان دھرو اور بالکل چپ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

جنّات بھی قرآن کریم کو سُن کر پکار اُٹھے تھے کہ سننے والو خاموش رہو۔

واذ صرفنا اليك نفرا من الجن يستمعون القران فلما حضروه قالوا انصتوا فلما قضى ولوا الى قومهم منذرين. (پ۲۶ احقاف ۲۹)

ترجمہ۔ اور جب ہم نے جنوں کا ایک گروہ آپ کی طرف متوجہ کیا تھا اور وہ قرآن سننے لگے تھے تو وہ بھی (اپنے ساتھیوں کو) کہہ اُٹھے تھے کہ چپ اور خاموش رہو۔ پھر جب قرآن کا پڑھا جانا ختم ہوا تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تاکہ انہیں ڈرائیں۔

قرآن کریم کے احترام کا تقاضا ہے کہ جب بھی اصلاح و ارشاد یا ذکر و عبادت کے طور پر پڑھا جا رہا ہو تو اس ارشاد کے سامعین اور اس عبادت کے شاملین پوری طرح خاموش رہیں۔

اور ہمہ تن گوش بنیں۔ ہاں جو لوگ اس وقت مخاطب نہ ہوں یا وہ اس عبادت میں شامل نہ ہوں تو وہ اس حکم کے مکلف نہیں۔ طالب علم ایک جگہ بیٹھ کر سب کے سب اکٹھے پڑھتے ہیں یہ پڑھنا بطریق ارشاد نہیں بطریق مشق ہے پس اس صورت میں یہ پابندی نہیں ورنہ حفظِ قرآن اور مشق ناظرہ دونوں متاثر ہوں گے۔ اسی طرح جب نماز ہو رہی ہو تو جو لوگ اس جماعت میں شامل نہیں وہ بھی اس حکم کے پابند نہیں۔ یہ قرآنی آیات انہی لوگوں کو پابند کر رہی ہیں جو شر کائے مجلس ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

⑤ قرآن کی شانِ امامت

قرآن کریم شانِ الٰہی ہے اس کا تقاضا ہے کہ یہ کبھی ماتحتی میں نہ اُترے جہاں ہو امام بن کر رہے۔ بندہ بھی اسے پڑھے تو یہ نیاز بندہ نہیں تلاوتِ کلامِ الٰہی ہے خدا کا کلام ہے جو بندے کی زبان پر جاری ہے رکوع اور سجدہ انتہائی عاجزی کے محل تھے ان میں قرآن پڑھنا ممنوع قرار پایا تشہد میں بیٹھنا ایک انتہائی نیازمندی کی شکل ہے اس میں بھی قرآن پاک پڑھنا ممنوع ٹھہرا۔

مقتدی ہونا بھی ایک ماتحتی کا اقرار ہے اس میں بھی قرآن پاک کو نہ لانا چاہیئے۔ امام قرآن پڑھے منفرد قرآن پڑھے لیکن مقتدی نہ پڑھے وہ امام کے پڑھنے پر آمین کہے حضرت زید بن ثابتؓ صحابہ میں کتنی بڑی شخصیت تھے۔ جب آپ گھوڑے پر سوار ہوتے تو ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی رکاب تھام کر چلتے۔ آپ سے بڑا قرآن کا نکتہ شناس اور کون ہوگا۔ آپ نے مقتدی کو قرآن پڑھنے سے علی الاطلاق منع فرمایا۔ آپ نے کہا:۔

لا قرأة مع الامام فی شیء۔ [1]

ترجمہ۔ امام کے ساتھ قرآن پڑھنا نہیں کسی بھی حصے میں۔

نماز میں قرآن کے دو محل ہیں۔ ۱۔ سورۃ فاتحہ۔ ۲۔ دوسری کوئی سورت ــــ سو ان دونوں حصوں میں مقتدی نے قرآن کو ماتحتی میں نہیں لانا مقتدی امام کے پیچھے مطلقاً قرآن نہ پڑھے مظروف ظرف کے تابع ہوتا ہے۔ قرآن کو عاجزی اور ماتحتی کے ظرف میں نہ اُتاریئے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا ص

سوال۔ امام انسان ہوتا ہے وہ جب قرآن پڑھتا ہے تو قرآن اس میں ڈھلتا ہے بیشک یہاں قرآن امام ہی رہتا ہے لیکن کتاب کو امام کہنے کی بھی تو کوئی سند چاہیئے؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں تورات کے بارے میں فرماتے ہیں :-

ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ۔ (پ۲۶ احقاف ۱۲)

ترجمہ۔ اور اس سے پہلے تورات امام تھی اور رحمت اور اب یہ کتاب ہے اس کی (اصولاً) تصدیق کرنے والی اور یہ عربی لسان ہے تاکہ ڈر سنائے زیادتی کرنے والوں کو اور خوشخبری دے احسان میں آنے والوں کو۔

کیا اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کو امام نہیں کہا گیا اور کیا دینِ موسوی میں کسی مقتدی نے اسے مقتدی کے قالب میں ڈھالا؟ پھر کیا اب (اس دور میں) اس کی بجائے قرآن کو امام اور رحمت ماننے کی دعوت نہیں دی گئی —— سو یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم مقامِ امامت میں ہوتے ہوئے کسی مقتدی کے قالب میں ڈھلے۔ ضروری ہے کہ نماز میں قرآن یا امام پڑھے یا منفرد —— مقتدی کا وظیفہ تسبیحات و تکبیرات اور نماز کی حرکات ہیں قرآن پڑھنا نہیں۔ نہ سری نمازوں میں نہ جہری نمازوں میں۔ کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں مقتدی مقتدی ہی رہتا ہے۔

⑤ قرآن کے آداب حفظ

① قرآن پاک کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے۔[۱]

کچھ لوگ یاد کرتے رہیں تو حفظ کا بار سب سے ٹل جائے گا ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

محدث کبیر ملا علی قاریؒ علامہ زرکشی سے نقل کرتے ہیں کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پڑھنے والا نہ ہو وہاں سب مسلمان گنہگار ہیں۔ نئی تہذیب کے بعض مسلمان حفظ قرآن کو بے فائدہ سمجھتے ہیں اور اس کے الفاظ رٹنے کو فضول کہا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہیں حفظِ قرآن کی آنحضرتؐ اور صحابہؓ سے بڑی فضیلت منقول ہے اور اتنا قرآن مجید حفظ کرنا جس سے نماز

---

[۱] شامی جلد ۱ ص۲۹

ادا ہو جائے یہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔

احیاء العلوم میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ تین چیزیں حافظہ کو بڑھاتی ہیں:۔

۱۔ مسواک ۲۔ روزہ ۳۔ تلاوت کی کثرت

○ مجدد مائۃ دہم ملّا علی قاریؒ طبرانیؒ اور بیہقیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن کریم پڑھتا ہے اور وہ یاد نہیں ہوتا تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے وہ اسے یاد کرنے کی تمنا کرتا رہے لیکن یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا مگر وہ پڑھنا بھی نہیں چھوڑتا حق تعالیٰ اسے قیامت کے دن حافظوں کے ساتھ اُٹھائیں گے۔

○ ملّا علی قاریؒ نے شرح السنّہ سے اُبوامامہ کی یہ روایت نقل کی ہے:۔

قرآن شریف کو حفظ کیا کرو کیونکہ حق تعالیٰ اس قلب کو عذاب نہیں فرماتے جس میں کلام پاک محفوظ ہو۔

○ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن پاک کی کوئی آیت یاد ہونے کے بعد اُسے بُھلا دے [۱]

○ امام بیہقیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔

من قرء القرآن فقد استدرج النبوۃ بین جنبیہ غیر انہ لا یوحیٰ الیہ [۲]

ترجمہ: جس شخص نے قرآن پاک حفظ کر لیا اس نے نبوت کو اپنے سینہ میں درج کر لیا۔ ہاں اس کی طرف وحی نہ آئے گی۔

○ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن یاد کر کے بُھلا دینا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ یہ قرآن کریم سے بے پرواہی اور غفلت کی علامت ہے۔ یہ کہنا کہ میں نے قرآن کی فلاں آیت بُھلا دی یہ بھی مکروہ ہے۔ ضرورت ہے تو یہ کہے کہ "میں بُھلا دیا گیا ہوں"۔

---

[۱] ترمذی جلد ۲ صد ۱۱۳ [۲] کتاب الاسماء والصفات صد ۱۹۷ طبع الٰہ آباد

⑦ ختم قرآن کے آداب

قرآن کریم کا ختم بہت بڑی نیکی اور سعادت ہے اس وقت خدا کی رحمتیں برستی ہیں اور رحمتیں اترتی ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ ختم قرآن کے موقع پر اپنے اہل وعیال اور دوستوں کو جمع فرما لیتے، تاکہ وہ بھی خدا کی رحمتوں سے جھولیاں بھر لیں۔ (الاتقان)

ختم قرآن کی دُعا پر خدا کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ (رواہ الدارمی)

فرشتوں کی دعا پھر سارا دن یا ساری رات پڑھنے والوں کے شامل حال رہتی ہے اس لیے ابتدائے دن یا ابتدائے رات میں ختم کرنا مستحب ہے تاکہ دعا زیادہ سے زیادہ ساعات کو محیط رہے سردیوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں ان دنوں رات کے شروع میں ختم کرنا بہتر ہے اور گرمیوں میں دن طویل ہوتے ہیں ان میں دن کے اوّل وقت میں ختم کرے[1]

قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے[2] خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ قرآن کریم کے حافظ ہونے کے باوجود دیکھ کر اس طرح تلاوت کرتے کہ قرآن پاک کے کئی نسخے ان کی کثرت تلاوت سے شہید ہو گئے تھے۔ حکیم ترمذی اور امام بیہقی حضرت ابُو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں:۔

اعطوا اعینکم حظّھا من العبادۃ النظر فی المصحف والتفکّر فیہ و الاعتبار عند عجائبہ۔[3]

ترجمہ۔ اپنی آنکھوں کو بھی ان کی عبادت کا حصہ دیا کرو۔ وہ قرآن پاک کو دیکھنا ہے اور (دیکھ دیکھ کر) اس میں غور کرنا اور اس کے عجائب سے سبق لینا ہے۔

ہاں حفظ کرنے اور حفظ کو باقی رکھنے کے لیے زبانی دور کرنا اور جلدی جلدی پڑھنا اپنے اصلی مقصد کے لیے بے شک صحیح ہے لیکن جب محض عبادت مقصود ہو تو ترتیل اور پوری توجہ سے

---

[1] البرہان للعلامہ الزرکشی جلد ا صفحہ ۴۷۱ [2] عین العلم جلد ا صفحہ ۸ لیکن نمازمیں دیکھ کر پڑھنے سے جیسا کہ بعض امام رمضان میں دیکھتے ہوئے پڑھاتے ہیں حنفیہ کے نزدیک نماز نہیں ہوتی۔

پڑھنا چاہیئے۔ قرآن کریم کے ختم میں یہ سلامتی اور اعتدال بہت زیادہ مطلوب ہے۔ افسوس کہ لوگ اس سے غافل ہیں۔

ختمِ قرآن کے لیے اُس کے حصے

تین دنوں سے کم وقت میں ختم کرنا عام حالات میں درست نہیں کیونکہ اس جلدی میں قرآن کے احترام اور اس کی طرف توجہ کا حق ادا نہیں ہوگا۔ حضورؐ نے عبداللہ بن عمر بن عاصؓ کو سات دنوں میں ختم کرنے کے لیے ارشاد فرمایا تھا۔ حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کا (دیکھ کر پڑھنے) کا عمل یہی تھا۔ حضرت علیؓ نے قرآن کی سات حصوں میں تقسیم کو فمی بشوق (میرا دہن شوق سے پڑھنے میں لگا ہے) کی رمز میں بیان فرمایا۔ فاء سے مراد فاتحہ، میم سے المائدہ، یاء سے مراد یونس، باء سے مراد بنی اسرائیل، شین سے مراد الشعراء، واؤ سے مراد والصافات اور قاف سے مراد سورت قٓ مراد ہیں اور یہ سات منزلوں کی سات ابتدائیں ہیں۔[1]

ایک شخص پورا نہ پڑھ سکے اور کچھ لوگ مل کر قرآن کریم ختم کرلیں تو یہ بھی ختم قرآن ہے اور یہ بھی دُعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ لیکن قرآن پڑھنے کے لیے طلبہ اور حفاظ کو اجرت دینا (گو یہ اُجرت خدمت کے عنوان سے ہو) اور اس طرح قرآن پاک کو ختم کرنا یہ درست نہیں۔ عبادت صرف عبادت کی نیت سے ہونی چاہیئے اور تلاوت میں انتہا درجے کا اخلاص درکار ہے۔ یہ کلامِ الٰہی کی تکریم ہے (تفصیل کے لیے حضرت علامہ خالد نقشبندی کی کتاب شفاء العلیل فی التحنات والتہالیل دیکھ لی جائے)۔

---

[1] یہیں سے قرآن کی سات منزلیں طے ہوتی ہیں۔ ۱۔ سورۃ فاتحہ کے بعد تین سورتیں۔ ۲۔ پانچ سورتیں۔ ۳۔ چھ سات۔ ۴۔ پھر نو۔ ۵۔ پھر اس کے بعد گیارہ۔ ۶۔ اگلے دن تیرہ۔ ۷۔ اور ساتویں دن ۶۵ سورتیں۔ یہ کل ۱۱۴۔

ارض القرآن

بیان الادیان عند نزول القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

قرآن کریم نے اپنی دعوت کی صف جس زمین پر بچھائی اس میں کون کون سے تصورات موجود تھے اور کون کون سی ملتیں اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے تھیں۔ فہم قرآن کے لیے ان تمام حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ حضرت فاروق اعظم رض نے ارشاد فرمایا:۔

جب مسلمانوں میں دورِ جاہلیت کو سمجھنے والے نہ رہیں گے تو اسلام کے اصول وفروع کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹتی جائیں گی۔

ہم یہاں عہدِ جاہلیت کا وہ پس منظر پیش کرتے ہیں جس پہ قرآن عزیز نے اپنی دعوت کی پہلی صف بچھائی۔ یہاں ارض القرآن سے ہماری مراد یہی ہے کہ وہ کون سا ماحول تھا جہاں آفتابِ رسالت کی پہلی کرنیں پھوٹیں۔

اس وقت کی معروف دنیا بلحاظ اعتقاد ان طبقوں میں منقسم تھی:۔

عرب

ان میں ۱۔ دہریہ ۲۔ مشرکین ۳۔ یہود ۴۔ نصاریٰ ۵۔ مجوس آتش پرست ۶۔ صابئین سب طرح کے لوگ تھے لیکن زیادہ لوگ بُت پرست تھے تاہم اپنے کو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو ظاہر کرتے تھے۔

ایران

ان میں ۱۔ پیروانِ زرتشت ۲۔ پیروانِ مانی ۳۔ نصاریٰ ۴۔ یہود ۵۔ مزدکی اور اشتراکی عقائد کے حامی پائے جاتے تھے زیادہ آبادی پیروانِ زرتشت کی تھی۔

رُوم

یہاں کے زیادہ لوگ عیسائی تھے، یونانی اثرات کے ماتحت اجرام فلکی کے پرستار یعنی

ستارہ پرست قومیں بھی موجود ہیں۔

ہندوستان

ہندو مشرکین اصنام، عناصر، اجرام فلکی، نباتات وحیوان وغیرہ کے پرستار تھے یہ لوگ ایک دینی تصور کے تحت مختلف ذاتوں میں بٹے ہوتے تھے۔ کچھ لوگ ہستی باری تعالیٰ کے منکر بھی تھے۔ مگر نوع انسانی کی شکتی کے لیے نظامِ عمل کے قائل تھے۔ بُدھ بھی ایک اچھی تعداد میں وہاں پائے جاتے تھے۔

جن جن ملکوں میں باقاعدہ مرکزی حکومتیں قائم تھیں ان میں دینی خیالات اس قدر منتشر نہ تھے جس قدر کہ دوسرے ملکوں میں تھے وہاں اعیانِ سلطنت اور حکومت کا مذہب ہی "عوامی دین" سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ روم و ایران کی سلطنتیں باوجودیکہ صدیوں کی تہذیب اپنی وراثت میں لیے ہوئے تھیں اپنے دینی تصورات میں تقریبًا وحدت کی حامل تھیں اور ان میں نظریات کی کثرت اور مذہبی گروہ بندی اس طرح نہ تھی جس طرح ان ممالک میں تھی جہاں کوئی مرکزی نظام حکومت نہ تھا۔ نزول قرآن کے وقت ادیانِ عالم کی کیا کیفیت تھی اس کے لیے اوپر کے نقشے کو پھر دیکھیے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف دینی تصورات اور طرح طرح کے عقائد میں سرزمینِ عرب کو جامعیت حاصل تھی۔ یہاں تقریبًا ہر خیال کے لوگ موجود تھے ہندوستان کے مشرکین، روم کے نصاریٰ، ایران کے مجوس الغرض ہر طبقے کی اعتقادی جھلک عرب کے مشرکین یہود و نصاریٰ اور مجوس میں موجود تھی۔ پیروانِ مذاہب مذکورہ ظلمت والحاد کے طوفانوں میں غوطے کھا رہے تھے کہ قرآن کریم نے اسلام کی دعوت پیش کی۔ اس کے لیے سرزمینِ عرب کو ہی چُنا گیا اور پہلے یہی خطہ زمین "ارض القرآن" بنا جس نے تمام دنیا کے مذاہب اور تصورات کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ عرب میں خصوصًا شمالی عرب میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت موجود نہ تھا اور آزادیٔ رائے اور حریّت فکر وعمل کی راہ میں کسی تمدن کی زنجیریں حائل نہ تھیں ان حالات نے مختلف عقائد اور مختلف نظریات کے فروغ میں عرب کو جامعیّت کا شرف بخشا اور پورے کرہ زمین میں صرف عرب کی زمین ہی تھی جس کی تہ میں مختلف عقائد و تصوّرات کا عالمی خاکہ بچھا ہُوا تھا۔ عالمی ہادی آقائے نامدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اِسی

سرزمین میں ہوئی اور اسی سرزمین سے عالمی ہدایت کا آفتاب پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا۔ اب ہم اس امر کی تفصیل کرتے ہیں کہ عرب میں اس وقت کون کون سی ملّتیں اپنے ڈیرے ڈالے ہوئی تھیں۔

① عرب محصّلہ

یہ لوگ مستقل ملّتیں رکھتے تھے اور کسی نہ کسی معروف مسلک کے پیرو تھے جیسے یہود و نصاریٰ اور مشرکین[1] و مجوس وغیرہ ان کی گمراہی میں قوتِ نظریہ کی بجائے قوتِ عملیہ کو زیادہ دخل تھا نظریات پھر اس کے مطابق ڈھلتے چلے گئے۔

② عرب معطّلہ

یہ لوگ کسی مذہب کے پیرو نہ تھے قوتِ نظریہ انتہائی پستی میں تھی اور یہ لوگ محض منفی موقف رکھنے کی وجہ سے کوئی ملّت نہ بنے تھے۔ یہ پھر آگے خود مختلف طبقات میں منقسم تھے جیسے دہریہ، منکرینِ بعثت، منکرین رسالتِ بشریت، مشرکین عامہ وغیرہ۔

عرب معطّلہ کے مختلف طبقات

قرآن کریم میں ان کا ذکر اس پیرایہ میں ملتا ہے۔

① دہریہ

قرآن کریم نے ان کا تعارف یوں کرایا ہے:۔

وقالوا ما ھی الا حیٰوتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر وما لھم بذٰلک من علم ان ھم الا یظنون۔ (پ۲۵ الجاثیہ ۲۴)

---

[1] یہاں صرف وہ مشرکین مراد ہیں جو اپنے آپ کو ملّت ابراہیمی سے وابستہ کرتے تھے دوسرے مشرکین عرب معطّلہ کے قریب ہیں۔

ترجمہ۔ وہ کہتے ہیں "اور کچھ نہیں" بس یہی ہے ہمارا جینا دُنیا کا ہم مرتے اور زندہ رہتے ہیں ہماری موت صرف دہر (زمانے کے چکر) سے ہے اُن کو کچھ خبر نہیں۔ محض اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔

اس نظر و فکر کے ابطال کے لیے قرآن کریم نے انہیں کارخانہ کائنات کی انفسی اور آفاقی آیات کی طرف متوجہ کیا۔ صرف اسی طریق سے ان کی قوت نظریہ کو جلا حاصل ہو سکتی تھی۔ قرآن کریم میں یہ مضامین مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں ان آیات کا طرز بیان بہت مؤثر اور بڑا ہی دلآویز ہے :۔

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار۔ (پ۲ البقرہ ۱۶۴)

ترجمہ۔ بیشک زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات دن کے آگے پیچھے آنے میں عقلمندوں کے لیے خدا کی قدرت کے کھلے نشان ہیں۔

اللہ الذی رفع السموات بغیر عمدٍ ترونھا۔ (پ۱۳ الرعد ۲)

ترجمہ۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے جنہیں تم دیکھ پاؤ اٹھا رکھا ہے۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض۔ (پ۹ الاعراف ۱۸۵)

ترجمہ۔ کیا انہوں نے آسمان اور زمین نہیں دیکھا۔

اللہ الذی خلق السماء والارض وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار۔ (پ۱۳ ابراہیم ۳۲)

ترجمہ۔ اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور آسمان سے پانی اُتارا سو نکالے اس پانی سے نکالے پھل رزق تمہارے لیے اور تمہارے لیے کشتیوں کو ماتحت کیا جو سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہیں اور کام میں لگایا ندیوں کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے کام میں لگایا ایک دستور پر چلنے والے اور دن اور رات کو تمہارے لیے کام پر لگایا۔

② منکرینِ آخرت

یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار نہیں کرتے تھے۔ مگر دوسرے حیوانات کی طرح انسانوں کی موت کو بھی فنا کلی سمجھتے تھے موت کے بعد انسان کے پھر جی اُٹھنے کے قائل نہ تھے۔ اور حساب و کتاب کے منکر تھے۔

قرآن عزیز نے مفہوم موت پر ان کی اصلاح کی اور بتایا کہ موت فنا کلی کا نام نہیں بلکہ یہ انتقال من الدار الی الدار ہے۔ موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں جانا ہے اس موضوع پر قرآن کریم نے تخلیق انسانی کے مختلف مراحل سے بھی استدلال کیا ہے۔

ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ۔ (پ۱۷ الحج ۵)

ترجمہ۔ اگر تم ہو پھر اٹھنے کے شک میں سو ہم نے پیدا کیا تم کو ایک قطرہ سے پھر جمے خون سے اور پھر ایک لوتھڑے سے۔

وضرب لنا مثلاً ونسی خلقہ قال من یحیی العظام وھی رمیم ہ قل یحییھا الذی انشاءھا اول مرۃ وھو بکل شیءٍ علیم۔ (پ۲۳ یٰسین ۷۹)

ترجمہ۔ اور انسان نے ہم پر باتیں کرنی شروع کر دیں اور اپنی پیدائش کو بھول گیا کہنے لگا ان ہڈیوں کو جب وہ ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی پھر سے زندہ کرے گا آپ انہیں کہہ دیں ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے

اور قرآن کریم نے اللہ رب العزت کی قدرتِ عامہ سے اس پر شہادتیں پیش کی ہیں۔ یہ لوگ بڑے تعجب سے کہتے تھے۔

ءاذا متنا وکنا ترابًا وعظامًا ءانا لمدینون۔ (پ۲۳ صٰفّٰت ۵۲)

ترجمہ۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم جزاء دیئے جائیں گے؟

ان خیالات کی اصلاح کے لیے اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کے عالمگیر نقشے کھینچے

ہیں۔ قرآن کریم نے آخرت کی جزا و سزا کا تفصیلی تعارف کرایا ہے کہیں انسان کی غایتِ تخلیق اور اس کے مقصدِ حیات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جب جملہ حیوانات اپنی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد رکھتے ہیں اور ہر ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ کے کام آرہا ہے تو انسان بھی تو بے فائدہ پیدا نہیں کیا گیا اسے بھی تو اپنے سے اعلیٰ تر کے کام آنا چاہیئے:۔

ایحسب الانسان ان یترک سدیٰ۔ (پ۲۹ القیامۃ)

ترجمہ۔ کیا خیال کرتا ہے آدمی کہ اسے یونہی بے قید رکھا جائے گا۔

(۳) منکرینِ رسالت بشریہ

یہ لوگ خدا کی ہستی کے تو قائل تھے لیکن رسالت کو نہیں مانتے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر خدا کی طرف سے انسانوں کے لیے کوئی ہدایت ہوتی تو اسے دنیا کے سامنے فرشتے لے کر آتے تھے یہ نہیں ہو سکتا کہ انسانوں میں سے کسی انسان پر خدا اپنے احکام نازل کر دے وہ رسالت بشری کے منکر تھے:۔

وقالوا ما ھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق (پ۱۸ فرقان)

ترجمہ۔ اور انہوں نے کہا کیا ہوا اس رسول کو یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔

ابعث اللہ بشرًا رسولاً۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۹۴)

ترجمہ۔ کیا خدا نے انسان کو پیغمبر اٹھایا ہے۔

ابشرٌ یھدوننا فکفروا۔ (پ۲۸ تغابن ۶)

ترجمہ۔ کیا ایک انسان ہمیں راہ دکھاتا ہے سو وہ (اس کی رسالت کے) منکر ہوئے۔

قالوا ان انتم الا بشر مثلنا..... قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علیٰ من یشاء من عبادہ۔ (پ۱۳ ابراہیم ۱۱)

ترجمہ۔ انہوں نے کہا تم بھی تو ہماری طرح انسان ہو..... انہیں ان کے رسولوں نے کہا بیشک ہم بھی تمہاری طرح انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے

وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللّٰہ علیٰ بشر من شئ (پ الانعام ۹)

ترجمہ۔ اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جو اس کی قدر کا حق تھا جب انہوں نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بشر پہ کوئی چیز نہیں اُتاری۔ (یعنی انسان پیغمبر نہیں ہو سکتا)

اور ان کے اعتقاد میں بشریت اور رسالت ایک جگہ جمع نہ ہو سکتی تھیں۔ ان لوگوں نے پیغمبروں کو انسان کہہ کر ان کی پیغمبری سے انکار کر دیا۔ یہی انکار رسالت اور استبعادِ رسالت بشری ان کے کفر کا موجب بن گیا۔

ان کا ابطال قرآن کریم نے کئی طریقوں سے کیا ہے

(۱) نوعِ انسانی کو بہترین مخلوق اور احسن تقویم[1] قرار دیا۔ حتیٰ کہ فرشتوں پر بھی اسے فوقیت عطا فرمائی اور اس کا فرشتوں کا مسجود[2] الیہ ہونا بیان فرمایا۔

(۲) ان مقدس انسانوں کی عظمت اور عصمت کے شواہد پیش کر کے انہیں دوسرے عام انسانوں سے ممتاز کر دیا۔

(۳) دوسرے انسانوں کے لیے پیغمبروں کو نمونہ قرار[3] دے کر واضح کر دیا کہ منصبِ رسالت نوعِ بشر کے لیے کیوں ہے۔

(۴) یہ بتلایا کہ فرشتے اس فریضہ رسالت کے متحمل نہیں ہو سکتے اگر انہیں بھیجا بھی جاتا تو وہ بھی صورتِ بشری میں ہی ہوتے[4] اور بات وہیں کی وہیں رہتی۔

(۴) مشرکین

یہ لوگ ہستی باری تعالیٰ کے قائل تھے اور اُسے ہی ساری کائنات کا

[1] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ (پ۳۰ التین) [2] پ البقرہ) [3] لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ۔ (پ۲۱ الاحزاب) [4] قل لو کان فی الارض ملٰئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم ملکاً رسولا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل) [5] ولو انزلنا ملکاً لقضی الامر ثم لا ینظرون و لو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً و للبسنا علیھم ما یلبسون۔ (پ۷ الانعام ۹)

خالق[1] مالک[2] رازق[3] اور مدبّرِ کائنات سمجھتے تھے کسی مخلوق کو وہ خدا کے ساتھ برابر کا شریک نہ مانتے تھے۔ البتہ بعض مقدس ہستیوں کو وہ عطائی طور پر[4] خدائی صفتوں میں شریک کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ تقربِ الٰہی بزرگانِ دین کی اطاعت سے نہیں بلکہ ان کی عبادت[5] (غایت تعظیم) سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ بندگی کے تمام آداب وہ انہی سے وابستہ کرتے تھے جیسے:-

(۱) مافوق الاسباب ان کی پناہ میں آنا۔

(۲) ان کے نام پر (ان کے تقرب کے لیے نہ کہ انہیں کھلانے کے لیے) جانور ذبح کرنا۔

(۳) ان کی منت ماننا۔

(۴) ان کے لیے اعتکاف کرنا۔

(۵) ان ناموں کے بتوں کا طواف کرنا۔

(۶) انہیں مشکل کے وقت پکارنا۔

(۷) ان کے نام کی قسم کھانا اور انہیں اپنے بواطن امور پر گواہ کرنا وغیرہ۔

انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مقدس ہستیوں کو کائنات کے نفع ونقصان کا مالک اور مختار بنایا ہوا ہے۔ فریادرسی اور حاجت روائی کے لیے انہیں اختیارات سونپ

---

[1] ولئن سألتهم من خلق السموات والارض ليقولن خلقهن العزيز العليم (پ۲۵ زخرف ۹)
[2] قل لمن الارض ومن فيها ان كنتم تعلمون سيقولون لله۔ (پ۱۸ مومنون ۸۹) [3] قل من يرزقكم من السماء والارض امن يملك السمع والابصار ومن يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي ومن يدبر الامر فسيقولون الله۔ (پ۱۱ یونس ۳۱) [4] وہ مشرکین اپنے حج میں یہ تلبیہ کہتے تھے۔ لبيك لا شريك لك الا شريكا هو لك تملكه وما ملك۔ (مسلم عن ابن عباسؓ فتح الملہم جلد ۳ ص۲۱۷) اس سے واضح ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو عطائی طور پر خدا کے ساتھ شریک کرتے تھے۔...
[5] مانعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى۔ (پ۲۳ الزمر)

دیئے ہیں، مختلف کام مختلف بزرگوں کے سپرد ہیں جنہیں وہ ما فوق الاسباب طریق پر سرانجام دیتے ہیں، وہ اپنے اور خدا کے مابین ان مقدس ہستیوں کو واسطہ فی الثبوت سمجھتے تھے اور بر ضرورت کے وقت اس کے متعلقہ بزرگوں کی روحوں کی طرف توجہ کرنا ان کا طریق عمل تھا۔ اپنی پاکیزہ ہستیوں کے ناموں پر ان لوگوں نے بت بنا رکھے تھے ان بتوں کے سامنے آکر وہ ان بزرگوں کی طرف توجہ باندھتے تھے جن کی یاد میں انہوں نے وہ بت بنائے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ بت من حیث النقل بالکل بے جان اور اپنے آپ سے بھی بے خبر ہیں لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ من حیث الاصل (یعنی جن بزرگوں کے نام پر یہ تراشے گئے ہیں) وہ ضرور ان کی فریاد کو پہنچیں گے اور اُن کی مرادیں پوری کریں گے ان کا عقیدہ تھا کہ حقیقی فریادرس بے شک اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن یہ بزرگ خود اپنے اختیار سے اس کے ہاں

---

[1] اس لیے کہ اسباب عادیہ کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد لینا ہرگز محل کلام نہیں [2] واسطہ فی العروض کے طور پر نہیں کہ ہر آن اور لمحہ رب العزت کا احتیاج رہے وہ سمجھتے تھے کہ بزرگان کرام اختیارات کے حصول میں تو خدا کے محتاج ہیں لیکن ان کے استعمال اور تصرف میں وہ اب پورے مختار ہیں کسی کے محتاج نہیں [3] سورۃ نوح میں جن بتوں کا تذکرہ ہے۔ ولا تذرن ودًا ولا سواعًا ولا یغوث و یعوق و نسرا۔ وہ سب قوم نوح کے اولیاء اللہ تھے۔ اسماء رجال صالحین من قوم نوح (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۳۲) بنو کلب حضرت ودّ رحمۃ اللہ علیہ کے بت کی، ہذیل حضرت سواع رح کے بت کی، قبیلہ مذحج حضرت یغوث رح کے بت کی۔ قبیلہ ہمدان حضرت یعوق رح کے بت کی اور قوم حمیر حضرت نسر رح کے بت کی خصوصی طور پر پرستش کرتے تھے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے بت تھے جن میں سے بعض نسبتوں کے حامل تھے اور بعض بغیر نسبت کے بذات خود معبود سمجھے جاتے تھے شرک کی یہ دوسری صورت بعد کے عوامی ماحول کا نتیجہ تھا۔ جعلوا لہ من عبادہ جزءًا (پ ۲۵ الزخرف) عباد امثالکم (پ ۹ الاعراف) وما یشعرون ایان یبعثون (پ ۱۴ النحل) وغیرھا من الآیات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ان مشرکین کے معبود بندگان خدا ہی تھے گو اب ان کی نسبت سے یہ بے جان بت ان کے سامنے رکھے ہیں علامہ ابن عابدین شامی رح نے درست لکھا ہے کہ بت پرستی ابتداء میں قبر پرستی تھی اسی لے اب یہ شرک کی شکل پائی ہے۔

سفارش کرتے ہیں اور جو کچھ اُن سے مانگا جائے وہ اللہ تعالیٰ سے لے دیتے ہیں ان کے ہاں بُت پرستی ایک تصور برزخی کا نام تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح لکھتے ہیں :۔

كانوا ينحتون من الحجر والصفر وغير ذلك صورًا يتخذونها قبلة التوجه الى تلك الارواح حتى يعتقد الجهال شياءً فشياءً تلك الصور معبودة بذواتها۔[۲]

ترجمہ۔ وہ لوگ پتھر اور دھات سے مجسمے بناتے تھے انہیں بزرگوں کی ارواحِ مقدسہ کے لیے ایک قبلہ قرار دیتے تھے یہاں تک کہ اُن کے آئندہ آنے والے (مزید) جاہلوں نے آہستہ آہستہ ان بتوں کو ہی معبود بالذات سمجھنا شروع کر دیا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین عرب کا نظریہ اگر یہی تھا کہ ان کے معبود دراصل وہ انسانی شخصیات ہیں جو رب العزت کے قربِ ولایت سے شرف یاب تھیں اور پتھروں کے یہ بُت محض ایک قبلہ توجہ ہیں تو پھر قرآن پاک بعض مقامات میں اشراک باللہ کی تردید میں یہ اسلوب کیوں اختیار کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو یوں مخاطب کرتے ہیں :۔

يا ابت لم تعبد ما لا يسمع ولا يبصر ولا يغني عنك شيئاً

ترجمہ اے میرے باپ اس چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سُن سکے نہ دیکھ سکے اور نہ آپ کے کسی کام آ سکے۔

ان لوگوں کے نزدیک اولیاء اللہ کی شخصیات کریمہ کا دُور سے نہ سُننا اور نہ دیکھنا مسلمات

---

[۱] هؤلاء شفعاؤنا عند الله (پ۱۱ یونس)

[۲] الفوز الکبیر عربی ص۲

میں سے نہ تھا وہ انہیں یہی سمجھ کر پکارتے تھے کہ وہ حضرات مافوق الاسباب سنتے ہیں اور انہیں دیکھتے ہیں پھر انہیں مالا یسمع و لا یبصر کے ساتھ الزام دینا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ مخالف کو الزام اس کے مسلّمات سے دیا جاتا ہے پس جب ان حضرات قدسیہ کا نہ دیکھنا اور نہ سننا ان کے مسلّمات میں سے نہ تھا تو ان کے اشراک باللہ کا رد اس انداز سے کیوں کیا گیا ہے؟

الجواب: اشراک باللہ اپنی ابتدائی منزل میں تو یہی تھا کہ ان کے اصل معبود اولیائے کرام کی ہی شخصیاتِ کریمہ تھیں اور یہ بت محض ایک قبلہ توجہ تھے لیکن رفتہ رفتہ نظر ان نسبتوں سے دور ہوتی چلی گئی اور عوام مشرکین ان پتھر اور سونے کے بتوں کو ہی معبود بالذات سمجھنے لگے بت پرستی اور اشراک باللہ کا اصل پس منظر صرف خواص مشرکین تک ہی محدود ہو کر رہ گیا۔ قرآن عزیز اشراک باللہ کی تردید کبھی اس کے اصل پس منظر کے پیش نظر کرتا ہے اور کبھی عوام مشرکین کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ان پتھر کے بتوں اور مورتیوں کو انسانی کمالات سے عاجز بتاتا ہے۔ اس میں انہیں یہ سوچنے کی دعوت ہے کہ جو معبود انسانی کمالات سے بھی عاجز ہیں وہ خدائی اختیارات کے مالک کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اشراک باللہ کے اس انداز کی تردید میں قرآن کریم کا استدلال یہ ہے:۔

حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

بیان شناعة عبادة الاصنام وسقوط الاحجار من مراتب الکمالات الانسانیه فکیف بمرتبة الالوهیة وهذا الجواب مسوق لقوم یعتقدون الاصنام معبودین لذاتهم۔[1]

ترجمہ: قرآن پاک بتوں کی عبادت کی برائی اور پتھروں کے انسانی خوبیوں سے خالی ہونے کو بیان کرتا ہے پس جو انسانی خوبیوں سے خالی ہیں وہ خدائی کے درجہ پر کب ہو سکتے ہیں۔ یہ جواب ان لوگوں کے شرک کی تردید کے لیے ہے جو ان بتوں کو ذاتی طور پر عبادت کے لائق سمجھتے تھے۔

پس اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مشرکین عرب میں جہاں اس قسم کا اشراک باللہ پایا جاتا تھا کہ وہ اولیاء اللہ کی ارواحِ مقدسہ کے لیے ان بتوں کو قبلہ توجہ قرار دیتے تھے۔ وہاں اس قسم کا

---

[1] الفوز الکبیر ص ۵

اشراک بھی موجود تھا کہ وہ ان پتھر کے بتوں کو ہی معبود بالذات سمجھتے تھے یہ بُت پرستی کا انتہائی مقام ضلالت اور ایک گمراہ ترین موقف جہالت تھا۔

قرآن پاک جہاں ان دوسری قسم کے مشرکین کی تردید کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو چیزیں انسانی مرتبے سے محروم ہیں وہ خدائی شان کی مالک کیسے ہو سکتی ہیں؟ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ پہلی قسم کے مشرکین جن کے معبود بزرگانِ دین تھے اور وہ پتھروں کو محض قبلہ توجہ سمجھتے تھے ان کے معبود بھی انسانی خوبیوں سے یکسر خالی تھے۔

جو بُت مشرکین کا قبلہ توجہ تھے ان کی صورتیں تو پتھروں کی تھیں لیکن ان کے معانی اور مطالب بعض بزرگانِ دین کی شخصیات کریمہ تھیں لیکن اس شرک نے پھر ایسے شرک کو بھی جگہ دے دی تھی جس میں یہی جمادات معبود بالذات ہو جائیں اور ان پتھروں کے سوا ان کے کوئی اور معانی اور مصداق مراد نہ ہوں۔ ان بتوں کے نام اُن کے اپنے رکھے ہوئے تھے۔

ماتعبدون من دونه الا اسماء سمیتموها انتم و اباء کم۔

(پ۱۲ یوسف)

ترجمہ۔ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو یہ سوائے اس کے نہیں کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔

ان مشرکین کے معبودوں کے نام تھے یہ محض ان کے اپنے گھڑے ہوئے تھے۔ ان ناموں کے مصداق پہلے کے کوئی بزرگ نہ تھے۔

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ان کے معبود محض جمادات تھے:۔

بین عجز الاصنام وضعفها ما تعبدون من دونه ای من دون الله الا ذوات اسماء لا معانی لها۔[1]

ترجمہ۔ قرآن کریم نے یہاں بتوں کا عجز اور ان کی کمزوری بیان فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تم جن کی پرستش کرتے ہو وہ محض کچھ نام ہیں جن کا کوئی مصداق نہیں۔

قرآن پاک جہاں ایسے معبودوں کی کمزوری بیان کرتا ہے ان سے انسانی صفات کی بھی

---

[1] الجامع لاحکام القرآن جلد ۹ صد ۱۹۲

نفی کرتا ہے اس طریق سے ان کی خدائی کی نفی از خود ہو جاتی ہے اور جہاں ان معبودوں کا عجز بیان کرتا ہے جو واقعی انسانی شخصیات تھیں تو ان سے خدائی صفات کی نفی کرتا ہے ان سے انسانی صفات اور کمالات کی نفی نہیں کی جاتی کیوں کہ یہ بات ان کے مسلمات میں سے نہ تھی کہ وہ دیکھتے اور سنتے نہیں پس یا ابت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر میں ان دوسرے قسم کے مشرکین کا رد ہے جن کی نشاندہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کی ہے۔

مقبولان بارگاہِ ایزدی کو خدا تعالیٰ کے ساتھ عطائی طور پر شریک کرنے والوں اور پھر ان بتوں کو ہی معبود بالذات سمجھنے والے مشرکین کے علاوہ اس وقت ان نظریات کے مشرکین بھی موجود تھے۔

(۱) فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں[۱] قرار دے کر ان کی عبادت کرنے والے۔
(۲) جنات[۲] کو خدا کی اولاد کہہ کر ان کی پرستش کرنے والے۔
(۳) عناصر[۳]، اجرام فلکی اور ارواح خبیثہ کے پرستار وغیرہم۔

فریق اول کی اصلاح کے لیے قرآن عزیز نے رب العزت کی ہمہ گیر قدرت اور اس کے علم محیط کی طرف توجہ دلائی۔ وزیروں اور مشیروں کو جو سلاطین کی طرف سے اختیارات ملتے ہیں وہ اس لیے ہوتے ہیں کہ سلاطین کے ہر کام کو خود پہنچنا اور ہر جگہ براہِ راست خود موجود ہونا عملاً محال ہوتا ہے۔ شہنشاہی کے باوجود وہ انسانی کمزوریوں سے بالا نہیں ہوتے ان کا علم صرف حاضر تک محدود ہوتا ہے اور رعایا کے غیب و شہود بیک وقت ان کے سامنے مستحضر نہیں رہتے۔ پس وہ مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے نائبین کو اختیارات تفویض کریں تا کہ تمام سلطنت مختل ہونے نہ پائے بخلاف اس کے رب العزت کی حاکمیت اعلیٰ ہر کمزوری سے پاک ہے

---

[۱] وجعلوا الملئکة الذین هم عباد الرحمٰن اناثا (پ۲۵ الزخرف) ویجعلون لله البنات سبحٰنه ولهم ما یشتهون (پ۱۴ النحل) ثم یقول للملئکة اهٰؤلاء ایاکم کانوا یعبدون (پ۲۲ سبا)

[۲] وجعلوا بینه وبین الجنة نسبًا (پ۲۳ صافات) کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن (پ۲۹ الجن) [۳] قال النبیؐ من قال مطرنا بنوءٍ کذا وکذا فذلك کافر بی مومن بالکواکب (بخاری جلد ۱ ص ۱۱۷)

اور اسے دُنیا کے ان مادی اور فانی حکمرانوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وہ مشرکین ان مقبولان بارگاہِ ایزدی کو (اور ان کے تصوّر برزخی میں) مٹی اور پتھر کے بتوں کو یہی کہہ کر پوجتے تھے کہ دنیوی نظامِ حکومت کی طرح یہ شخصیاتِ کریمہ اور یہ صورِ ظاہری بھی دربارِ رب العزت کے وسائل اور وسائط ہیں اس غلط فکری کی اصلاح یہ کہہ کر کی گئی کہ رب العزت کی ہمہ گیر قدرت کے لیے کوئی دنیوی اور مادی مثال نہیں دی جا سکتی ایک ضابطے کے طور پر بیان فرمادیا :۔

لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر لہ مقالید السموات و الارض یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انہ بکل شیء علیم ہ

(پ ۲۵ شوریٰ ۱۲)

ترجمہ: نہیں ہے اس جیسا کوئی۔ اور وہی ہے ہر جگہ سامع و ناظر۔ اسی کے پاس ہیں آسمانوں کی اور زمین کی چابیاں جسے چاہے رزق فراخی سے دے اور جس کے لیے چاہے تنگ کردے وہ ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

کہیں فرمایا :۔

فلا تضربوا اللہ الامثال۔ (پ ۱۴ النحل ۷۴)

ترجمہ۔ پس اللہ تعالیٰ کے لیے تم مثالیں ہرگز نہ لاؤ۔

رب العزت کی ہمہ گیر قدرت کا یوں اظہار فرمایا :۔

وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ۔ (پ ۲۵ زخرف ۸۴)

ترجمہ۔ اور وہی ہے جس کی بندگی آسمان میں ہے اور وہی ہے جس کی بندگی زمین میں ہے۔

یعنی نہ آسمان میں فرشتے اور شمس و قمر معبود بن سکتے ہیں نہ زمین میں اصنام و اوثان وغیرہ سب زمین و آسمان والوں کا معبود اکیلا وہی خدا ہے جو فرش سے عرش تک کا مالک اور تمام عالم کون میں اپنے علم و اختیار سے متصرف ہے۔

اس کی شانِ قیومیت کو یُوں بیان کیا :۔

لا تأخذہ سنۃ ولا نوم ..... ولا یؤدہ حفظھما۔ (پ ۳ البقرہ ۲۵۵)

ترجمہ۔ نہیں آتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور نہیں تھکاتا اسے زمین و آسمان کا تھامنا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔

اس کے علم محیط کو اس طرح بیان کیا۔

یعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقة الا یعلمها ولا حبة فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین۔ (پ الانعام ۵۹)

ترجمہ۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ہے جنگلوں اور دریاؤں میں اور نہیں گرنے پاتا کوئی پتہ بھی مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ اس کے ہاں لوح محفوظ میں موجود ہے۔

پھر فرمایا کہ سارے انسان اس کے دروازے کے محتاج ہیں اور وہی ذات ہے، جو بے پرواہ اور مختار ہے۔

واللہ الغنی وانتم الفقراء۔ (پ ۲۶ محمد ۳۸)

ترجمہ۔ اور اللہ ہی ہے بے پرواہ اور تم سب اس کے محتاج ہو۔

پھر قرآن کریم نے متعدد ایسے واقعات بیان فرمائے جن میں فرشتے کیا اور انبیاء و اولیاء کیا سب رب العزت کی نظر کرم کے محتاج نظر آتے ہیں۔ ساری مخلوق اسی کے دروازے پر فریاد خواہ کھڑی ہے انبیاء بھی اپنی ضرورتوں کے لیے اسے ہی پکار رہے ہیں۔ اسی کے سامنے اولاد کے لیے دست سوال دراز ہے اور زندگی کی مشکلات میں سب اسی کے حضور میں فریاد کرتے ہیں ہر تنگی اور کشائش کی چابی صرف اسی کے دست قدرت میں ہے۔

پھر قرآن کریم نے انبیاء کرام کی اپنی زندگیوں کو ان کی پوری کٹھن منزلوں کے ساتھ پیش کیا ان کی ابتلاؤں، قربانیوں اور مشکلات کو بہت کھول کھول کر بیان کیا۔ ان حقائق و واقعات میں ہر چشم بصیرت کے لیے یہ سرمہ ہدایت پیش فرمایا کہ رب العزت اپنی صفات خاصہ میں عطائی طور پر بھی کسی کو شریک نہیں کرتے یہ مشرکین کے نظریات کا اصلاحی نقشہ عمل تھا۔

مشرکین کے دوسرے طبقے کے لیے خطابی انداز اختیار فرمایا۔ ان کے شبہات نہایت رکیک بلکہ تردید سے بھی مستغنی تھے۔ پس ان کی اصلاح اس خطابی انداز میں فرمائی۔

واذا بشّر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلاً ظلّ وجھہ مسودًّا وھو کظیم۔ (پ۲۵ زخرف ۱۷، پ۱۴ نحل ۵۸)

ترجمہ۔ اور جب ان میں سے کسی کو خبر دی جائے اس چیز کی جسے وہ رحمٰن کے نام لگاتے ہیں تو سارا دن ان کا چہرہ اترا ہوا رہتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا ہے۔

یعنی جب تمہارے لیے بیٹیاں باعثِ عار ہیں تو پھر تم خدا تعالیٰ کو اپنے سے اعلیٰ اور برتر ذات مانتے ہوئے اس کے لیے بیٹیاں کیوں تجویز کرتے ہو اپنے حالات پر غور کرو پھر اپنے اور اپنے خالق کے باہمی فرق پر نگاہ کرو اور پھر سوچو کہ تم خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کر کے کتنی کمزور اور غلط بات کہہ رہے ہو ذرا سوچو تو سہی تم کہہ کیا رہے ہو۔

پھر قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف بھی متوجہ کیا کہ اولاد اور والدین ایک دوسرے کے ہم جنس ہوتے ہیں جب رب العزت کی شان لیس کمثلہ شئ ہے تو وہ صاحب اولاد کیسے ہو سکتا ہے اسی ضمن میں فریق ثالث کے نظریات کا بطلان بھی ہو گیا جو جنات کو خدا کی اولاد کہہ کر انہیں اسکی خدائی میں شریک کرتے تھے قرآن کریم نے یہ خطابی انداز اختیار فرمایا ہے۔

وجعلوا للہ شرکاء الجنّ وخلقھم وخرقوا لہ بنین وبنٰتٍ بغیر علم ۔ سبحانہ وتعالیٰ عمّا یصفون ۰ بدیع السمٰوات والارض ۔ انّی یکون لہ ولد ولم تکن لہ صاحبہ ۔ خلق کل شیء ۔ وھو بکل شیء علیم ۰ ذٰلکم اللہ ربّکم لا الٰہ الّا ھو خلق کل شیء فاعبدوہ وھو علیٰ کلّ شیءٍ وکیل ۰ (پ۷ الانعام ۱۰۰)

ترجمہ۔ اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے شریک (اور وہ بھی) جن۔ حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا۔ اور گھڑ لیے ان لوگوں نے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں جہالت کی

۱؎ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر انہیں خدا کی عبادت میں شریک کرتے۔

وجہ سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اور دور ہے ان باتوں سے جو وہ خدا کے بارے
میں بیان کرتے ہیں وہ بنانے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کیوں کہ ہو
سکتا ہے اس کے ہاں بیٹا حالانکہ اس کی تو کوئی بیوی نہیں۔ اور اسی نے بنائی
ہر چیز اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہی اللہ تمہارا رب ہے نہیں کوئی معبود
اس کے سوا۔ وہ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ
ہر چیز کا کارساز ہے۔

فریق چہارم کے لیے ارشاد فرمایا :۔

لا تسجد وا للشمس ولا للقمر واسجد وا اللذے خلقھن (پ۲۴ السجدہ ۳۷)

ترجمہ۔ تم نہ سورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے آگے۔ سجدہ اسی ذات کو کرو جس
نے ان سب (اجرام فلکی) کو پیدا کیا۔

پھر قرآن عزیز نے سورج چاند اور ستاروں کے غروب ہونے سے ان کے معبود نہ ہونے
پر استدلال کیا جو غروب ہو جاتے وہ محجوب ہو جاتا ہے اور جو محجوب ہو وہ مغلوب ہوتا ہے اور
جو مغلوب ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے کہیں کہیں ستارہ پرست قوموں پر غلبہ توحید کے
دلچسپ نقشے بھی پیش کیے جن میں ہر طالب متبصر کے لیے وافی سامانِ ہدایت موجود ہے۔
عرب معطلہ کی اس تفصیل کے بعد اب کچھ عرب محصلہ کا بھی تعارف کیجئے :۔

① عرب محصّلہ

ان میں بھی کئی گروہ تھے :۔

ایک قلیل تعداد ان موحدین کی تھی جو اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی سے وابستہ کرتے تھے۔
زید بن عمرو، قس بن ساعدہ اور قیس بن عاصم تمیمی کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

لے عناصر اور اجرام فلکی کے پرستار

② نصاریٰ

یہ بھی من حیث الاصل ایک آسمانی مذہب تھا جس کی بنا وحیِ ربّانی اور کتب آسمانی پر تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شریعتِ تورات کو باقی رکھتے ہوئے اس کے بعض احکام کو منسوخ[1] کیا مگر پہلی صدی عیسوی میں ہی حالات ایسے ناسازگار ہوئے کہ اصل انجیل جس کے متادحضرت مسیح تھے محفوظ نہ رہی اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی ترتیب کردہ یادداشتیں انجیل کے قائم مقام سمجھی جانے لگیں۔ چنانچہ وہ انجیلیں ان صحابہ اور تابعین کے ناموں سے ہی موسوم ہوئیں۔ پھر تصنیف اناجیل کا بازار اس طرح گرم ہوا کہ ان کی تعداد ستر تک پہنچ گئی اب بھی بعض انجیلیں ہیں کہ کچھ عیسائی انہیں مانتے ہیں اور کچھ ان کے معتبر ہونے کے قائل ہیں[2]۔ پھر ان اناجیل مرتبہ میں بھی بے دریغ قطع و برید ہوتی رہی اور پھر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ان کی اصل بھی ترجموں کے سایہ تلے ناپید ہوتی چلی گئی۔

یہی وہ زمانہ تھا جب کہ دینِ مسیحی کے یہ تین بنیادی اصول ایجاد ہوئے ان میں سے ایک بات بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منہ سے نکلی ہوئی نہ تھی۔

۱۔ تثلیث ۲۔ الوہیت مسیح ۳۔ تصلیب مسیح اور عقیدہ کفارہ۔

① تثلیث

یہ لوگ خدا تعالیٰ، روح القدس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "اقانیم ثلثہ" مانتے تھے اور تینوں کو ملا کر ازلیت اور ابدیت والا ایک خدا کہتے تھے۔ بالفاظ دیگر وہ تین علیحدہ علیحدہ خداؤں کے قائل نہ تھے بلکہ تینوں کو ملا کر وہ ایک خدا مانتے تھے اور اسے توحید فی التثلیث یا تثلیث فی التوحید کہتے تھے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا محض ایک مجازی

---

[1] ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم (پ۳ آل عمران ۵۰) وکذلک فی الانجیل متی ب ۵ ص ۸

[2] جیسے انجیل برنباس یہ آپ کے ایک حواری تھے۔

نسبت بھی کیونکہ حقیقی بیٹا اپنے باپ میں سے ہوتا ہے لیکن اس کے وجود کا جزو نہیں ہوتا
اور نہ باپ بیٹا ایک ساتھ سے چلے آتے ہیں۔ بیٹا لازمی طور پر باپ سے متاخر ہوتا ہے۔
بخلاف اس کے ان کے ہاں ہر ایک اقنوم ازلی اور ابدی شان سے متصف ہے پس یہ نسبت
محض ایک مجازی نسبت تھی یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو المسیح بن اللہ
(پ۱، التوبہ ۳۰) خدا کا بیٹا کہتے تھے تو دوسرے موقع پر عین خدا بھی کہہ دیتے تھے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم (پ۶ المائدہ ۱۷)

ترجمہ۔ بیشک وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے۔

پس یہ ابنیت حقیقی ابنیت سے بھی بہت اوپر کا درجہ تھا پھر ان میں ایسے لوگ بھی تھے
جو عوامی ذہن کے مطابق حقیقی ابنیت کا تصور بھی کرتے تھے اور بعض ایسے افراد بھی تھے
جو روح القدس کی بجائے حضرت مریم طاہرہ کو اقانیم ثلثہ میں شامل کرتے تھے اور قرآن
کریم کو عیسائی دنیا کے ان طرح طرح کے تصورات کا سامنا تھا۔

② الوہیتِ مسیح

یہ اصول بھی دراصل عقیدہ تثلیث کا ہی ایک پہلو تھا عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو
قاضی الحاجات اور دافع البلیات سمجھ کر پکارتے تھے۔ خداوند مسیح کا اطلاق ان کے
ہاں عام تھا اور وہ حضرت مسیح کو بلا تاویل الٰہ یعنی خدا مانتے تھے۔ یہ ان کی الوہیت کا ایک
کھلا دعوےٰ تھا۔

قرآن کریم نے الوہیت کی صفات بیان فرمادی ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی کسی مخلوق کے
کے لیے ثابت مانا جائے تو یہ اس مخلوق کی الُوہیت کا اقرار سمجھا جائے گا۔

① امن خلق السموات و الارض وانزل من السماء ماء۔ ءالٰہ مع اللہ۔
(پ۲۰ النمل ۶۰)

ترجمہ بھلا کس نے زمین و آسمان بنائے ؟ کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

امن جعل الارض قرارا۔ ءالٰہ مع اللہ۔ (پ۲۰ النمل ۶۱)

ترجمہ: کس نے زمین کو ٹھہرنے کے لائق بنایا؟ کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

③ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء... ءالٰہ مع اللہ (پ۲۰ النمل ۶۲)

ترجمہ: کون پہنچتا ہے کسی بے کس کی فریاد کو اور کون دور کرتا ہے سختی کو؟.... کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

④ امن یھدیکم فی ظلمٰت البر والبحر... ءالٰہ مع اللہ (پ۲۰ النمل ۶۳)

ترجمہ: کون ہے جو تمہیں جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں رستہ دکھاتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟

⑤ امن یبدؤ الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض.... ءالٰہ مع اللہ (پ۲۰ النمل ۶۴)

ترجمہ: کون بناتا ہے سرے سے مخلوق کو اور پھر اسے دہراتا ہے؟ اور کون تمہیں زمین و آسمان سے رزق پہنچاتا ہے؟ کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

⑥ قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ (پ۲۰ النمل ۶۵)

ترجمہ: کہہ دیجئے زمین و آسمان میں خدا کے سوا کوئی اور غیب داں نہیں۔

یہاں الٰہ کی جتنی صفات مذکور ہوئیں نصاریٰ کا عقیدہ الوہیت مسیح ان سب پر مبنی تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ تیسری صفت کی طرف زیادہ متوجہ تھے اور حضرت مسیح کو قاضی الحاجات اور دافع البلیات کہہ کر پکارتے تھے الٰہ کی انہی صفات کو وہ ایک مخلوق میں مان کر الوہیت مسیح کا عقیدہ رکھنے والے اور پیغمبر کو خدائی میں شریک کرنے والے گردانے گئے:۔

واذ قال اللہ یاعیسیٰ بن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ۔ (پ۷ المائدہ ۱۱۶)

ترجمہ: اور جب کہے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا مجھے اور میری ماں کو بھی تم اللہ کے سوا اور دو معبود بنا لو۔

یہاں حضرت مریم کی الوہیت ان لوگوں کے پیش نظر ہے جو اقانیم ثلثہ میں روح القدس کی بجائے حضرت مریم کو شامل کرتے تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

③ تصلیبِ مسیح برائے کفارہ

مسیحی عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کے ہاتھوں سولی پر لٹکائے گئے اور اس طرح سے وہ تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے۔ ان کے اعتقاد میں حضرت آدم علیہ السلام کا بہشتی درخت سے کچھ کھا لینا پوری نسل آدم پر ایک بارِ عظیم تھا اور یہ اس گناہ کی پاداش تھی کہ انسان عالمِ تکلیفات میں لایا گیا ان کے اعتقاد میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے خون سے نسلِ آدم کے گناہوں کو دھو دیا اس نظریے کو عقیدہ کفارہ کہا جاتا ہے اس عقیدے کے ضمن میں اس خیال کو بھی جگہ ملتی ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہ از خود معاف کرنے پر قادر نہ تھا اسی لیے وہ مجبور رہا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے نسلِ آدم کے گناہ دھو دے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

نصاریٰ اپنے ان تینوں نظریات (تثلیث، الوہیتِ مسیح اور عقیدہ کفارہ) میں نہایت فاش غلطی میں تھے۔ قرآن کریم نے ان کی یوں اصلاح فرمائی۔

قرآن کریم کا طریقِ ارشاد اور طور اصلاح :-

یا اھل الکتاب لا تغلو فی دینکم و لا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ و کلمتہ القاھا الیٰ مریم و روح منہ فامنوا باللہ و رسلہ و لا تقولوا ثلٰثۃ ط انتھوا خیرًا لکم انما اللہ الٰہ واحد سبحانہ ان یکون لہ ولد لہ ما فی السمٰوات و ما فی الارض و کفیٰ باللہ وکیلا ٥ لن یستنکف المسیح ان یکون عبدًا للہ و لا الملٰئکۃ المقربون ط و من یستنکف عن عبادتہ و یستکبر فسیحشرھم الیہ جمیعًا۔ (پ النساء آخر)

ترجمہ: اے اہل کتاب اپنے دین کی باتوں میں مبالغہ نہ کرو اور اللہ کی شان میں پختہ بات کے سوا کچھ نہ کہو۔ بے شک مسیح ابن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے مریم کی طرف ڈالا گیا اور وہ روح ہیں اس کے ہاں کی پس ایمان لاؤ

اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں ایسا کہنے سے رُک جاؤ تمہارے لیے یہی بہتر ہے خدا یقیناً ایک ہی معبود ہے اس کی شان کے لائق نہیں کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کا تو ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی کارساز کافی ہے مسیح کو تو اس سے عار نہیں کہ وہ خدا کے بندے ہوں اور نہ ملائکہ مقربین (جیسے روح القدس جبریل امین) اس کے بندے ہونے سے کچھ عار محسوس کرتے ہیں۔ اور جو بھی اس کا بندہ ہونے سے عار محسوس کرے گا اور اپنے کو اس سے بالا سمجھنے لگے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے ہاں جلدی اکٹھا کریں گے۔

عقیدۂ تثلیث اور الوہیتِ مسیح کے ابطال کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے خود اپنے موقف کی طرف توجہ دلائی۔ انہیں بندہ قرار دے کر پیغمبر بتلایا اسی طرح ملکِ مقرب روحُ القدس کے متعلق بتایا کہ وہ اپنے آپ کو خدا نہیں سمجھتے اور یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں کہیں ان دو کی الوہیت کا دعوےٰ نہیں۔ قرآن کریم نے یہاں متنبہ کیا کہ تم فرطِ عقیدت میں ان میں خدائی صفتیں کیوں لا رہے ہو یہ عیسائیوں کے اقانیم ثلثہ[1] خداوند قدوس، روح القدس اور حضرت مسیح میں سے پچھلے دو اقنوموں کی الوہیت کی نفی تھی اور ایک حکیمانہ انداز میں توحید کا اثبات تھا یہ اصلاح کا منقولی پہلو تھا اس کے ساتھ ساتھ معقولی پہلو کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اللہ رب العزت سب کی حاجت برآری اور کارسازی کے لیے کافی ہیں اور سب زمین و آسمان اسی کے ہیں اسے کیا ضرورت پڑی کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا وہ اپنی کسی مخلوق کو بیٹا بنائے تو اس کی شان کے لائق نہیں جب وہ کارساز اپنی صفات میں وحدہ لاشریک ہے تو اس کی ذات وحدہ لاشریک کیوں نہ ہوگی۔

---

[1] بعض عیسائی خداوند قدوس، مریم صدیقہ علیہا السلام اور حضرت مسیح کو ارکانِ تثلیث قرار دیتے ہیں ان کی طرف اشارہ سورۂ مائدہ میں موجود ہے قرآن پاک تثلیث کے دونوں گروہوں کی تردید کرتا ہے مشہور پادری ایس ایم پال عیسائیوں کے ایک فرقے کے متعلق لکھتے ہیں "ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا کے علاوہ مسیح اور اس کی ماں خدا تھے۔" (عربستان میں مسیحیت صفحہ ۴۶) حضرت مریم کی پرستش چوتھی صدی میں شروع ہوگئی تھی۔ (دیکھئے تواریخ مسیحی کلیسیا صفحہ ۲۹۹)

عقیدہ کفارہ کے ابطال میں یہ اصولی ضابطہ پیش کیا۔

لا تزر وازرۃ وزر اخری ۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۵)

ترجمہ ۔ کوئی نہیں اُٹھائے گا کسی دوسرے کا بوجھ

خدا کی شانِ کریمی ہے کہ توبہ قبول فرمالے اور ہمارے گناہ بخش دے وہ چاہے تو توبہ کے بغیر بھی بخش سکتا ہے۔ نیکیوں کا پلڑا جھک جائے تو گناہ خود بخود اُٹھ جائیں گے۔ آنحضرتؐ کی شفاعت سے بھی کئی گنہگار بخشے جائیں گے۔ ان تمام صورتوں میں گناہوں کی معافی تو ہوگی لیکن ان کا بوجھ کسی بے گناہ کی گردن پر نہیں آئے گا۔ مجرم کو معاف کر دینا یہ بے شک کریمی ہے مگر اسے چھوڑ کر اس کی سزا کسی بے گناہ پر رکھ دینی یہ نہ صرف ظلم ہے بلکہ ایک انتہائی قابلِ نفرت فعل ہے۔ تعالی اللہ عن ذٰلک علوا کبیرا۔

مسیحی قومیں اپنے گناہوں کا بوجھ ایک بے گناہ پیغمبر کی گردن پر رکھتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ مسیح اولادِ آدم کے گناہوں کی سزا میں سُولی چڑھایا گیا۔ قرآن کریم نے لا تزر وازرۃ وزر اُخری کہہ کر نہ صرف عقیدہ کفارہ کی تردید کی بلکہ دنیا کو ایک مستقل ذہن دیا کہ فیصلے کے دن کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اپنے اعمال کے نتائج ہر کسی کو خود دیکھنے پڑیں گے۔

ترکِ دنیا کے ذریعے خُدا کا قرب

حضرت عیسیٰ نے جس زہد و تقویٰ سے اپنے دن گزارے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کا ان دنوں نکاح نہ کرنا ہی قرینِ حکمت تھا۔ علمِ الٰہی میں آپ کا رفع الی السماء مقدر تھا اور نکاح کی صورت میں اس احتمال کو جگہ ملتی کہ دنیا میں ایک ایسی نسل بھی چلے جن کے باپ آدمؑ نہ ہوں[1] تاہم آپ نے اپنی قوم کو ترکِ دنیا کی راہ بتلائی اور نہ یہ حکم خداوندی تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کے پیرو فریسیوں[2] کے زیرِ اثر سیرتِ مسیح کے ادراک میں غلطی کر گئے اور یہ خیال قائم کر لیا کہ وصول الی اللہ اور قربِ خداوندی کے لیے لذاتِ دنیا اور اہلِ دنیا سے کنارہ کشی

---

[1] نزول کے بعد ان کا نکاح کرنا اور اولاد ہونا حدیث میں منقول ہے۔

[2] یہودیوں میں یہ لوگ پیر سمجھے جاتے تھے۔

لازمی ہے یہیں سے رہبانیت چلی اور عیسائی راہب بستیوں سے الگ جنگلوں اور خانقاہوں میں رہنے لگے

یہ اندازِ حیات نہ صرف نظامِ فطرت کے خلاف تھا بلکہ سب پیغمبروں کے طریق سے متصادم تھا چنانچہ ترکِ دنیا کے پردے میں وہ سب آلودگیاں اُبھریں کہ رندانِ بادہ خوار بھی حیا سے آنکھیں نیچی کر گئے. قرآنِ کریم نے اس مقام پر نہ صرف وحی کی عصمت بیان کی کہ ہم نے ترکِ دنیا ان کے ذمہ لگائی تھی بلکہ یہ بھی بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنی ایجاد کردہ بدعت سے بھی وفا نہ کر سکے. اور بدعت کسی کو نقطۂ یقین نہیں بخشتی.

ثم قفینا علیٰ اٰثارھم برسلنا وقفینا بعیسیٰ ابن مریم واتینٰہ الانجیل وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رأفۃً ورحمۃ. ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنٰھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا.

(پ۲۷ الحدید ۲)

ترجمہ. پھر پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ بن مریم کو اور اس کو دی ہم نے انجیل اور اس کے پیروؤں کے دلوں میں نرمی اور مہربانی رکھ دی اور ترکِ دنیا. یہ ہم نے ان کے ذمہ لگائی تھی. انہوں نے یہ بدعت خود نکال لی تھی. اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے پھر اس کو بھی وہ ایسا نبھا سکے جیسا کہ اس کے (ترکِ دنیا کے) نبھانے کا حق تھا.

یہود

یہ قوم دین کی بجائے نسل کے لحاظ سے زیادہ جانی جاتی ہے انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے پر بڑا ناز ہے. عیسائیوں کی نسبت یہ لوگ اہلِ علم تھے ان کے مذہبی پیشوا احبار اور عیسائیوں کے رہبان کے طور پر مشہور تھے.

قرآن کریم ہر دو طبقوں کا حال یُوں بیان فرماتا ہے:-

اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ. (پ۱۰ التوبہ ۳۱)

ترجمہ۔ انہوں نے اپنے احبار (علماء) اور اپنے رُہبان (درویشوں) کو خُدا بنا رکھا ہے۔

اسلام کی تحریک علمی بنیادوں پر اُٹھی تھی اور مسلمان ایک مستقل شریعت کے ترجمان تھے اس لیے مسلمانوں سے بغض و عناد یہود کو زیادہ تھا عیسائی عقیدہ کفارہ کے سہارے شریعت سے جان چھڑا چکے تھے اس لیے وہ مسلمانوں کے ساتھ نسبتہً درویش منش تھے۔

ولتجدن اشدّ النّاس عداوۃً للّذین اٰمنوا الیھود والّذین اشرکوا ولتجدن اقربھم مودۃ للّذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ط ذٰلک بانّ منھم قسّیسین ورھبانًا وانّھم لا یستکبرون۔ (پ المائدہ آخر)

ترجمہ۔ اور آپ سب سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن یہود اور مشرکین کو پائیں گے اور ان اہلِ کفر میں مسلمانوں میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے آپ نصاریٰ کو پائیں گے یہ اس لیے کہ ان نصاریٰ میں کچھ مبلغ ہیں اور کچھ درویش اور یہ کہ وہ تکبّر نہیں کرتے۔

آج کل کے عیسائیوں میں کتنے قسیس اور درویش ہیں یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں مسیحی قوموں میں جہاں کہیں اور جب کبھی یہ علت پائی جائے گی اس کا معلول بھی ضرور ظاہر ہوگا کہ وہ مسلمانوں سے محبت کرنے والے ہوں گے اور جب یہ اقوام بھی مسلمانوں کی دشمن ہو جائیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ اپنی امتیازی صفات کھو چکے ہیں۔

یہود کی خاندانی نخوت یہاں تک تھی کہ اپنے آپ کو خدا کے بیٹے کہتے تھے نحن ابناء اللہ واحباءہ۔ نسلی غرور نے انہیں اس غلط اُمید میں مبتلا کر رکھا تھا کہ لن تمسنا النار الّا ایامًا معدودۃ۔ ہم سات دن یا چالیس دن (جتنے دن بچھڑے کی پوجا ہوتی رہی تھی) یا چالیس سال (جتنی مدت وادی تیہ میں سزا یافتہ رہے) دوزخ میں رہ کر بالآخر ضرور جنت میں داخل ہوں گے نبوت کو یہ لوگ خاندانی وراثت سمجھتے تھے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء میں ان کی اسی فکر کی اصلاح ہے۔

دوسرا بنیادی مرض اُن میں حُبِ مال تھا اسی لیے وہ دین فروشی کرتے تھے۔ اور

مسائل پر بڑی بڑی رشوتیں لیتے تھے۔ اکلھم السحت انہی کے حق میں وارد ہے ان کا ضمیر مجرم تھا اور ذہن سازشوں کا گھر ہو چکا تھا۔ بدعملی میں یہاں تک بڑھ چکے تھے کہ انبیاء تک کو قتل کر دیتے تھے۔ و یقتلون الانبیاء بغیر حق میں انہی کے سیاہ کردار کا تذکرہ ہے۔

ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوہ میں ان کی اسی قساوت قلبی کا بیان ہے۔ شقاوت کی انتہا یہ تھی کہ آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی۔

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ۔ (پ البقرہ ۷۹)

ترجمہ۔ سو خرابی ہے ان کی جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم طاہرہ پر ان لوگوں نے بڑے گندے الزام لگائے بالآخر ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی۔

ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباءوا بغضب من اللہ۔ (پ البقرہ ۶۱)

ترجمہ۔ ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی اور آئے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں۔

یہاں تک کہ روئے زمین پر اب یہ لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے کہیں عزت نہیں پا سکتے جہاں کہیں بھی ہیں دوسری قوموں کے سہارے پر کھڑے ہیں عیسائی لوگ اعتقادی گمراہی میں گو ان سے بڑھ کر تھے کہ انہوں نے مخلوق کو خالق کا درجہ دے رکھا تھا مگر عملی اعتبار سے یہود ان سے زیادہ پست ہیں۔ بداعمالیوں نے انہیں بداعمالیوں کی انتہا پر پہنچا رکھا تھا۔ سورۂ بقرہ میں ان کے سیاہ کردار کی پوری تصویر پیش کی گئی ہے۔ ان میں صرف چند لوگ تھے جو اس قساوت و شقاوت سے محفوظ تھے۔ قرآن کریم ان کا یوں تعارف کراتا ہے:

لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون۔ (پ آل عمران ۱۱۳)

ترجمہ۔ یہ سب برابر نہیں ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو سیدھی راہ پر قائم ہیں وہ اللہ کی آیات رات کے اوقات میں پڑھتے ہیں اور سجدہ ریز بھی ہوتے ہیں۔

یہ چند حضرات مشرف باسلام ہوگئے تھے۔ باقی قوم یہود مجموعی طور پر انتہائی ناقابلِ اعتماد تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں جس وصیت کے لیے حضرت علی المرتضیٰ سے کاغذ طلب فرمایا تھا اس وصیت میں یہ ارشاد بھی شامل تھا:۔

اخرجوا الیھود من جزیرۃ العرب۔[1]

ترجمہ: کوئی یہودی جزیرۂ عرب میں نہ رہنے پائے۔

بعض ان میں سے تشبیہ کے قائل تھے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم Body Volume اور مکان ثابت کرتے تھے وہ کہتے تھے خدا چھ دن کام کرتا ہے اور ساتویں دن چھٹی کرتا ہے۔ ہفتہ کا دن اس کے آرام کے لیے ہے:۔

ولقد خلقنا السمٰوات والارض وما بینھما فی ستۃ ایامٍ وما مسّنا من لغوب۔ (پ ۲۶ ق ۳۸)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے چھ دن میں بنائے اور تکان ہمارے قریب نہ آئی۔

کہیں فرمایا:۔

ولا یؤدہ حفظھما وھو العلیّ العظیم۔ (پ ۳ البقرہ ۲۵۵)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو زمین وآسمان کی حفاظت کرنا تکان میں نہیں ڈالتا وہ بلند ذات ہے اور بہت عظمت کے لائق ہے۔

مخلوق کی صفتیں خالق میں ثابت کرنا تشبیہ کہلاتا ہے۔ کئی یہود اس کے قائل تھے نصاریٰ مخلوق کی صفتیں خالق میں نہیں خالق کی صفتیں مخلوق میں لاتے تھے۔ عرب محصلہ میں یہی دو گروہ ممتاز تھے۔ پیروانِ زرتشت اہل کتاب میں شمار نہ ہوتے تھے۔

مجوس۔ پیروانِ زرتشت

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں ایران کے پیروانِ زرتشت کا بھی کچھ اعتقادی اور عملی تعارف کرادیں۔

---

[1] بخاری جلد ۲ ص

دین زرتشت کی بنا اس پر تھی کہ روحِ خیر اور روحِ شر میں جنگ جاری ہے۔ زرتشت کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سات سو سال پہلے کا بتایا جاتا ہے زرتشت سے پہلے ایران کا مذہب مزدائیت تھا۔ زرتشت اسی اصلاح شدہ مزدائیت کے داعی تھے ان کا مذہب ایک ناکامل توحید تھا مزدا (بمعنی حکیم) سے مراد ذاتِ حق لی جاتی تھی اور دوسری ربانی ہستیاں اسی کی تجلیات اور صفات کو کہا جاتا تھا ان کا خیال تھا کہ مزدا کی ذات لاشریک ہے اور ثنویت (یزداں اور اہرمن کو مستقل بالذات ماننے کا تصور) فقط ایک ظاہری عقیدہ ہے کیونکہ روحِ خیر اور روحِ شر کی جنگ بالآخر روحِ خیر کی فتح پر ختم ہو گی۔ زرتشت کی کتاب کا نام اوستا تھا اس کے ۲۱ نسک تھے۔ یہ کتاب مدتوں ناپید رہنے کے بعد "ارداگ وزار" یا "اردا ویراف" کے خواب میں یاد رہنے سے دوبارہ معرضِ وجود میں آئی۔ کلدانیوں کی متھرائیت اسی مزدائیت پر علم نجوم کے اثرات تھے جس سے زروانی عقیدہ پیدا ہوا۔ اوستا میں آگ کی پانچ قسمیں دی گئی ہیں:-

(۱) بَرزِ سواہ (جو آتش کدوں میں جلتی ہے)
(۲) وہو فریان (وہ آگ جو انسان اور حیوان کے جسم میں ہے)
(۳) اُروازشت (جو آگ درختوں میں پائی جاتی ہے)
(۴) وازشت (وہ آگ جو بادلوں میں ہے مراد بجلی)
(۵) سپنشت (وہ تجلی جو بہشت میں اہورامزدا کے سامنے جلتی ہے)

شاہانِ ایران کا شکوہ وجلال اسی پانچویں آگ کا مظہر تھا اسے ہی فارسی میں فر کہتے تھے آتش کدوں میں مراسمِ عبادت کی راہنمائی "ہیربد" کرتے تھے خوارزمی انہیں خادم النار اور یعقوبی انہیں قیم النار کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ موبد، مغ اور طائفہ مجوس ان کے تدریجی مراتب تھے۔ اوستا کی تفسیر کا نام ژند تھا۔

مانی ۲۱۵ عیسوی میں پیدا ہوا اس نے زرتشتیت، عرفانیت اور عیسائیت کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور پھر فرقہ مغتسلہ کو ترک کر کے فارقلیط ہونے کا دعوے کر دیا۔ وہ بدھ، زرتشت اور حضرت عیسیٰ

سب کو مانتا تھا مگر اس کا بھی عقیدہ یہی تھا کہ ابتدا میں دو جوہر اصلی موجود تھے ایک نیک اور دوسرا بد اور دونوں مستقل بالذات تھے یہ ثنویت خیر و شر کو ایک طاقت کے ماتحت نہ ماننے پر قائم تھی. اس لحاظ سے یہ بھی دینِ زرتشت کی ہی ایک بدلی ہوئی صورت تھی. جو لوگ مسلمان کہلا کر بھی خیر و شر دونوں کا خالق اللہ رب العزت کو نہیں مانتے وہ دراصل اسی دین مجوس سے متاثر ہیں.

القدریة مجوس هٰذه الامة . قدریہ لوگ اس امت کے مجوسی ہیں.

انجام کار مانویوں کو بزورِ اقتدار ختم کر دیا گیا تھا. ایرانیوں اور رومیوں کی باہمی جنگوں کے نتیجے میں جو رومی ایران میں بسائے گئے ان کی وجہ سے ایران میں عیسائیت پھیلی. چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں سلوکیہ طیفسوں کے بشپ نے ایران کے عیسائیوں کو ایک کلیسائی مرکز کے تحت جمع کرنے کی بڑی کوشش کی. ان کا بڑا تبلیغی مرکز اڈلیہ (الرہا) تھا.

بخت نصر شاہ بابل نے جب یہودیوں کو فلسطین سے نکالا تو یہ آہستہ آہستہ میڈیا اور فارس تک آباد ہو گئے. پہلی صدی عیسوی میں شاہِ ایران نے انہیں ایک باقاعدہ ملت تسلیم کر لیا تھا تیسری صدی میں انہوں نے سورا کا مدرسہ قائم کیا اور تلمود نامی اپنی مذہبی روایات کی ترویج و اشاعت کی.

مسلمانوں کی آمد پر نئے مخلوط نظریے

آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت ایران میں ساسانی دورِ حکومت تھا یہ لوگ بادشاہوں کے ربانی حق Divine right of Kings کا عقیدہ رکھتے تھے مسلمانوں کی آمد پر دونوں مذہبی نظریات میں اختلاط ہوا اور خلافت کے ربانی حق کا عقیدہ قائم ہوا مجوسیوں میں پانچ قسم کی آگ کا تصور پہلے سے موجود تھا. نئے مخلوط نظریہ میں بھی پانچ کا تقدس قائم کر رکھا گیا.

یہ مذہبی خیالات اور دینی رجحانات پہلے سے موجود تھے دُنیا ان مختلف قوموں میں بٹی ہوئی تھی کہ سرزمینِ عرب سے قرآن کی روشنی چمکی اور قرآن کریم نے راہ سے بھٹکی ہر قوم کو دینِ فطرت کی دعوت دی. قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے اس ارض قرآن کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے.

سکھ اور قادیانی دو قومیں بہت بعد وجود میں آئی ہیں اس لیے ہم نے ارضِ قرآن میں ان پر بحث نہیں کی سکھ ہندوؤں سے نکلی ایک نئی قوم ہے اور قادیانی مسلمانوں سے نکلی ایک دوسری قوم ہے انہیں مسلمانوں کے سکھ کہیں تو بے جا نہ ہوگا.

امثالُ القرآن

قصص القرآن من رسل الرحمٰن

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفی امّا بعد :

قرآن کریم سے پہلے انجیل کا دور گزرا ہے. انجیل میں بہت سی باتیں تمثیل کے پیرایہ میں کہی گئی ہیں اور ان سے مقصد انسانی ذھن کو خدائی ہدایت کے قریب کرنا ہے. انسانی طبیعت کہانیوں اور مثالوں سے جلد متاثر ہوتی ہے. صرف حکمت کا بیان دانشوروں کی غذا تو بن سکتا ہے لیکن عوام کو اپنی طرف راغب نہیں کرتا. آسمانی کتابیں انسانوں کے لیے منبع ہدایت ہوتی ہیں تو ضروری ہے کہ ان میں مثالیں بھی دے کر باتیں سمجھائی گئی ہوں اور اس کے قصوں میں واقعی ایک انسانی راہنمائی ہو. قصے بھی صحیح ہوں. ان میں باتیں نہ بنائی گئی ہوں یہ خدا کی شان کے لائق نہیں تمثیل میں بات اپنی طرف سے کہی جاتی ہے تمثیل اور قصے میں یہی فرق ہے :-

ولقد صرفنا للنّاس فی ھذا القران من کل مثل فابی اکثر النّاس الّا کفورًا. (پ۱۵ بنی اسرائیل : ۸۹)

ترجمہ. اور ہم نے انسانوں کے لیے اس قرآن میں پھیر پھیر کر مثل بیان کہی ہے پر اکثر لوگ انکار کر گئے اور انہوں نے کفر کیا.

اور یہ بھی فرمایا :-

ولقد صرفنا فی ھذا القران للنّاس من کل مثل وکان الانسان اکثر شیءٍ جدلًا. (پ۱۵ الکہف : ۵۴)

یہ انسان کی جدلی فطرت کیا ہے ؛ انسان ہر دوسری مخلوق سے بڑھ کر بات سے بات نکالنے والا، وہ بات کو لمبا کرنے والا اور اس کے مختلف پہلو نکالنے والا واقع ہوا ہے.

سو اس کے لیے مختلف تمثیلات کی ضرورت ہوئی اور وہ مختلف پیمانوں میں اس کے سامنے لائی گئیں. مگر یہ جدلیات میں اُلجھتا گیا. اگر انسان ان سے نکلنا چاہیے تو ایک ہی راہ ہے کہ اہل علم کی

پیروی میں اپنے سامنے لائے پہلو اور بنائی باتیں چھوڑ دے۔

وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون. (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

یہ امثال ہیں تو سب لوگوں کے لیے مگر انہیں صرف عالم ہی سمجھ پاتے ہیں۔ دوسرے لوگ کیا کریں۔ وہ علماء کی پیروی میں ان پر چلیں جبل نام کو باقی نہ رہے گا۔

قرآن کریم میں تمثیلات سے زیادہ عبرت کی داستانیں ہیں۔ وقائع اور قصص تمثیلات سے زیادہ موعظہ عبرت ہیں۔ سو قرآن کریم میں پہلی قوموں اور انبیاء کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ ان قصوں کا مقصد قرآن کریم کو کوئی تاریخ کی کتاب بنانا نہیں ہے۔ جو مضمون پہلے سے چلا آرہا ہے اس پر بطور شواہد پہلی قوموں کے واقعات اور قصص سامنے لائے جاتے ہیں اور یہ قصے کوئی من گھڑت باتیں نہیں ہیں۔

لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب ما کان حدیثا یفتری
ولکن تصدیق الذی بین یدیه۔ (پ۱۳ یوسف ۱۱۱)

ترجمہ۔ ان قصوں میں اہل فہم کے لیے بڑی عبرت کی بات ہے یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں یہ تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

وما کان هذا القرآن ان یفتری من دون الله ولکن تصدیق الذی
بین یدیه۔ (پ۱۱ یونس ۳۷)

ترجمہ۔ اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ بدوں اللہ کے گھڑ لیا جائے لیکن یہ تصدیق ہے اپنے سے پہلی وحی کی۔

پہلے انبیاء کرام کو جن حالات اور مشکلات سے گزرنا پڑا وہ اس کائنات کا طبعی مزاج ہے۔ اس پر ان نفوس قدسیہ نے جس طرح صبر کیا اور حالات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ یہ واقعات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی موجب سکینہ اور تسلی رہے۔ ان وقائع گذشتہ کا بار بار تذکرہ اسی لیے تھا کہ آپ کا دل تسلی پکڑے۔ اس میں آپ کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ

آپ بھی انہی کی راہ پر چلیں۔ اصولاً سب انبیاء کی خلعت عمل ایک جیسی ہوتی ہے اور وہ اس کارِ رسالت پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے ۔

اولٰئِكَ الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً.

(پ الانعام : ۹۰)

ترجمہ۔ یہ انبیاء کرام وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی سو آپ بھی انہی کی راہ پر چلیں۔ آپ کہہ دیں کہ میں اس رسالت کے کام پر تم سے کچھ نہیں مانگتا۔

قصوں کی دو قسمیں

قرآن کریم میں اس کاروانِ عزیمت کے واقعات اور قصے بڑے حکیمانہ پیرائے میں بیان کیے گئے اور دہرائے گئے ہیں۔ ہر دفعہ کے بیان میں ان میں ایک نیا نکھار آتا ہے اور ذہن و فکر قرآن کریم کی شانِ اعجاز کے آگے سجدہ کرنے لگتے ہیں۔ کچھ قصے قوموں کے ہیں جیسے اصحاب الایکہ، قوم تبع، اصحاب مدین، اصحاب الاخدود۔ اصحاب الرس، اصحاب الکہف، قوم سبا، اصحاب فیل وغیرہ۔ ان میں بھی حق کی طرف لوٹنے کا عجب سامانِ عبرت ہے

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے کسی ایک جگہ ان انبیاء کرام کا ذکر نہیں پاتے۔ اگر قرآن کریم ایک تاریخ کی کتاب ہوتا تو بے شک ایسا ہوتا۔ مگر یہ ایک کتابِ ہدایت ہے۔ اس کے شروع میں بتا دیا گیا ہے ہدی للمتقین۔ سو یہاں واقعات و قصص ہدایت کے ضمن میں لائے گئے ہیں اور ہدایت کی دعوت پورے قرآن میں بکھر رکھی گئی ہے۔ انبیاء کے ذکر میں ان کے معاندین کا ذکر بھی ساتھ چلتا ہے۔ سو نمرود و فرعون اور ہامان و شداد کا تذکرہ قرآن کریم کا کوئی موضوع نہیں۔ ان کا بیان جہاں بھی آیا ہے ضمناً آیا ہے۔ تاکہ قارئین خیر و شر کے معرکوں کو خود قریب سے دیکھ لیں۔

قرآن کریم کے طلبہ کے لیے ان واقعات کو اپنے مقامات سے تلاش کرنا خاصہ مشکل

ہوتا ہے۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کے لیے قصص القرآن کے عنوان سے تمام انبیاء کے اہم واقعات ایک اپنی ترتیب سے بیان کر دیں اور اس کے بعد کچھ ان قوموں کا بھی تعارف کرا دیں جو تاریخ کے مختلف ادوار میں گزری ہیں اور ان کا کچھ نہ کچھ ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے۔ ان سے جو عبر و نصائح حاصل ہوں ان تک پہنچنا قارئین کا اپنا کام ہے۔

ہم نے اس رسالے میں جو قصص انبیاء ذکر کیے ہیں اس سے ان نفوس قدسیہ کا صرف تعارف کرانا مقصود ہے۔ جو نبوت اور رسالت کے ذکر میں قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں۔ ورنہ اور بھی بہت سے پیغمبر گزرے ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر نہیں ہے۔

ورسلاً قد قصصناھم علیک من قبل ورسلاً لم نقصصھم علیک

(پ ۶ : النساء : ۱۶۴)

ترجمہ۔ اور ہم نے وہ رسول بھیجے جن کا حال ہم تمہیں سنا چکے ہیں اور ایسے بھی کئی ہیں جن کا ہم نے تم سے بیان نہیں کیا۔

قصص القرآن کی فہرست ترتیب دینے اور جہاں جہاں ان کا ذکر ہوا ان آیات کا احاطہ کرنے میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے بہت بنیادی کام کیا ہے اور قصص القرآن کی تفصیل اور متعلقہ مباحث کی تکمیل میں دیوبند کے مشہور عالم مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بنیادی خدمت سر انجام دی ہے۔ حیدر آباد دکن کے مولانا محمد عبد الرحمٰن نے ہدایت کے چراغ نام سے انبیاء کرام کی تاریخ دو جلدوں میں مکمل کی ہے۔ انبیاء کی عقیدت و محبت میں یہ وہ کارنامہ ہے جو علماء کا کوئی اور گروہ اس علمی اور تحقیقی پیرائے میں آگے نہیں لا سکا ہے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

راقم الحروف انبیاء کرام کے ان طویل وقائع کو اس مختصر پیرایہ میں صرف طلبہ کی مدد کے لیے پیش کر رہا ہے۔ تاکہ قرآن کریم میں ذکر کیے گئے ان انبیاء کرام کا تاریخی تعارف ہر وقت اُن کے ذہن میں رہے۔ ان کے ساتھ وہ ان قوموں کو بھی پہچانیں جن کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات

پر آیا ہے۔

کالجوں کے اساتذہ اگر انبیاء کے ان وقائع حیات اور اُمم بائدہ و سالفہ کے اہم واقعات پر تنقیدی سوالات مرتب کرتے رہیں تو طلبہ کو قرآن کریم کے ان اہم تاریخی ابواب کو یاد کرنے اور ان سے عبر و نصائح اخذ کرنے میں بڑے قیمتی مواقع ملیں گے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

سوالات کے چند نمونے

۱) حضرت ابراہیمؑ سے بنو اسمٰعیل اور بنو اسرائیل کے دو سلسلے چلے حضرت شعیب علیہ السلام کن میں سے تھے؟

۲) حضرت موسیٰؑ کو نبوت مصر میں ملی تھی یا اس وقت جب وہ حضرت شعیب کے ہاں مقیم تھے؟

۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کے بارے میں فرمایا۔ انما فتنٰہ (پ۲۳ ص) یہ آزمائش کیا تھی؟

۴) حضرت نوحؑ کے وقت جو طوفان آیا وہ کس کس علاقے پر محیط رہا۔ کیا وہ عالمگیر تھا؟

۵) حضرت ابراہیم جب حضرت اسمٰعیل کو ذبح کے لیے لے گئے تو کیا انہیں علم تھا کہ اسمٰعیل ان کے ساتھ زندہ آئیں گے؟ اگر علم ہو تو کیا اسے آزمائش کہا جائے گا یا ڈرامہ؟

۶) فلسطین بنو اسرائیل کا وطن تھا پھر مصر میں بنو اسرائیل کیسے جا آباد ہوئے؟

۷) حضرت آدم اور حضرت حوا جب شجرۂ ممنوعہ کے پاس جا رہے تھے تو کیا انہیں علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہوا ہے؟

۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں وہ کون تھا جو علم کتاب رکھتا تھا اور تختِ بلقیس کو آنکھ جھپکنے میں ملک سبا سے لے آیا تھا؟

۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے مقابلے میں آئے تو جب جادوگروں نے رسیاں پھینکیں حضرت موسےٰ اپنے جی میں کیوں ڈرے معلوم ہوئے؟

۱۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے تو انہیں یہاں آکر کیا علم نہ ہو جائے گا کہ کچھ لوگوں نے انہیں خدا کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ پھر قیامت کے دن کیا وہ اپنے اس علم کی نفی کریں گے؟

مؤلف عفا اللہ عنہ

قرآن کریم میں مذکور انبیائے کرام

حضرت آدم علیہ السلام

آپ پہلے پیغمبر ہیں اور جملہ بنی نوع انسان ان کی اولاد ہیں۔ آپ کی تخلیق اور حضرت حوا کی ملاء اعلیٰ میں ہوئی اور جنت میں دونوں رہتے تھے۔ ارادہ الٰہی پہلے سے تھا کہ آدم زمین پر بسے گا اور اللہ کی نیابت میں باقی ساری مخلوقات پر حکومت کرے گا۔ آپ کا زمین پر آنا بطور سزا نہیں پہلے سے ارادہ الٰہی یہی تھا۔ گو زمین پر اترنے کو اس واقعہ کے متصل بعد رکھا گیا[1] آسمانوں پر آپ سے جو لغزش ہوئی توبہ سے وہیں اس کی معافی ہو گئی اور آپ کو زمین پر اُترتے بشارت دے دی گئی کہ آپ پر اور آپ کی نسل پر اللہ کی ہدایت اُترا کرے گی۔

قرآن کریم میں پہلے پارے میں آپ کے مقصد تخلیق کا ذکر ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفة

پھر سورۂ اعراف۔ الحجر۔ بنی اسرائیل اور سورۂ طٰہٰ اور ص میں آپ کے کچھ واقعات کا ذکر ہے۔

اس اشرف المخلوقات کے آگے آسمانی مخلوق بھی زیر ہوئی۔ علماً بھی اور عملاً بھی — علماً اس وقت جب آدم علم اسماء پا چکے تھے اور فرشتے اس کے جواب میں لاجواب ہوئے — اور عملاً اس وقت جب فرشتوں کو آدم کے تعظیمی سجدہ کا حکم ہوا۔

ابلیس کے انکار سجدہ سے تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ شر جو پہلے دبا ہوا تھا اب کھل کر سامنے آیا اور یہ دنیا خیر و شر کے معرکے کا میدان بنی۔ ابلیس گو فرشتہ نہ تھا مگر فرشتوں میں رہنے کے باعث وہ بھی سجدہ کے امر الٰہی میں مخاطب تھا۔

حضرت آدم کی لغزش اور خطاء انسان کے آگے توبہ کا دروازہ کھلا۔ گناہ کس طرح دُھلتے ہیں یا دھوئے جا سکتے ہیں اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا۔ اصول دین کا یہ سب سے اہم مسئلہ آدم کے زمین پر آنے سے پہلے ہی واضح ہو گیا۔ اسلام میں یہی راہ نجات ہے۔

آدم علیہ السلام کی اولاد میں بہن بھائی رہی تھے جو جُڑواں پیدا ہوئے. پہلے اور بعد میں پیدا ہونے والوں سے نکاح بہن بھائی کا نکاح نہ سمجھا جاتا تھا۔ اولادِ آدم اسی طرح آگے پھیلتی رہی۔

معاشرت کا سب سے اہم باب خاوند بیوی کا رشتہ ہے. اللہ تعالیٰ نے گو حضرت حواء سے آدم کو کثیر اولاد بخشی مگر بیوی کا مقصد وجود اولاد نہیں خاوند کا سکون قرار دیا. اولاد کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں مگر مرد کو عورت سے سکون ہر حال میں ملنا چاہیئے. جو بیوی مرد کو سکون نہ دے سکی اس نے اپنا مقصد وجود نہ پایا. اسی طرح بیوی کی تمام ذمہ داریاں خاوند پہ آئیں اور وہ ہمیشہ اس کے مسکن اور نان و نفقہ کا ذمہ دار رہے. قرآن کریم میں حضرت حواء کا مقصد وجود بایں طور ذکر کیا گیا ہے۔

هو الذی خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن اليها

(پ۹ الاعراف ۱۸۹)

ترجمہ. وہ ہے جس نے تمہیں ایک جی سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی تا وہ اس سے سکون پکڑے۔

خیر اور شر کا پہلا معرکہ حضرت آدم اور ابلیس میں قائم ہوا. ابلیس نے مہلت مانگی وہ بھی اس کو دی گئی. اس نے پھر اولادِ آدم پر محنت کی اور قابیل کو اپنے ساتھ لگالیا. حق اور باطل کا دوسرا معرکہ ہابیل اور قابیل میں ہوا اور اس کے بعد شیاطین جنات کے سوا انسانوں میں سے بھی ہونے لگے. اسی نقطے سے زندگی کا آغاز ہوا تھا اور اسی پر قرآن کریم ختم ہوتا ہے. یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس۔

حضرت آدمؑ کی عمر، اولاد اور وفات

حضرت آدم کی عمر ۹۳۰ سال ہوئی. آپ ۱۳۰ سال کے تھے جب آپ کے بیٹے حضرت شیث

علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ اس پوری دُنیا کے آدم ثانی سمجھے جاتے ہیں۔ طوفان نوح کے بعد دنیا انہی کی اولاد سے آباد ہوئی جس طرح آدم علیہ السلام پہلے نبی ہوئے یہ پہلے رسول ہیں جنہیں دوسروں کی طرف بھیجا گیا۔ (شفاعت کے لیے آپ کو اس عنوان سے توجہ دلائیں گے۔ یانوح انت اول الرسل الی الارض۔ صحیح مسلم جلد ۲ صـ)

آپ کا نسب نو پشت کے بعد حضرت آدم سے مل جاتا ہے جس طرح حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب نو پشت بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے متصل ہو جاتا ہے۔

آپ ان پیغمبروں میں پہلے ہیں جن کے نام کی سورتیں قرآن پاک میں ہیں مگر ان کی ترتیب میں آپ کے نام کی سورت سب سے آخر میں ہے ۱۔ سورۂ یونس۔ ۲۔ سورۂ ہود۔ ۳۔ سورۂ یوسف۔ ۴۔ سورۂ ابراہیم۔ ۵۔ سورۂ محمد۔ ۶۔ سورۂ نوح۔

حضرت نوح علیہ السلام کے حالات واقعات سورۂ اعراف، ہود، مومنون، شعراء، قمر اور سورۂ نوح میں زیادہ تفصیل سے ملتے ہیں۔ حضرت آدم اور حضرت نوح کے مابین بڑے بڑے بزرگ بھی ہوئے جن میں حضرت ودّ۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق اور نسر رحمہم اللہ تعالیٰ سرفہرست ہیں (بخاری صـ ۲) شیطان کے شاگردوں نے ان کے نام پر بت بنا کر اپنے نفع ونقصان کے لیے ان کے آگے جھکنا شروع کر دیا تھا۔ سو دنیا میں شرک کی ابتداء اس سے ہوئی کہ شیطان فطرت لوگوں نے بزرگوں کی قبروں کو عبادت کی جگہ بنا رکھا تھا۔ بت پرستی قبر پرستی سے شروع ہوئی ہے۔ (شامی جلد ا صـ)

حضرت نوحؑ کی تبلیغ

آپ نے اپنی قوم کو دن رات خدا کی طرف بلایا۔ مگر وہ اسی رفتار سے پیچھے ہٹتے رہے یہاں تک کہ حضرت نوح کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی بتلا دیا کہ جتنے لوگوں نے آپ پر ایمان لانا تھا لا چکے۔ اللہ رب العزت نے پہلے ہی ایک زبردست عذاب کی خبر دے رکھی تھی مگر آپ پر پہلے اللہ کے نام کی آواز لگانی ضروری تھی۔

انا ارسلنا نوحاً الیٰ قومہ ان انذر قومک من قبل ان یاتیھم عذابٌ الیم

ترجمہ ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب اُترے۔

حضرت نوحؑ انہیں خدا کی پکڑ سے ڈراتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا:-

واوحی الیٰ نوح انہ لن یومن من قومک الامن قد اٰمن (پ۱۲ ہود ۳۶)

ترجمہ۔ اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے اب کوئی ایمان لانے والا نہیں مگر وہی جو ایمان لا چکے۔

طوفانِ نوحؑ

یہ طوفان اس لحاظ سے تو عالمی تھا کہ جہاں جہاں اولادِ آدم آباد ہے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے لیکن اس وقت اولادِ آدم کا اتنا وسیع پھیلاؤ نہ تھا کہ کینیڈا اور نیوزی لینڈ تک پہنچ گئی ہو۔ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ یہ طوفان عام معنی میں عالمی نہ تھا۔ گو تمام عالم انسانی کو محیط تھا۔ مولانا ابو نصر احمد حسین بھوپالی نے تاریخ الادب الہندی میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور نوح علیہ السلام کو لکھا ہے "تمام نسل انسانی کا جد اعلیٰ"

جب کشتی کوہِ جودی پر آ لگی

سورہ ہود ع ۴ میں کشتی کے کوہِ جودی پر ٹھہر جانے کا ذکر ہے یعنی کشتی یہاں تھی جب پانی اُترنا شروع ہوا اور سمندر پھر سے بھر گئے۔ دجلہ اور فرات کے درمیان یہ کوئی اس وقت کا پہاڑ ہوگا۔ تورات کے مطابق یہ کوہِ ارارا طکے پاس کی ایک جگہ ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں وہاں ایک معبد رہا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ۹۵۰ سال تبلیغ کی (سورۃ العنکبوت) آپ پھر بھی ہمت

نہ ہارتے اگر آپ تک یہ الٰہی بات نہ پہنچتی کہ اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں رہا۔

بنی نوع انسان کے لیے اسباق عبرت

آپ کے وقائع حیات سے بنی نوع انسان کو یہ عبرت آموز سبق ملتے ہیں:۔

(۱) باپ بیٹے اپنے اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔ باپ کی بزرگی بیٹے کے لیے لازم نہیں اللہ کے ہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔

(۲) انبیاء کرام بے شک ہر وقت خدا کے رنگ سے رنگین ہیں۔ مگر اس کے ساتھ وہ بشری تقاضوں سے (جیسے اولاد کی محبت اور اُن کی عاقبت کی خواہش) بے تعلق نہیں ہوتے۔ پھر جب خدا کی بات سامنے آجاتی ہے تو پھر ان کا ہر تقاضا بدل جاتا ہے۔

(۳) اصل دار الجزاء آخرت ہے مگر کبھی یہاں دنیا میں بھی بدعملیوں کی سزا مل جاتی ہے اور اس سے آخرت کی سزا کبھی منتفی نہیں ہوتی۔

(۴) طوفان سے بچنے کے لیے کشتی بنانا توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ رب العزت کا فطری قانون ترک اسباب کی تعلیم نہیں دیتا۔

حضرت ادریس علیہ السلام

ان کے زمانے میں بہت اختلاف ہے۔ بعض لوگ ان کا دور حضرت نوح سے پہلے کا بتاتے ہیں قرآن پاک نے انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ذکر کیا ہے:۔

واسمٰعیل وادریس وذا الکفل کل من الصابرین۔ (پ۱۷ انبیاء۔۸۵)

لیکن واؤ کا ترتیب کے لیے ہونا بھی ضروری نہیں۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا آپ قرآن کریم میں ادریس کو یاد کریں:۔

واذکر فی الکتاب ادریس انہ کان صدیقا نبیا ورفعناہ مکانا علیا (پ۱۶ مریم ۵۶)

یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ قرآن کریم میں کہیں اور حضرت ادریس کا ذکر ضرور ہے اسے دیکھ لیں۔

عبرانی میں حضرت ادریس کا نام اخنوع یا حنوک ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ واقعی حضرت نوح سے پہلے گزرے ہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں :۔

ویذکر عن ابن مسعود و ابن عباس ان الیاس ھو ادریس۔[1]

امام بخاری نے اس پر یہ حدیث پیش کی ہے کہ معراج کی رات حضرت ادریس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبًا بالنبی الصالح والاخ الصالح کہا ابن الصالح نہ کہا سو یہ کوئی حضرت نوح سے پہلے کی شخصیت ہوتے تو حضورؐ کو الابن الصالح کہہ کر ذکر کرتے۔

آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے طلبہ جمع کیے اور سب سے پہلے ایک مدرسہ کی شکل قائم کی اور ان طلبہ کو دنیا میں صحیح طریق سے رہنے کے اصول و قواعد سکھائے۔ آپ کے شاگردوں نے پھر آگے شہر بسائے اور بستیاں آباد کیں۔ حضرت الیاس کا ذکر جس طرح قرآن کریم میں ملتا ہے۔ اس سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ آپ حضرت ادریس کے علاوہ کوئی اور شخصیت ہیں اس کا ذکر ہم حضرت الیاس کے ذکر میں کریں گے۔

حضرت ادریسؑ کا رفع آسمانی

قرآن کریم میں ہے ہم نے ادریس کو اونچی جگہ اٹھا لیا :۔

واذکر فی الکتاب ادریس انه کان صدیقًا نبیًا و رفعناہ مکانًا علیًا۔ (مریم)

ترجمہ۔ اور یاد کرو ادریس کو قرآن میں بے شک وہ ایک صدیق نبی تھے اور ہم نے ان کو ایک اونچی جگہ اٹھا لیا۔

تورات سفر پیدائش میں ہے :۔

اور حنوک عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اور غائب ہو گیا۔ اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا۔[2]

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۷۰ [2] آیت ۲۱-۲۴

غائب کون ہوتا ہے؟ دفن ہونے والا یا جس کا نشان بھی دکھائی نہ دے؟ یہاں رفعناہ مکاناً علیاً سے رفع جسمانی مراد ہے۔ صرف اس صورت میں کوئی دنیا والوں سے کلیۃً غائب ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم نے ان کے لیے لفظ رفع بڑی صراحت سے ذکر فرمایا ہے۔ رفع روحانی حقیقت ہے یا مجاز؟ خود فیصلہ کیجئے۔ حقیقی معنی مراد لینا جب تک متعذر نہ ہو مجاز کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

حافظ ابن جریر طبری کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کا مطلب حضرت کعب احبارؓ سے دریافت کیا۔ وہ سمجھنا چاہتے تھے کہ تاریخ بنی اسرائیل میں اس سے کیا مراد لی گئی ہے۔ آپ نے جو جواب دیا اس سے پتہ چلا کہ پہلے بھی اس سے رفع جسمانی ہی مراد لیا جاتا رہا ہے۔ کعب احبارؓ کے بیان کے مطابق حضرت ادریس کی روح جو تھے آسمان پر قبض کی گئی تھی۔ اور وہ اس وقت ایک فرشتے کے کندھوں پر تھے۔ آپ ۸۲ سال کی عمر میں اُوپر اٹھائے گئے۔

آپ ۸۲ سال کی عمر اُوپر اٹھائے گئے۔ ہم حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع جسمانی پہ صرف اس روایت سے استدلال نہیں کر رہے اس کی سند میں کلام ہے۔ ہم اس روایت سے قرآن کریم کی اس آیت کا مطلب سمجھنے میں مدد لے رہے ہیں۔ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو اسرائیلیات میں شمار کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ بھی جسمانی طور پہ اُوپر اٹھائے گئے مگر ان کی وہاں وفات نہیں ہوئی۔ نزول فرمانے کے بعد کچھ عرصہ زمین پر زندہ رہیں گے اور یہیں ان کی وفات ہوگی اور پھر آپ مدینہ طیبہ کے گنبدِ خضریٰ میں دفن کیے جائیں گے۔

آپ کس علاقے میں بھیجے گئے؟

اس میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ ۱۔ مصر ۲۔ بابل۔ علامہ شہرستانی کہتے ہیں آپ نے حضرت شیث علیہ السلام سے تعلیم پائی۔ اس صورت میں ان کا وجود حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے

ماننا پڑتا ہے۔ آپ کے بابل سے مصر ہجرت کرنے کی روایت بھی ملتی ہے۔

یہ روایت بھی ملتی ہے کہ آپ بہتر زبانیں جانتے تھے۔ تمدن کی یہ ترقی اور نسل انسان کا یہ پھیلاؤ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے وجود میں آچکا تھا۔ یہ بات بآسانی باور نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کے بہت بعد کا ہے۔ مرزا غلام احمد نے انہیں بالکل دورِ آخر میں لاکھڑا کیا ہے۔ وہ توضیح مرام میں لکھتا ہے "یوحنا جس کا نام ایلیا اور ادریس بھی ہے" اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کے بارے میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ آپ علمِ نجوم کے بھی ماہر تھے۔ نجوم کے ماہر کو عبرانی میں ہرمس کہتے ہیں۔ آپ کے ناموں میں یہ نام بھی ملتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم اٹھایا اور اس سے لکھا۔ ایسی صورتحال تبھی تسلیم کی جا سکتی ہے کہ آپ کا دور حضرت نوح کے بعد کا ہو — ایک روایت میں ہے حضورؐ سے علمِ رمل کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ علم ایک نبی کو دیا گیا تھا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رمل کے کلمات ادا کیے۔ آنحضرتؐ نے معراج کی ان سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی تھی۔[1]

اگر آپ جیسا کہ امام بخاری کا خیال ہے حضرت الیاس ہی ہیں اور یہ دو نام ایک ہی شخصیت کے ہیں تو آپ یقیناً حضرت نوح کے بعد کی شخصیت ہیں۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کا پہلا رسول ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے اور حضرت الیاس علیہ السلام کا رسول ہونا قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے :-

وان الیاس لمن المرسلین ۔ (پ ۲۳، الصافات)

---

[1] البدایہ جلد ۱ صـ ۹۹

حضرت ہُود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف بھیجے گئے۔ عاد عرب کے قدیم لوگ تھے۔ انہی سے اُمم سامیہ دُنیا میں پھیلیں۔ یہ اپنے وقت کے ایک بڑی قوت والی اور مقتدر قوم تھے۔ پُرانے عہد نامے میں عرب کی قدیم اقوام کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس لیے علماء تورات لسبا امقات اس قوم کا لسبا امقات انکار کر دیتے ہیں۔ عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ دونوں سامی قومیں تھیں۔ سام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا۔ عاد کا ذکر قرآن کریم میں نو سورتوں میں آیا ہے اور حضرت ہود جو ان کی طرف بھیجے گئے ان کا ذکر قرآن کریم میں سات جگہ ملتا ہے۔

عرب کی قدیم قوم بنو سام اور عاد اولیٰ ایک ہی قوم ہے۔ قوم عاد کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے کا ذکر ہے۔ یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قائم ہوئی۔ حضرت ہُود نے انہیں کہا :-

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بصطۃ۔

(پ ۹ ، الاعراف ۶۹)

ترجمہ۔ تم یاد کرو جب خدا نے تمہیں قوم نوح کے بعد انکا وارث کیا۔

ان کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا۔ یہ حضرموت کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں عمان ہے اور شمال میں ربع الخالی ــــ یہ لوگ بُت پرست تھے جو انہوں نے بزرگوں کی یاد میں ان کے نام پر بنا رکھے تھے۔ ہود۔ ہتار اور صدا ان کے بُت تھے اور یہ ان کے معبود تھے ان کا تصور رسالت یہ تھا کہ رسول انسانوں میں سے نہیں ہو سکتا۔ وہ کوئی مافوق الفطرت مخلوق ہو۔ ہم اپنے جیسے انسان کو کیسے نبی مان لیں۔

جس طرح حضرت نوح کی قوم طوفان میں غرق ہوئی اس قوم پر بھی حضرت ہود کی نافرمانی کے باعث تند و تیز ہوا کے طوفان اُٹھے اور ان کی سب آبادیاں تہ و بالا کر دی تھیں۔

علماء تاریخ کے حضرت ہود علیہ السلام کی وفات اور قبر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ حضرموت کی وادی برہوت میں۔ ۲۔ حضرموت کے قریب کثیب احمر پر۔ ۳۔ فلسطین میں۔

یہ فلسطین کی روایت اہل کتاب کی اختراع معلوم ہوتی ہے جو اس علاقے کے کے باہر کسی اور زمین کو ارض انبیاء ماننے کے لیے تیار نہیں۔ عرب بائدہ کی اقوام عاد۔ ثمود طسم اور جدیس کا ان کے ہاں کوئی تاریخی تذکرہ نہیں ہے۔

باغ ارم جو ستونوں پر لگایا گیا تھا قوم عاد کا شاہکار تھا اور وہ لوگ اپنے دور میں ترقی کی انتہا پر تھے

حضرت صالح علیہ السلام

قوم عاد کی تباہی کے بعد ثمود کو عروج ملا۔ قرآن کریم میں قوم ثمود کا ذکر نو مقامات پر ملتا ہے۔ حضرت صالح بن عبید بن جابر اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے یہ بھی سامی اقوام میں سے تھے حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ ان کا مسکن تھا اسے فج الناقہ بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر ان میں بستیاں بنائی تھیں حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں کہا۔

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد و بوأکم فی الارض تتخذون من سھولھا قصورا و تنحتون الجبال بیوتا۔ (پ ۸ الاعراف ۷۴)

ترجمہ۔ اور یاد کرو جب کہ تمہیں قوم عاد کے بعد سردار کر دیا اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں، تم بناتے ہو نرم زمین میں اونچے مکانات اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر۔

عقائد میں یہ قوم بھی عاد کے نقش قدم پر چلے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا بھی عقیدہ تھا کہ بشریت اور رسالت جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہی کوئی رسول ہو جائے۔

أألقی علیه الذکر من بیننا۔ (پ ۲۷ القمر) کیا ہم میں سے اس پر اتارا گیا ہے ذکر

أبشرًا منا واحدًا نتبعه انا اذًا لفی ضلالٍ وسعرٍ أالقی الذکر علیه
من بیننا. (پ۲۷، القمر ۲۵)

ثمود کا صالح علیہ السلام سے نشان مانگنا

قوم عاد نے تو پہلے ہی عذاب مانگا تھا اگر ہود انہیں ساری اقوام میں سے ہیں۔ لیکن قوم ثمود نے پہلے ان سے صالح علیہ السلام سے ان کی صداقت کا نشان مانگا۔

ما انت الا بشر مثلنا فأت بایۃ ان کنت من الصادقین. قال ھذہ
ناقۃ لھا شرب ولکم شرب یوم معلوم. (پ۱۹، الشعراء ۱۵۵)

ترجمہ۔ تو ہماری ہی طرح کا ایک انسان ہے کوئی نشان دکھا اگر تو سچوں میں سے ہے اس نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پینے کا اور ایک دن تمہارے پینے کا۔

یہ اونٹنی اس طرح نر اور مادہ سے پیدا نہ ہوئی جس طرح اور جانور پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی پیدائش ایک پہاڑ سے ہوئی اور یہ خدا کی قدرت کا نشان تھی۔ جب پانی پر آتی سارا تالاب پی جاتی دوسرے سب حیوانات اس سے ڈرتے تھے۔

اس نشان دکھانے پر قوم پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ کوئی شخص اس اونٹنی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ ان میں سب سے بدبخت وہ تھا جس نے ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پھر اس قوم پر عذاب اترا۔ تیسرے دن ایک چیخ نے ان سب کو آلیا۔ جہاں پڑے تھے وہیں دھرے کے دھرے مرے۔

فکلًا اخذنا بذنبہ فمنھم من ارسلنا علیہ حاصبًا ومنھم من اخذتہ
الصیحۃ ومنھم من خسفنا بہ الارض ومنھم من اغرقنا (پ العنکبوت ۴۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہتے ہیں اور تمام بنی نوع انسان ان کی اولاد ہیں اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے بعد کے تمام انبیاء علیہم السلام کی جدّ ہیں۔ آپ کے بعد جو نبی بھی آیا آپ کی اولاد میں سے آیا۔

ولقد ارسلنا نوحًا وابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب (پ۲۷ الحدید ۲۶)

ترجمہ۔ اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسالت دی اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی ہی اولاد میں رکھی۔

پرانے عہد نامے میں آپ کے والد کا نام تارح بتایا گیا ہے اور قرآن کریم میں اسے آزر سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تارح ایک بڑا پجاری تھا۔ کالدی زبان میں آدار بڑے پجاری کو کہتے ہیں یہی لفظ ذرا بدل کر آزر ہو گیا۔ تارح اس کا اصل نام تھا اور آزر وصفی نام زیادہ معروف ہوا۔

چچا کو بھی عربی میں اب کہہ دیتے ہیں حضرت یعقوب علیہم السلام کے بیٹوں نے حضرت یعقوب کے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کے آباء میں شمار کیا ہے۔

قالوا نعبد الٰھک والہ اٰباءک ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق الٰھًا واحدًا۔

(پ البقرہ ۱۳۳)

حضرت ابراہیم حضرت نوح کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں۔ نویں پشت میں آپ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ قرآن کریم کی سورۃ ابراہیم مکی سورت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ حضرت ابراہیم مکہ مکرمہ میں آئے اور آپ نے وہاں اپنی اولاد بسائی۔ وہیں اللہ کا گھر بیت اللہ شریف تھا اور وہیں حضرت ابراہیم نے حج کی آواز لگائی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی بیت اللہ شریف کا حج ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی کہ اے اللہ کچھ لوگوں کے دل اس گھر کی طرف پھیر دے۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم. ربنا
لیقیموا الصلوٰة فاجعل افئدۃً من الناس تھوی الیھم. (پ۱۳ ابراہیم ۳۷)
ترجمہ۔ اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایسے میدان میں لابسائی ہے جہاں
کھیتی نہیں، تیرے عزت والے گھر کے پاس۔ اے رب ہمارے اس لیے کہ
وہ نماز قائم کریں۔ سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں یہ دعا کر رہے تھے اگر وہاں حضرت ابراہیم بانی کعبہ کی حیثیت میں معروف نہ ہوتے تو سننے والوں کے ذہن میں یہ سوال کیوں نہ اُٹھا جو سالہا سال بعد مستشرق اسپنگر Spenger کو جس نے الاصابہ کا مقدمہ لکھا ہے اس طرح یاد آیا:-

اسپنگر نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں ایک عرصہ تک حضرت ابراہیم کی شخصیت
کعبہ کے بانی اور دینِ حنیف کے ہادی کی حیثیت سے روشنی میں نہیں آئی البتہ
عرصہ دراز کے بعد ان کی شخصیت کو ان صفات کے ساتھ متصف ظاہر کیا گیا۔[۱]

اس کے جواب میں ہم یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکہ میں آنے اور وہاں اپنی اولاد کے بسانے کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی میں ہی کر دیا تھا اور یہ عام شہرت کہ حضرت ابراہیم ہی بانی کعبہ ہیں کسی اندھیرے میں نہ تھی۔

حضرت ابراہیم سے دو سلسلے چلے۔ بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل ـــ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ جو حضرت ابراہیم کے پوتے اور حضرت اسحٰق کے بیٹے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے عرب آباد ہوا۔ ان دونوں سلسلوں کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم تھے۔ ان کا اپنا وطن عراق کے قصبہ اُور میں تھا۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

عرب میں اگر حضرت ابراہیم آئے ہوتے تو قرآن کریم عرب قوم کے متعلق یہ کیوں کہتا:-

لتنذر قومًا ما اتاھم من نذیر من قبلك . (پ۲۰ القصص ۴۶)

اس آیت کا اگر یہ مطلب ہوتا کہ سرزمین عرب میں واقعی حضورؐ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا تو اسی قرآن میں سورۂ ابراہیم سورۂ انعام . اور سورۂ النمل میں حضرت اسمٰعیل کے عربی نبی ہونے کی شہادتیں کیوں ملتی ہیں . سو آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہوگا کہ مدتوں ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا . بنو اسرائیل پر بھی تو آخر ایک دور فترت کا گزرا ہے . قرآن کریم میں پچیس سُورتوں میں اور ترسٹھ آیات میں حضرت ابراہیم کا ذکر موجود ہے .

حضرت ابراہیمؑ کے دو مناظرے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے ساتھ بھی مناظرہ کیا . اور حاکم وقت نمرود کے ساتھ بھی جو خدا ہونے کا مدعی تھا مناظرہ کیا . حضرت ابراہیم کے معجزات میں آگ کا ان کے پاؤں تلے گلزار ہو جانا بہت معروف ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ احیاء کا چہرہ بھی بلا حجاب دیکھا جب آپ نے چار پرندوں کو ذبح کر کے اور ان کو ملا کر پہاڑ پر رکھ دیا . پھر آپ نے انہیں آواز دی اور وہ چل کر آپ کے پاس آئے .

دینِ ابراہیم کے کھلے امتیازات اور ملّتِ ابراہیمی کا قیام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کھلا تعارف ان تین باتوں میں ملتا ہے :-

(۱) توحیدِ خالص جس میں کوئی پیچیدگی نہیں اور اس میں کسی تاویل کو راہ نہیں .

(۲) ہجرت . دین کی خاطر گھر بار کو چھوڑ نکلنا جب باپ نے آپ کو گھر سے نکالا تو آپ نکل کھڑے ہوئے .

(۳) قربانی میں انسانی جان کی پیش کش یہی وہ جذبہ ہے جس نے بالآخر جہاد کا نام پایا . آنحضرت خاتم النبیین بھی آپ کی ملت پر تھے کہ توحیدِ خالص . ہجرت اور جہاد کے علمبردار رہے . عیسائی اقوام آپ کی ملت پر نہیں نہ ان کی توحید خالص رہی . نہ ان میں جہاد اور قربانی کے آثار موجود ہیں . یہود بھی

ملتِ ابراہیمی پر نہیں کہ بطورِ مشنری ان کی دین کی دعوت آفاقی نہیں وہ نسلی حدود میں کھو کر رہ گئے۔

شعائرِ اسلامی میں حج، عیدالاضحیٰ، دس ذوالحجہ کی قربانی اور عالمی تبلیغ حق مسلمانوں کے ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے کھلے نشان ہیں۔ اور غور سے دیکھا جائے تو آج اس امتِ مسلمہ کے سوا اور کوئی امت ملتِ ابراہیمی پر نہیں رہی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفوں کا نزول

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تورات زبور اور انجیل اتریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی صحیفے اترے تھے۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیئے گئے صحیفوں کا ذکر موجود ہے۔ اس امتِ مسلمہ کا تعلق اپنے نبی خاتم النبیینؐ کے بعد سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ درود شریف میں ان دونوں نبیوں کا ذکر کرتے ہیں اور دونوں کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔ مسلمانوں کے دو ہی بڑے تہوار ہیں۔ ۱۔عیدالفطر ۲۔عیدالاضحیٰ ــــ عیدالفطر وہ اپنے نبی کی امت کے طور پر اور عیدالاضحیٰ حضرت ابراہیم کی ملت ہونے کے احساس سے مناتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کے قصبہ فدّان آرم میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں سے آپ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ والد نے گھر سے نکل لینے کی دھمکی دی۔ آپ خود ہی نکل کھڑے ہوئے اور کہا میرا پروردگار خود ہی میرے لیے راستہ کھول دے گا۔ آپ دریائے فرات کے مغرب میں کلدانیوں کی بستی میں گئے۔ وہاں سے پھر حاران گئے۔ ان اسفار میں آپ کی بیوی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام ساتھ تھے۔ یہاں سے آپ فلسطین چلے آئے اور اس کے مغرب میں آباد ہوئے۔ ان دنوں یہاں کنعانی حکومت تھی کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد آپ نابلس چلے گئے اور وہاں سے مصر پہنچے اور ابھی آپ کا

سفر جاری تھا۔ مصر کے حکمران فرعون کہلاتے تھے۔ فرعون نے حضرت سارہ کو اپنے پاس روکنا چاہا۔ لیکن اس نے کچھ ایسے آثارِ غیبی دیکھے کہ اپنی بات چھوڑ دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مع ان کی بیوی سارہ کے جانے کی اجازت دی۔

پُرانے عہد نامہ میں یہ واقعہ یُوں لکھا ہے :-

پھر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان کو ابرام کی بیوی ساریٰ کے سبب بڑی مار دی۔ تب فرعون نے ابرام کو بُلا کر اس سے کہا کہ تُو نے مجھ سے یہ کیا کیا ـــ کیوں نہ جتایا کہ یہ میری جورو ہے۔ تُو نے کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے یہاں تک کہ میں نے اُسے اپنی جورو بنانے کے لیے لیا ـــ دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے اس کو لے اور چلا جا۔ [۱]

شاہِ مصر کو جب ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا احساس ہو گیا تو اس نے اپنی بیٹی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی تاکہ یہ سارہ کی خدمت کرے ـــ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت ہاجرہ لونڈی یعنی جاریہ تھیں ـــ نہیں اُن کے لیے اگر کہیں باندی کا لفظ ہے تو وہ صرف خدمت گزار کے معنی میں اور یہ صحیح ہے کہ شاہِ مصر نے اپنی بیٹی ہاجرہ آپ کو آپکی بی بی حضرت سارہ کی خدمت کے لیے دی تھی۔ حضرت سارہ کی عمر اس وقت ستّر کے قریب تھی۔

نوٹ :- مسیحی علماء اس پہ بڑا اصرار کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ اپنی اصل میں باندی تھیں۔ یہ درست نہیں ہے وہ شاہ مصر کی بیٹی تھیں اور ایک شاہی خاندان کی آزاد عورت تھیں۔ مولانا غلام رسول چڑیا کوٹیؒ نے اس پہ براہین باہرہ فی حریتہ ہاجرہ ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی ارض القرآن کی دوسری جلد میں اس پہ بحث کی ہے۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اس موضوع پہ مسیحی علماء کے دلائل خاصے کمزور ہیں۔

---

[۱] کتاب پیدائش باب ۱۲ آیت ۱۷-۲۰

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیویاں

توراۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک تیسری بیوی قطورہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اسی سے بنو قطورہ چلے۔ پرانے عہد نامہ کی کتاب پیدائش باب ۲۵ میں ہے کہ قطورہ کے بطن سے حضرت ابراہیم کے چھ بیٹے ہوئے ان میں ایک کا نام مدیان تھا جس کے نام سے اصحاب مدین چلے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں کا تصور عہد حاضر کے مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے کثرت ازدواج کی روایت حضرت ابراہیم سے پہلے سے چلی آ رہی ہے اور اس میں ہرگز کوئی عیب کا پہلو نہیں یہ صرف پرندوں اور درندوں میں چلا آ رہا ہے کہ ایک نر اور ایک مادہ کے جوڑے ہیں۔ ورنہ جو جانور اور حیوانات انسانوں سے مانوس ہیں ان چوپایوں میں آپ کو یہ پابندی کہیں نظر نہ آئے گی۔ انسان کی فطرت ان کے ہاں پلنے والے جانوروں اور مرغوں مرغیوں میں بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اپنی فطرت میں شروع سے دیگر حیوانات اور پرندوں سے کچھ مختلف چلا آ رہا ہے۔ پھر نبیوں کا اس پر عمل اس کی بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ ایک مرد کے لیے زیادہ بیویاں ہوں۔ اس میں ہرگز کوئی عیب کا پہلو نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام علم

ملت ابراہیمی کے مورث اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے آپ کا علمی مقام بہت اونچا تھا۔ چونکہ حضرت خاتم النبیینؐ جن کا امتیاز دائرۂ نبوت میں علم پہ ہوگا اور انما بعثت معلماً کا اعلان ہوگا۔ آپ کی اولاد میں ہونے والے تھے۔ اس لیے آپ کی حقائق اشیاء کے لیے جستجو فطری تھی۔ حضرت خاتم النبیینؐ کی دعا اللھم ارنی حقائق الاشیاء کما ھی اس نسبت کی ایک تاثیر تھا اور آپ کا یہ ذوق طلب بہت اونچا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر یقین رکھنے کے باوجود آپ کی طلب رب ارنی کیف تحی الموتیٰ آپ کے طبعی ذوق کا ایک سوال تھا۔ آپ علم الیقین اور عین الیقین کے بعد حق الیقین میں آنا چاہتے

تھے اسی کو آپ نے طمانیت قلبی بتایا۔

آپ کی قوتِ استدلال بہت اونچی تھی۔ اپنے والد کے سامنے جس طرح آپ نے بتوں کی عاجزی اور درماندگی ثابت کی اور اجرامِ فلکی کی پرستش کرنے پر ستاروں، چاند اور سورج کے بدلتے حالات سے استدلال کیا وہ اپنی مثال آپ ہے جو غروب ہوا مغلوب ہوا اور مغلوب محجوب ہوا اور یہ از خود ظاہر تھا کہ محجوب معبود نہیں ہو سکتا۔ نمرود حیات و ممات کا مسئلہ نہ سمجھ پایا اور دعوےٰ کیا انا احیي وامیت تو آپ نے اس کی ذہنی سطح پر مطلع ہونے کے بعد اس مضمون سے جس طرح ان اللہ یأتی بالشمس من المشرق کہہ کر فأت بھا من المغرب کا مطالبہ کیا تو نمرود کی شکست طشت از بام ہو گئی۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو علمی موضوعات قرآن کریم میں ذکر کیے ہیں ان کی روشنی میں اگر آپ کو علمِ مناظرہ کا امام مانا جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ لیکن یہ وہ مناظرات تھے جو دلوں کو نور بخشتے تھے ایسے نہیں جو آج کل ہوتے ہیں ان میں ظلمت و فتور کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ اہل باطل سے مناظرہ کرنا سنت انبیاء ہے اور کسی شخص کو علم کی اس لائن کا استخفاف روا نہیں۔ اللّٰھم صل علی محمدٍ و علی اٰل محمدٍ کما صلیت علی ابراھیم و علی اٰل ابراھیم انک حمیدٌ مجید۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے اور ایک بھتیجہ

حضرت لُوط علیہ السلام

حضرت لوط بن ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ حضرت ابراہیم پر سب سے پہلے آپ ایمان لائے اور آپ ہجرت میں بھی حضرت ابراہیم کے ساتھ رہے۔ حضرت لوط مصر میں حضرت ابراہیم کے ساتھ تھے۔ آپ وہاں سے ہجرت کر کے شرق اردن چلے آئے۔ آپ نے یہاں عامورہ اور سدوم کی بستیوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی روشنی میں اللہ کے نام کی آواز دیتے رہے۔ اردن کی ایک جانب اب بھی بحر لوط موجود ہے اسے بحر   بھی کہتے ہیں۔

سدوم میں ایک ایسی فاحش بُرائی پائی گئی جو شرفِ انسانی کے یکسر خلاف تھی. حضرت لوط نے انہیں اس سے منع کیا. اس کے جواب میں انہوں نے حضرت لوط کو وہاں سے نکالنے کی ٹھانی اور اُن کی پاکیزگی کو وہ اپنانے کے لیے تیار نہ ہوئے.

پ۲۷ سورۂ ذاریات میں ہے کہ پھر اس قوم پر عذاب آیا اور خدا کی طرف سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی. جو فرشتے ان پر عذاب اُتارنے کے لیے مامور ہوتے وہ وہاں جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھی ٹھہرے. یہیں وہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت ابراہیم نے اُن کے لیے ضیافت کا سامان کیا لیکن یہ فرشتے تھے کھانا نہ کھا سکے.

حضرت لوط علیہ السلام پر کوئی نئی شریعت نہ اُتری. آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت لے کر ہی ان اقوام کی طرف بھیجے گئے تھے. قرآن کریم میں سورۂ اعراف، سورۂ ہود. سورۃ العنکبوت. سورۃ الشعراء اور سورۃ الذاریات میں ان کا ذکر ملتا ہے.

فرشتے جب اُن پر عذاب اُتارنے کے لیے وہاں پہنچے تو حضرت لوط اپنے خاندان کے ساتھ وہاں سے نکل گئے. آپ کی بیوی گھر سے نکلنے پر آمادہ نہ ہوئی. ایک ہیبت ناک چیخ اُٹھی اور دیکھتے دیکھتے اس آبادی کو تہس نہس کر دیا گیا. اُوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی. یہ سارا قصہ پ سورۂ ہود میں ملتا ہے.

قوم کے انتہائی تمرد اور شدتِ مخالفت سے حضرت لوط علیہ السلام کی زبان سے یہ بات نکلی:

لو ان لی بکم قوۃً او اٰوی الیٰ رکن شدید. (پ۱۲ ہود ۸۰)

ترجمہ: کاش! مجھ میں تمہیں روکنے کی قوت ہوتی یا میں ٹھکانہ پا لیتا کسی زبردست پناہ گاہ میں.

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت لوط علیہ السلام خدا کی مدد سے بالکل نا امید ہو گئے تھے — جواب کسی پناہ گاہ کے سائے میں آنا چاہتے تھے؛ وہ پناہ گاہ اپنے قبیلے کی بھی ہو سکتی ہے. اور حقیقی پناہ گاہ تو اپنے پروردگار کی ذات ہے. آپ کے اس جملے کو ان الفاظ کے عام استعمال میں

ذلیں جس درجے کا آدمی ہو اس کے کلام کے معنی اس کی شخصیت کے مطابق اور مناسب ہونے چاہئیں کسی کی کوئی بات سُنو تو اچھے سے اچھے پیرایہ میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حضور خاتم النبیینؐ نے آپ کی اس صدا کے یہ معنی کیے کہ آپ کی زبردست قوت پناہ خود اللہ کی ذات تھی اور آپ اسی کے سایہ میں آنا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

یغفر اللہ للوط ان کان یأ دی الیٰ رکن شدید دھو ربہ وخالقہ[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ لوط کو بخشے وہ ایک بڑی پناہ آرہے تھے۔ رکن شدید ان کا رب اور خالق تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر وادیٔ خلیل میں ہے۔ آپ نے سال عمر پائی۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

آپ حضرت ابراہیم کی خاص دُعا کا ثمرہ ہیں۔ عبرانی میں ایل اللہ کو کہتے ہیں۔ اسمع (سُن لی) ایل (اللہ) نے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔ آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ کو فرشتے نے بشارت دی تھی کہ وہ بچّہ جنے گی۔ تورات میں ہے:۔

خداوند کے فرشتے نے اُسے کہا کہ تم حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اس کا نام اسمٰعیل رکھنا کہ خدا نے تیرا دکھ سن لیا ہے۔[2]

حضرت ہاجرہ کے بعد حضرت سارہ ہیں جنہیں بیٹے کی بشارت فرشتوں نے دی۔

پھر خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کہا

اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا اور اس کے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور اس کو بڑی قوم بناؤں گا۔[3]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۷۸ [2] کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت [3] ایضاً باب ۱۷ آیت ۲۰

اس پیرایہ بیان پر غور فرمائیں۔ اس کے پیش نظر کیا حضرت ہاجرہ کے باندی ہونے کا کیا ادنیٰ تصور بھی ہو سکتا ہے۔ کیا کبھی لونڈیوں سے بھی سردار پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو آبرومند کریں کیا اس کے بارے میں لونڈی کا بیٹا ہونے کا خیال کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی جگہ حضرت ہاجرہ کے لیے حضرت سارہ کی خادمہ ہونے کے الفاظ لکھیں تو اسے حضرت ابراہیم کا اعزاز سمجھیں شاہی خاندان کی ایک بیٹی ان کی اہلیہ کی خدمت کریں۔ پھر حضرت ہاجرہ کا مکہ مکرمہ ہجرت کر جانا اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ ان کی لونڈی ہرگز نہ تھیں۔ لونڈی ایک مستقل زندگی نہیں رکھتی جو حضرت ہاجرہ کو مکہ میں حاصل تھی۔ سید القوم خادمھم میں سرداری اور خدمت دونوں باتیں جمع ہیں اور یہاں کسی کے غلام ہونے کا تصور نہیں۔

حضرت ہاجرہ کی مکہ میں تشریف آوری

اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم حضرت ہاجرہ کو مکہ چھوڑ گئے۔ حضرت اسمٰعیل ان دنوں شیر خوار تھے۔ انہیں پیاس لگی تو ان کے لیے زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا۔ اس چشمہ کو دیکھ کر وہاں بنو جرہم آباد ہوئے۔ حضرت ہاجرہ نے ان میں حضرت اسمٰعیل کی شادی کی اور آپ اپنے معاملات طے کرنے میں پوری آزاد تھیں۔ کسی کی باندی نہ تھیں۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صدا ملاحظہ فرمائیں:-

ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرع عند بیتک المحرّم۔

(پ ۱۳ ابراہیم ۳۷)

ترجمہ۔ اے رب میں نے اپنی اولاد کو ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جہاں کچھ نہیں اُگتا تیرے حرمت گھر کے سامنے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں (مکہ میں) آنے جانے کا سلسلہ قائم رکھا یہاں تک کہ وہ واقعہ پیش آیا جب ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل کو اللہ کے حکم کے تحت ذبح کرنے

کے لیے لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم حضرت اسمٰعیل کے شامل حال ہوا اور وہ بغیر ذبح ہوئے ذبیح اللہ کی شان پا گئے۔ یہ واقعہ مکہ کے قریب منا میں پیش آیا۔ حضرت ابراہیم کو حضرت اسمٰعیل کو قربانی کے لیے لے جاتے وقت علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اسمٰعیل کو زندہ واپس بھیجیں گے۔ وہ علم غیب نہ رکھتے تھے۔ وہ واقعی انہیں قربانی کے لیے لے کر گئے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں نے کعبہ کی تعمیر کی

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل۔ (پ البقرہ ۱۲۷)

ترجمہ۔ اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ شریف کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے۔

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے ہوئے جن سے بارہ قبیلے بنے۔ ان میں زیادہ دو مشہور ہوئے ۱۔ نبایوت۔ ۲۔ قیدار۔۔۔ ان کی اولاد اصحاب الحجر اور اصحاب الرس کے نام سے بھی موسوم ہوئی۔۔۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم کی اولاد حضرت یعقوب بن اسحٰق سے چلی۔ حضرت یعقوب کے بھی بارہ بیٹے ہوئے جن میں دو حضرت یوسف اور بنیامین کی والدہ اور تھیں۔

حضرت اسمٰعیل رسول اور نبی تھے ۱۳۶ سال عمر پائی۔ حرم میں دفن ہوئے۔ ان کی والدہ کی قبر بھی حرم میں کسی جگہ ہے

حضرت اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب سو سال کی ہوئی تو حضرت سارہ کے ہاں حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔ جس طرح فرشتہ حضرت ہاجرہ کے پاس حاضر ہوا تھا فرشتے حضرت سارہ سے بھی ہمکلام ہوئے قرآن کریم میں پ۱۲ ہود، پ۱۴ الحجر، اور پ۲۶ الذاریات میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر موجود ہے۔ حضرت اسحٰق پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم نے آٹھویں دن ان کے ختنے کی سنت ادا کی۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسحٰق کی شادی اپنے خاندان میں کی۔ آپ کی بیوی کا نام رفقہ تھا۔ حضرت اسحٰق کے ہاں دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ عیسو اور یعقوب — اس وقت حضرت اسحٰق کی عمر ساٹھ سال تھی۔ حضرت یعقوب اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے اور عیسو اپنے چچا حضرت اسماعیل کے پاس چلے آئے۔ حضرت اسحٰق کے جانشین حضرت یعقوب ہوئے ان کا لقب اسرائیل تھا۔ یہیں سے بنو اسرائیل کا سلسلہ چلا۔

حضرت اسحٰق اور حضرت اسماعیل میں زیادہ تاریخی شرف کس کا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم کی دعا کا ثمرہ تھے اور آپ چودہ سال تک اپنے والد کے واحد اکیلے بیٹے رہے۔ خیر البقاع فی الارض (زمین کے سب سے بہترین قطعہ زمین) کی تولیت آپ نے پائی اور کعبہ کی بنیادیں اپنے والد کے اہتمام میں آپ نے ہی اُٹھائیں اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ ہونے کا شرف بھی آپ کے نام ہی رہا تاہم اس سے انکار نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے گھر کا چراغ حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام سے روشن ہوا۔

مسیحی علماء کہتے ہیں کہ قرآن میں حضرت اسحٰق کی بشارت بایں طور مذکور ہے کہ آپ نبی ہوں گے حضرت ابراہیم کو بیٹے کی خبر دی گئی جو نبی ہو گا اور حضرت ابراہیم کو جب اسماعیل کی بشارت دی گئی تو فرمایا فبشرناہ بغلام حلیم۔ ہم نے اسے ایک بُردبار لڑکے کی بشارت دی۔

دونوں بشارتوں میں فرق کی وجہ

جب اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کو اسماعیل کی بشارت دے رہے تھے تو علم الٰہی میں تھا کہ ایک وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ ابراہیم سے اسی بیٹے کی قربانی مانگیں گے اور وہ اسماعیل کا لڑکپن ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دی۔ یہ نہ بتلایا کہ وہ نبی ہو گا تاکہ قربانی کے

کے وقت حضرت ابراہیم کو یہ گمان نہ گزرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اس کے نبی ہونے کی خبر دے رکھی ہے۔ اس لیے لازماً یہ ایک محض امتحان ہے حقیقۃً اسمٰعیل ذبح نہ ہوگا نبوت کی عمر تک پہنچے گا۔ اس صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا حق ادا نہ ہوتا۔ یہ واقعہ محض ایک ڈرامہ ہو کر رہ جاتا۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی قربانی نہ مانگنی تھی۔ اس لیے پہلے سے بتا دیا گیا کہ یہ نبی ہو گا۔ ان کے بارے میں علم الٰہی میں کوئی ایسا درمیانی مرحلہ نہ تھا۔

حضرت موسیٰ پر بھی کوئی ایسا وقت نہ آنا تھا۔ اس لیے ان کی والدہ کو بھی پہلے سے بتا دیا گیا کہ یہ نبی ہو گا۔

انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین۔ (پ۲۰ القصص)

ترجمہ۔ بے شک ہم اسے تیری طرف پھیر دیں گے اور اسے پیغمبر بنائیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

تاریخ انبیاء میں حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ایک مرکزی حیثیت کے مالک ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام تمام سلسلہ بنی اسرائیل کے جد اعلیٰ شمار کیے گئے ہیں۔ انہی سے آگے بنو اسرائیل کے بارہ سلسلے چلے۔ حضرت یعقوب یہود کے نام سے اپنا نسلی امتیاز ظاہر کرتے آئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو جہنم کی آگ نہ چھو نہ پائے گی۔ ایسا اگر کہیں ہوا بھی تو چند دنوں کے سوا نہ ہوگا ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے مصاحب ہیں۔

لن تمسنا النار الا ایاما معدودات۔ (پ البقرہ ۸۰)

ترجمہ: ہمیں سوائے چند گنتی کے دنوں کے آگ نہ چھوئے گی۔

وقالت الیہود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ واحباءہ۔ (پ۶ المائدہ ۱۸)

ترجمہ۔ اور کہا یہودیوں اور نصرانیوں نے ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

اسرائیل آپ کا لقب تھا جس سے بنو اسرائیل معروف ہوئے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے دو بیٹے عیص اور یعقوب ایک والدہ سے تھے۔ ان کی والدہ کا نام ربقہ تھا۔ ماں کے زیادہ چہیتے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اور والد کی محبت عیص سے محبت تھی۔ عیص کا نام ادوم بھی ملتا ہے۔

دونوں بھائی وطن میں نہ رہے عیص اپنے چچا (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کے ہاں عرب چلے گئے تھے اور یعقوب اپنی والدہ کے اشارہ پر فدان آرام چلے آئے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کنعانیوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کا ذکر قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ملتا ہے لیکن زیادہ تر آپ دیگر انبیاء کے ساتھ عطفاً مذکور ہیں۔ چند مقامات پر آپ کا ذکر خصوصی پیرایہ میں کیا گیا ہے۔

(۱) آپ کی وصیت قرآن پاک میں اس طرح مذکور ہے۔

اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰھک والٰہ

اٰبآئک ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق الٰھاً واحدًا۔ (پ البقرہ ۱۳۳)

ترجمہ. حضرت یعقوب پر جب سفر آخرت کا وقت آیا. آپ نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا آپ کے خدا کی اور آپ کے آبا، حضرت ابراہیم. اسمٰعیل اور اسحٰق کے خدا کی اور سب کا خدا ایک ہی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت یعقوب کے علم کی بھی تعریف کی ہے:۔

وانہ لذو علم لما علمناہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون. (پ ۱۳ یوسف ۶۸)

ترجمہ. اور وہ ہمارے بتانے سے علم والا ہوا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں.

علم تعبیر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے مرتبہ سے کون آگاہ نہیں. لیکن خود حضرت یوسف کو اس خواب کی عام اشاعت سے روکنے والے کون ہیں؟ یہی حضرت یعقوب علیہ السلام. معلوم ہوتا ہے آپ پر بھی یہ باب علم پوری وسعت سے کھلا تھا.

(۳) جن پیغمبروں کو قرآن نے اولی الایدی والابصار کہا ہے ان میں آپ بھی ہیں:۔

واذکر عبادنا ابراھیم واسحٰق ویعقوب اولی الایدی والابصار. (پ ۲۳ ص ۴۵)

ترجمہ. اور یاد کریں ہمارے بندوں کو ابراہیم. اسحٰق اور یعقوب کو یہ سب ہاتھوں والے تھے اور آنکھوں والے تھے.

(۴) آپ ایک وسیع سلسلہ اولاد کے مورث اعلیٰ ہیں. قرآن کریم میں جن انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے آل کے ذکر سے مذکور کیا ہے ان میں آپ بھی ہیں جیسے آل ابراہیم. آل یعقوب.

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب بیٹے کے لیے دعا کی تو کہا تھا:۔

یرثنی ویرث من آل یعقوب. (پ ۱۶ ۲)

وعلیٰ آل یعقوب. (پ ۱۲ یوسف ۶)

ترجمہ. وہ میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو.

حضرت زکریا علیہ السلام کا بیٹا ساری آل یعقوب کا وارث کیسے ہو سکتا ہے. حضرت یعقوب کے تو خود اپنے بارہ بیٹے تھے؟ یہاں وراثت مالی مراد نہیں یہاں وراثت علمی مراد ہے اور انبیاء کی میراث

یہی ہوتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جب حضرت یوسف کے پاس مصر آتے تو آپ کے ساتھ کنبے کے ۷۲۔ افراد تھے۔

حضرت یعقوب کی ازواج و اولاد

حضرت یعقوب کے ماموں لابان کی دو بیٹیاں لیّہ اور راحیل آپ کے نکاح میں تھیں اور ان دونوں کی دو باندیاں زلفا اور بلہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ آپ کی ان سب سے اولاد ہوئی۔ آپ کی والدہ راحیل کو بہت چاہتی تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے۔ اس پس منظر میں ان دو پر آپ کی زیادہ نظر عنایت تھی۔

یہ تفصیلات قرآن پاک میں نہیں ہیں۔ البتہ قرآن پاک میں گیارہ ستاروں کو حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرتے بتلایا گیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بارہ بیٹے تھے اور ایک حضرت یوسف کا حقیقی بھائی تھا جسے آپ نے ایک تدبیر سے اپنے ہاں ٹھہرا لیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے وقائع حیات کا حضرت یوسف کے حالات سے علیحدہ ذکر بہت کم ملتا ہے۔ حضرت یوسف کے وقائع حیات کو قرآن کریم نے احسن القصص کہا ہے۔ سو نامناسب نہ ہوگا کہ ان سے متعلق باقی مباحث حضرت یوسف کے تذکرہ میں ذکر کیے جائیں۔ حضرت یعقوب کی اولاد میں آگے نبوت لاوی اور یہودا کی نسلوں میں چلی۔ حضرت یوسف کی اولاد میں آگے کوئی نبی نہ ہوا حضرت موسٰے و ہارون لاوی بن یعقوب کی اولاد میں سے تھے۔ اور حضرت داؤد اور سلیمان یہودا بن یعقوب کی اولاد میں سے۔ اس پر ہم حضرت یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ ختم کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

ولقد جآء کم یوسف من قبل بالبیّنٰت فما زلتم فی شکٍّ مما جآء کم بہ حتیٰ اذا ہلک قلتم لن یبعث اللّٰہ من بعدہٖ رسولًا کذٰلک یضل اللّٰہ من ہو مسرف مرتاب۔ (پ ۲۴ المؤمن ۳۴)

ترجمہ۔ اور بے شک تمہارے پاس یوسف بھی واضح دلیلوں کے ساتھ آئے پس تم
اس کے لائے پیغام میں شک میں ہی رہے جب ان کی وفات ہوئی تو تم نے کہا
اب ان کے بعد اللہ کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ اسی طرح گمراہ کرتا ہے ان لوگوں کو جو حد
سے بڑھنے والے ہیں شک کرنے والے

جس طرح حضرت ابراہیم سے ایک سلسلہ آرہا تھا اب وہ حضرت یوسف پر آکر رُک گیا حضرت ابراہیم حضرت اسحٰق حضرت یعقوب۔ حضرت یوسف یکے بعد دیگرے زیب رسالت ہوتے۔ مگر حضرت یوسف کی اولاد میں یہ سلسلہ آگے نہ چلا۔ اب جو لوگوں نے کہا کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو رسول نہ بنائیں گے۔ اس سے مراد خاص حضرت یوسف کی اولاد میں رسالت کی نفی تھی۔ یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت یوسف کو خاتم النبیین سمجھ لیا تھا یہ کرہ ارضی میں آخری نبی ہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان چار پیغمبروں کو ایک سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراھیم[1]

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ای الناس اکرھم سب سے زیادہ کریم لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اکرمھم عند اللہ اتقاھم۔ جو ان میں سے زیادہ متقی ہوگا وہی سب سے زیادہ کریم ہے۔ انہوں نے کہا۔ حضورؐ ہم یہ نہیں پوچھ رہے۔ اس پر آپ نے کہا:۔

فاکرم الناس یوسف نبی اللہ بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ[2]

ترجمہ۔ لوگوں میں سب سے زیادہ کریم اللہ کے نبی یوسف ہیں جو نبی کے بیٹے ہیں نبی
کے پوتے ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پڑپوتے ہیں۔

وہ لوگ کہنے لگے ہم یہ بھی نہیں پوچھ رہے۔ آپ نے ان سے پوچھا۔ تو کیا تم عرب خاندانوں کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۷۹ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۴۷۹

فعن معادن العرب تسألونی قالوا نعم قال فخیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الاسلام اذا فقهوا۔[1]

ترجمہ۔ تم میں جو جاہلیت کے دور میں اچھے لوگ تھے اسلام میں آکر بھی وہی سب سے اچھے رہیں گے جب وہ سمجھ جائیں۔

(نوٹ ۱) اسرائیلیوں کے یہ کہنے کی کہ اب حضرت یوسف کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ ایک یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آل فرعون اس خطرے سے بے غم ہو جائیں کہ بنی اسرائیل میں ایسے نبی ہوں گے جو بادشاہ بھی ہوں گے (جیسا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان بعد میں ہوئے) اس صورت میں آل فرعون کو اندیشہ تھا کہ اب کبھی عصا حکومت ان کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ ہو سکتا ہے اسرائیلیوں نے آل فرعون سے اس اندیشہ کو دور کرنے کے لیے یہ عقیدہ وضع کر لیا ہو کہ اب ان میں حضرت یوسف کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا۔ فرعون کا یہ اندیشہ سنن نسائی کتاب التفسیر کی حدیث فتون میں مذکور ہے۔

(نوٹ ۲) یہاں جو حضرت یوسف کے معجزات کا ذکر ہے یہ کیا کیا تھے۔ قرآن کریم میں ان کی تفصیل نہیں ملتی۔ یہاں صرف ان کی حکایت ہے۔

فلسطین اور مصر میں تاریخی ربط

حضرت ابراہیم۔ حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کا وطن فلسطین تھا یہیں ان کی اولاد ہوئی۔ تاریخ بنی اسرائیل کے سب سے نمایاں پیغمبر حضرت موسےٰ کو مصر میں دکھاتی ہے کہ آپ وہیں پیدا ہوتے اور وہیں آپ کے فرعون سے معرکے پیش آئے۔ یہ کیسے ہوا کہ بنو اسرائیل قبطیوں کے پہلو بہ پہلو مصر میں نظر آتے ہیں یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے جو فلسطین اور مصر میں جوڑ پیدا کرتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یوسف کے مصر جانے کا واقعہ مذکور نہ ہوتا تو پتہ نہ چلتا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام مصر میں کیوں پیدا ہوئے؟

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۷۸

حضرت یُوسف مصر کیسے پہنچے ؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت یوسف کو بہت سے ظاہری اور باطنی کمالات سے نوازا تھا اور باپ کی نظر میں بھی آپ زیادہ مانوس تھے. آپ کی والدہ حضرت یعقوب کی والدہ کی بھتیجی بہو تھیں اور ان کا غیر معمولی اثر پورے خاندان پر تھا. کمال کو حسد کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور یہ صُورت حضرت یوسف کو بھی پیش آئی. بھائیوں نے ایک سیر کے بہانے حضرت یوسف کو والد سے لیا اور جنگل میں ایک کنویں میں گرا دیا. بھائی انہیں موت کے سپرد کر کے واپس گھر آ گئے اور باپ کو بتایا کہ ایک جنگلی درندے نے یوسف کو پھاڑ کھایا ہے اور آپ کی قمیص خون آلود کر کے سامنے رکھ دی.

یہاں کیا صورتِ حال پیش آئی اسے ابھی ایک طرف رکھیئے. اُدھر دیکھیئے حضرت یوسف پر کیا گزری ؟ اس کنویں کے پاس سے ایک قافلہ گزرا اور پانی لینے کے لیے کنویں پر پہنچا کنویں میں حضرت یوسف کے چاند جیسے چہرے پر نظر پڑی. انہوں نے آپ کو کنویں سے نکالا اور غلام بنا کر ساتھ لے گئے. انہیں مصر آنا تھا. اس طرح بنو اسرائیل کا یہ پہلا فرد مصر کی زمین پر اُترا. کنویں سے نکالنے والے محسنین کے احساس احسان سے آپ نے ان سے بھاگ کر اپنے ہاں آنے کی کوشش نہ کی. اپنے محسن کے آگے سراپا انقیاد بن گئے. یہ نہ سوچا کہ والد پر کیا گزرے گی. خیال کیا اور بھائی بھی تو آپ کے پاس موجود ہیں.

بعض روایات میں ہے کہ حضرت یوسف کے کچھ بھائی اس قافلے کے پیچھے دوڑے کہ یہ لڑکا جو تم نے چھپا لیا ہے ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے. (رواہ مجاہد) اس پر ان لوگوں نے کہا. یہ ہمیں دے دو اور قیمت لے لو. قرآن کریم میں ہے :-

واسروہ بضاعۃ ... وشروہ بثمن بخس دراھم معدودہ . (پ۱۲ یوسف ۲۰)

ترجمہ. اور انہوں نے اس لڑکے کو چھپا لیا مال تجارت سمجھ کر. ... اور بیچ آئے اس کو بھائی نہایت ناقص قیمت میں چند گنتی کے درہم.

سو ان حالات میں ان کا بھاگ کر اپنے گھر آ جانا کوئی آسان کام نہ تھے اور ان کی شرافت

اپنے محسنوں سے بھی بے وفائی نہ چاہتی تھی۔

مصر میں آپ پر کیا حالات گزرے ؟

جب آپ مصر لائے گئے تو مصر والے انہیں بازار مصر میں لے گئے۔ وہاں مصری فرعون کا ایک افسر کھڑا تھا۔ اس لیے آپ کو دیکھتے ہی منہ بولی قیمت پر خرید لیا حضرت یوسف اس کے ہاں بیٹوں کی طرح پلتے رہے۔ جب آپ جوان ہوئے تو کہیں آپ پر خدا کی طرف سے نبوت اتری۔

اس افسر نے جسے عزیز مصر کہا گیا ہے اپنی بیوی کو پہلے ہی کہہ دیا کہ اس سے غلاموں کا سا معاملہ نہ کرنا اس کی ضرورتوں کا اچھا انتظام کرنا ہوسکتا ہے کہ اسے بیٹا بنالیں۔ (یہ افسر لاولد تھا)۔

وقال الذی اشتراہ من مصر لامرأتہ اکرمی مثواہ عسیٰ ان ینفعنا او نتخذہ ولدا وکذلک مکنا لیوسف فی الارض ولنعلمہ من تاویل الاحادیث واللہ غالب علیٰ امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ولما بلغ اشدہ اتینہ حکما و علما۔

(پ ۱۲ یوسف ۲)

ترجمہ۔ اور جس نے اسے بازار میں خرید کیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا اسے عزت سے ٹھہرا شاید ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اسی طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں قبضہ دیا اور اسے علم تعبیر بھی دیا اور اللہ اپنا کام جیت کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ (اس کے جیتنے کو) جانتے نہیں اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم اسے علم نبوۃ اور حکم رسالت دیا۔

عزیز مصر کے محل میں حضرت یوسف کی آزمائش

عزیز مصر کی بیوی راعیل (زلیخا) آپ کے حسن و شباب کی تاب نہ لا سکی اور یہاں حضرت یوسف کو ایک کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ قرآن کریم میں ہے۔

ولقد راودته عن نفسه فاستعصم ۔ (پ۱۲ یوسف ۳۲)

ترجمہ۔ اور زلیخا چاہا اس عورت نے اس سے اس کا جی سو اس نے اپنی شانِ عظمت سنبھال لی۔

یہ انبیاء کا مقامِ عصمت ہے جو انہیں ایسے موقعوں پر سنبھالتا ہے یہ انبیاء کی معصومیت کی شان ہے۔ اس امرأۃ عزیز نے اپنی بے بسی منوانے کے لیے مصر کی عورتوں کو بھی حسنِ یوسف کی جھلک سے بے بس کیا اور انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔

غور کیجئے بجائے اس کے کہ زلیخا اپنی کمزوری پر پردہ ڈالتی، وہ اپنے آپ کو مجبور ثابت کرنے کے لیے ان عورتوں سے واقعات کی شہادت لیتی ہے اور وہ حضرت یوسف کو دیکھ کر بے خود ہو جاتی ہیں یہ اس وقت کی مصری تہذیب کی پستی ہے کہ اپنی بے حیائی پر پردہ ڈالنے کی جگہ اس کے حق میں دلائل مہیا کیے جا رہے ہیں۔ جب کسی ملک کی تہذیب اس درجہ گر جائے تو پھر اس ملک میں انقلاب آ کر رہتا ہے ——— اور عزیز مصر کا اقتدار حضرت یوسف کو منتقل ہو کر رہا۔

حضرت یُوسف کا معصیت پر جیل کی زندگی کو ترجیح دینا

قال رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیه والّا تصرف عنی کیدهن اصب الیهن واکن من الجاهلین ۔ (پ۱۲ یوسف ۳۳)

ترجمہ۔ کہا حضرت یوسف نے اے میرے رب! میرے لیے قید خانہ بہتر ہے جس کام کی طرف وہ لوگ مجھے بُلا رہے ہیں اگر تو مجھ سے ان کا فریب نہ روکے گا میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

دو قیدیوں کا خواب اور حضرت یوسف کی تعبیر

حضرت یوسف کے ساتھ دو اور قیدی اس جیل میں تھے۔ ان پر مقدمہ چل رہا تھا۔ دونوں نے خواب دیکھا۔ ایک نے دیکھا کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کا

ٹوکرا ہے اور پرندے اُسے کھا رہے ہیں. انہوں نے حضرت یوسف سے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی.
آپ نے پہلے انہیں عقیدہ توحید کی دعوت دی اور شرک سے بچنے کی تلقین کی اور پھر بتایا کہ تم میں سے ایک
اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی پر لٹکنا ہے یہاں تک کہ پرندے اس کا سر نوچیں گے
—— اب ان میں سے جس کو رہائی ملی اس نے شہر جا کر آپ کے علمِ تعبیر کا خوب چرچا کیا.

بادشاہ کا خواب اور اُس کی تعبیر کے لیے حضرت یُوسف کی تلاش

بادشاہ نے دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں اور سات دُبلی —— اور سات سبز خوشے ہیں اور
سات خشک —— بادشاہ نے دربار والوں سے اس کی تعبیر مانگی. اب اس شخص کو جو جیل سے رہا ہو کر
آیا تھا حضرت یوسف یاد آ گئے. بادشاہ نے اسے حضرت یوسف کے پاس بھیجا اور اس نے آپ سے
بادشاہ کے اس خواب کی تعبیر دریافت کی. آپ نے اس کی یہ تعبیر بتائی.

سات موٹی گائیں وہ سات سال ہیں جن میں فصلیں خوب پکیں گی. اور سات دُبلی گایوں سے
مراد اگلے سات سال ہیں جن میں قحط ہوگا. تم پہلے سات سالوں میں غلہ خوب جمع کرو اور اسے اُن کے
سبز خوشوں میں ہی رہنے دو. تاکہ وہ خراب نہ ہو. اپنا گزارہ تھوڑے بہت غلے سے کرتے رہو. پھر جب
سختی کے دن آئیں تو اس جمع شدہ غلے سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے رہو. ان کے بعد پھر ایک سال
آئے گا جب بارشیں خوب ہوں گی اور لوگ اس میں اسی نچوڑیں گے.

قرآن کریم میں سورۂ یوسف میں آیت ۴۷ سے لے کر ۴۹ تک اس تعبیر کا بیان ہے.

علم کو اللہ تعالیٰ نے عجیب سربلندی بخشی ہے. دیکھئے بادشاہ بھی ایک تعبیر کی خاطر اپنے ایک
قیدی کا محتاج ہو رہا ہے اور اس کا قاصد جیل میں اس سے ملاقات کر رہا ہے. علم وہ دولت ہے جو
بادشاہوں کو بھی قیدیوں کا محتاج بنا دیتی ہے اور یہی وہ جوہر ہے جس سے انبیاء و دیگر افراد انسانی
میں ممتاز ہوتے ہیں —— اس تعبیر سے حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کا سکہ سارے ملک میں بیٹھ گیا.
اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی قسمت کا ستارہ چمکا اور بادشاہ نے آپ کو رہا کر کے اپنے

مقربین میں جگہ دی اور کہا آج سے تو ہمارے ہاں بڑا معتمد اور معتبر ہے۔ آپ نے اسے کہا۔

اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم۔ (پ۱۳ یوسف ۵۵)

ترجمہ۔ مجھے ملکی خزانوں پر عامل بنا دو۔ میں خوب حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔

حضرت یوسف ملک کے با اختیار حکمران کی حیثیت سے

وکذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منھا حیث یشاء نصیب برحمتنا من

نشاء ونضیع اجر المحسنین۔ (پ۱۳ یوسف ۵۶)

ترجمہ۔ اور ہم نے اسی طرح یوسف کو اس ملک میں با اختیار بنا دیا کہ آپ اس میں جہاں چاہیں۔ ہم جس پر چاہیں اپنی رحمت متوجہ کر دیتے ہیں۔ اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

پھر جب کنعان میں قحط پڑا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلے کی طلب میں مصر آنکلے تو آپ انہیں پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ پھر جس طرح بھی ہو سکا آپ نے اپنے بھائیوں کی خدمت کی اور انہیں کہا کہ آئندہ آؤ تو اپنے اس بھائی کو جو باپ کی طرف سے تمہارا بھائی ہے ساتھ ضرور لانا۔ ان کے بغیر ہر کسی کو ناپ تول پورا نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت یوسف کے بھائی حضرت یوسف کے دربار میں

دنیا میں حالات بے شک اسباب کے ساتھ چلتے ہیں لیکن ان کے پیچھے یقیناً ایک الہٰی حکمت کارفرما ہوتی ہے جسے تکوین کہتے ہیں۔ یہ انسانی ارادوں کے ساتھ ساتھ عمل کرتی ہے۔ اس کے دخل سے کبھی انسانی ارادے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں:۔

عرفت ربی بفسخ العزائم۔

ترجمہ۔ میں نے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچانا۔

حضرت یوسف کے بھائی انہیں ختم کرنا چاہتے تھے تکوینِ الٰہی انہیں تختِ مصر پر لانا چاہتی تھی. اسباب چلتے رہے اور الٰہی فیصلے اُترتے رہے. یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ یہ بھائی خود محتاج ہو کر خود انہی کے سامنے آئے.

اس سے ایک رازِ تکوین کھُلا کہ دنیا میں حسد کی سزا محتاجگی ہے. جس سے حسد کرو گے ایک دن اسی کے سامنے محتاج ہو کر آنا پڑتا ہے.

حضرت یوسف کے سامنے جب یہ آئے تو آپ نے حالات کی دریافت کے بعد ان کی پونجی انہیں واپس کر دی کہ جب تک پورے نہ آؤ گے پورا غلہ نہیں مل سکتا. پھر بھائی اسے بھی لے کر آئے اور حضرت یوسف نے ایک تدبیر سے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے ساتھ ٹھہرا لیا. ان بھائیوں میں بڑا اب سب سے زیادہ پریشان تھا. وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ اب باپ کو کیا منہ دکھائے گا.

قال کبیرھم الم تعلموا ان اباکم قد اخذ علیکم موثقا من اللہ ومن قبل ما فرطتم فی یوسف فلن ابرح الارض حتی یأذن لی ابی او یحکم اللہ لی وھو خیر الحاکمین. (پ۱۳ یوسف ۸۰)

ترجمہ. ان میں سے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے خدا کے نام پر عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں بھی ایک قصور کر چکے ہو. سو میں تو اس ملک سے ہرگز نہ جاؤں گا جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا خدا ہی میرے لیے کوئی فیصلہ نہ فرمائے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے.

ادھر حضرت یعقوب پر کیا گزر رہی تھی

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے غم میں پہلے ہی پریشان تھے. روتے روتے ان کی آنکھیں بھی سفید ہو گئیں اور بینائی جاتی رہی. ہائے یوسف کی صدا اُن کے دل سے اٹھتی اور پھر

نبض ڈوب جاتی جب ہوش میں آتے تو پھر خدا کو یاد کرتے اور کہتے۔ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ مالا تعلمون معلوم ہوتا ہے انہیں دور سے کوئی امید کی کرن دکھائی دے رہی تھی۔ اور کوئی نہ جانتا تھا اور شاید اسی سہارے آپ میں زندگی کی رمق باقی تھی۔

اس عظیم دنیوی سکون کے بعد حضرت یوسف کی اللہ کے حضور حاضری

حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر آنے پر حضرت یوسف کو وہ دنیوی مسرت ملی جو کسی مردِ حق آگاہ کو اس دنیا میں مل سکتی ہے۔ مصر کی حکومت ایک طرف ہو اور حضرت یعقوب کی روحانی سرپرستی دوسری طرف — گویا آپ روحانی اور مادی ہر طرح کی دولت پاتے ہوئے تھے۔ جب تک حضرت یعقوب زندہ رہے آپ مصر میں حکومت کرتے رہے۔ جب والد کی وفات ہوئی آپ انتظامی امور میں جانشین مقرر کرکے خود ہمہ تن سفرِ آخرت کی تیاری میں لگ گئے۔ آپ کی یہ دعا اس وقت کے آپ کے سکونِ قلبی کی دل سے اٹھی صدا ہے۔

رب قد اٰتیتنی من الملک وعلّمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولیّ فی الدنیا والاٰخرۃ توفّنی مسلمًا والحقنی بالصالحین (پ۱۳ یوسف ۱۰)

ترجمہ۔ اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ حکومت بھی دی ہے اور تاویل الاحادیث کا مجھے علم بخشا۔ اے آسمان اور زمین کے بنانے والے تو ہی میرا والی ہے۔ دنیا اور آخرت میں تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے پہلے صالحین (حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب) کے ساتھ ملا دے۔

جب دوسرا بھائی بھی مصر رہ گیا تو آپ نے بیٹوں کو پھر اُن کی تلاش میں بھیجا:۔

یابنیّ اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ ولا تایئسوا من روح اللہ (پ۱۳ یوسف ۸۷)

ترجمہ۔ اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب نے اس بات کا یقین نہ کیا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور وہ اللہ کے حضور پوری امید سے تھے کہ ایک دن یوسف سے پھر ملنا ہوگا۔

بھائیوں کی حضرت یوسف کے سامنے آخری پیشی

حضرت یوسف کے بھائی پھر قحط کے نام سے مصر غلہ لینے گئے۔ ان کا خیال ہوگا شاید بنیامین کو لینے میں وہ کامیاب ہوجائیں۔ اب کی بار حضرت یوسف نے بات کھول دی اور اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔

قال هل علمتم ما فعلتم بيوسف واخيه اذ انتم جاهلون قالوا ءانك لانت يوسف قال انا يوسف وهٰذا اخی قد من الله علینا انه من یتق ویصبر فان الله لا یضیع اجر المحسنین. قالوا تالله لقد اثرك الله علینا وان کنا لخاطئین. قال لا تثریب علیکم الیوم یغفر الله لکم وهو ارحم الراحمین. اذهبوا بقمیصی هٰذا فالقوه علیٰ وجه ابی یأت بصیرا واتونی باهلکم اجمعین. (پ۱۳ یوسف ۹۰)

ترجمہ۔ آپ نے کہا کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب تمہیں سمجھ نہ تھی۔ انہوں نے (اب کچھ پہچانا اور) کہا تو یوسف ہی ہے؟ آپ نے کہا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا۔ بے شک جو ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکیوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ان بھائیوں نے کہا بخدا اللہ تعالیٰ نے بے شک تجھے ہم پر بزرگی دی اور بیشک ہم خطا کار تھے۔ آپ نے کہا آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ یہ کرتا میرا لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو اس کی بصارت لوٹ آئے گی اور اپنے سب کنبے کو لے کر میرے پاس آؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد مرکزی درجے کے پیغمبر حضرت موسےٰ علیہ السلام ہوتے ہیں. حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ ہے. آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل بنو قطورہ میں سے تھے.

حضرت شعیب کی بعثت مدین میں ہوئی. اہل مدین شہری لوگ تھے اور اصحاب الایکہ (جنگل بَن اور درختوں کے جھنڈ کے معنی میں) مضافات کے دیہات کے لوگ تھے. مدین حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا عرب کے قافلے مصر اور شام کے سفروں میں ان بستیوں کے پاس سے گزرتے تھے. حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی یہاں چند سال قیام رہا.

فلبثتَ سنین فی اھل مدین ثم جئتَ علیٰ قدرٍ یاموسیٰ واصطنعتکَ لنفسی.

(پ ۱۶ طٰہٰ آیت ۴۰)

ترجمہ. پھر تو مدین والوں میں کئی برس رہا پھر تو تقدیر سے یہاں آنکلا اور میں نے اپنے لیے چُن لیا.

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا اور حضرت شعیب علیہ السلام انہی اہل مدین میں سے تھے.

والیٰ مدین اخاھم شعیبا قال یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہٍ غیرہٗ. (پ ۱۲ ہود ۸۴)

ترجمہ. اور ہم نے قوم مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو اس نے کہا اے میری قوم عبادت کرو ایک اللہ کی اس کے سوا کوئی معبود نہیں

دعوت توحید کے ساتھ حضرت شعیب کی دوسری بڑی دعوت یہ تھی کہ ناپ اور تول میں کمی یا زیادتی نہ کرو. معاملات ٹھیک ٹھیک رکھو. آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا. اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی خبر ان الفاظ میں دی ہے.

كذب اصحاب الايكة المرسلين اذ قال لهم شعيب الا تتقون. (پ۱۹ الشعراء ۱۷۶)

ترجمہ۔ اصحاب ایکہ نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہا ان کو شعیب نے تم خدا سے کیوں نہیں ڈرتے۔

قرآن نے یہاں ایک پیغمبر کے جھٹلانے کو سب پیغمبروں کے جھٹلانا کہا ہے۔ معلوم ہوا ایمان ایک بسیط حقیقت ہے۔ ہوگا تو پورا ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اس کی کوئی اندرونی تقسیم نہیں۔ اسی طرح ایک زائد پیغمبر لانا (جو پیغمبر نہ ہو اسے پیغمبر بتانا) بھی سب پیغمبروں کو جھٹلانا ہے۔ صف انبیاء میں کسی کو لانا یا صف انبیاء میں سے کسی کو نکالنا یہ جمع و تفریق دونوں کفر ہیں۔

حضرت شعیب نے اپنی قوم کو دعوت توحید دینے کے بعد فرمایا :۔

اوفوا الكيل ولا تكونوا من المخسرين وزنوا بالقسطاس المستقيم ولا تبخسوا الناس اشياءهم ولا تعثوا فى الارض مفسدين۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۸۲)

ترجمہ۔ پیمانہ پورا بھر کر دو اور کم دینے والے نہ ہو اور صحیح ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کو خراب چیزیں نہ دو اور نہ زمین میں فساد کرتے پھرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس کرۂ ارضی پر فساد کا موجب شرک کے بعد یہ ناپ تول کی کمی معاملات کی خرابی اور لوگوں کو دھوکے سے غلط چیزیں دینا ہے۔ یہ ظلم اور ناانصافی حقیقت میں فساد فی الارض ہے۔

اب بجائے اس کے کہ قوم حضرت شعیب کی اس نصیحت سے سبق لیتے، الٹا کہنے لگے کہ یہ تو بشر ہے یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے؟ انہوں نے بشریت اور رسالت میں تنافی کا عقیدہ بنالیا اور کھلم کھلا کہا کہ آپ بوجہ انسان ہونے کے رسول ہرگز نہیں ہو سکتے اور پھر انہیں کہا :۔

فاسقط علينا كسفا من السماء ان كنت من الصادقين۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۸۷)

ترجمہ۔ سو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے اگر تو واقعی (دعویٰ نبوت میں) سچا ہے۔

پھر جب قوم نے جھٹلایا تو ان پر سائبان والے دن عذاب اترا اور وہ واقعی بڑے دن

کا عذاب تھا:۔

فکذبوہ فاخذھم عذاب یوم الظلۃ انہ کان عذاب یوم عظیم۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۸۹)

یہ عذاب کس شکل میں آیا۔ سورۂ اعراف آیت ۹۱ میں ہے:۔

فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جٰثمین۔ (پ۹ اعراف ۹۱)

ترجمہ۔ پھر انہیں زلزلے نے آپکڑا۔ اب صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔

یہ دوسرا عذاب آگ کا عذاب تھا آگ کس طرح برسی مفسرین نے اسے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عذاب یوم الظلۃ سے یہی عذاب مراد ہے۔ سائبان کی طرح ابر آیا اس سے آگ برسی۔ نیچے سے زمین کو بھونچال آیا اور سخت ہولناک آواز آئی اس طرح سب قوم تباہ ہوگئی۔ متعدد آیات کے جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر ظلہ، صیحہ اور رجفہ تین طرح کے عذاب آئے۔ اوّل بادل نے سایہ کردیا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں۔ پھر آسمان سے سخت ہولناک اور جگر پاش آواز آئی اور نیچے سے زلزلہ آیا۔ (ابن کثیر)[1]

ایک قابل غور تاریخی مسئلہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کے قتل کے بعد مصر سے مدین چلے آئے تھے مدین فرعون کی عملداری میں نہ تھا۔ وہاں آپ ایک کنوئیں پر آنکلے۔ وہاں ایک شیخ کبیر کی دو لڑکیاں اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ حضرت موسیٰ اس شیخ کبیر کے پاس پہنچے اور وہاں کئی سال رہے یہ شیخ کبیر حضرت شعیب تھے یا کوئی اور۔ اس میں مورخین کو اختلاف ہے مشہور بات یہ ہے کہ حضرت شعیب ہی تھے

[2] اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

---

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۲۱۵ صفحہ ۵۰۰

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر آنے کے بعد تیس سال حضرت یوسف کے ساتھ رہے. آپ کی وفات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام ۲۳ سال کار نبوت انجام دیتے رہے اور عمر میں وفات پائی. حضرت یوسف کے بعد نبوت حضرت یعقوب کے دو بیٹوں کے خاندانوں میں چلی. لاوی بن یعقوب کے خاندان میں حضرت موسےٰ اور حضرت ہارون ہوتے. اور یہودا ابن یعقوب کے خاندان میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ہوئے. تاہم یہ سب انبیاء حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے انبیاء بنی اسرائیل میں شمار ہوتے ہیں.

حضرت موسےٰ کے والد عمران بن قاہر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پڑپوتے اور لاوی بن یعقوب کے پوتے تھے (عمران دو تاریخی شخصیتوں کا نام ہے. حضرت موسےٰ کے والد کا نام اور حضرت عیسیٰ کے نانا کا نام — حضرت مریم انہی کی بیٹی تھیں. دونوں عمرانوں کے درمیان ہزار سے زیادہ سالوں کا فاصلہ ہے).

مصر میں بنواسرائیل کی حیثیت

بنو اسرائیل حضرت یوسف کے زمانے سے ہی مصر میں آباد ہو گئے تھے. حضرت یوسف نے اپنا جانشین اسرائیلیوں میں سے نہ بنایا اور حکومت پھر مصریوں کے پاس چلی گئی. حضرت موسےٰ کے دور میں حکومت مصریوں کی تھی اور فراعنہ مصر نے مصر میں رہنے والے اسرائیلیوں کو غلام بنا رکھا تھا. حضرت موسےٰ جس فرعون کے گھر پلے اس کا نام ولید بن مصعب تھا. ولید کو علم نہ تھا کہ جو بچہ اس کے ہاں پل رہا ہے وہ اسرائیلی ہے. اسے صرف اتنا علم تھا کہ اسے ایک اسرائیلی عورت دودھ پلا رہی ہے.

مصر میں اسرائیلیوں کے آنے سے دین ابراہیم کا یہاں خاصا تعارف ہو چکا تھا. اسرائیلی

حلقوں میں یہ بات عام تھی کہ آئندہ اسرائیلی نبیوں میں بادشاہ بھی ہوں گے۔ اس سے مصریوں کو ہر وقت غم لگا رہتا کہ معلوم نہیں وہ وقت کب آجائے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے مصریوں نے قانون بنایا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکے پیدا ہوں انہیں قتل دیا جایا کرے۔ کیونکہ انبیاء ہمیشہ مردوں میں سے ہی ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ اس وقت پیدا ہوئے جب مصر میں بنی اسرائیل کے لیے قتل اولاد کا قانون سختی کے ساتھ نافذ کیا تھا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ (یوکابد) کو جب حضرت موسیٰ کا حمل ٹھہرا تو اس وقت سے وہ خاصی حیران رہنے لگیں کہ لڑکا پیدا ہوا تو وہ فرعون کا شکار ہوگا۔ گویا ابھی آپ پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ یہ امتحان کی گھڑی آپہنچی۔

فرجعنٰك الیٰ امك کی تقر عینها ولا تحزن وقتلت نفساً فنجینٰك من الغم وفتنٰك فتوناً۔ (پ ۱۶ طٰہٰ ۴۰)

ترجمہ۔ پھر پہنچا دیا ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور وہ غم نہ کھائے اور تُو نے مار ڈالا ایک شخص کو پھر ہم نے تجھے اس غم سے نجات دی اور ہم نے تجھے کئی طرح پر آزمائش میں ڈالا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کے آخری جملے وفتنٰك فتوناً کا مطلب پوچھا۔ آپ نے انہیں اگلے دن کا وقت دیا۔ وہ اگلے دن آئے تو آپ نے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جسے امام نسائی نے سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۳۹۶ سے ص ۴۰۵ تک روایت کیا ہے اور آخر میں کہا ہے۔ رفع ابن عباس ھٰذا الحدیث الی النبیؐ وصدق ذلك عندی۔ اس میں آپ نے حضرت موسیٰ پر آنے والے وہ مرحلے ذکر کیے ہیں جب آپ پر آزمائش کی گھڑیاں آتی رہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو بچاتے رہے۔ قتل سے بچ کر خود فرعون کے گھر پلنا پہلا مرحلہ تھا۔

حضرت مُوسیٰ کے ہاتھوں قبطی کا قتل اور آپ کا مدین چلا جانا

آپ کہیں گزر رہے تھے کہ رستے میں ایک قبطی اور اسرائیلی کو لڑتے ہوئے پایا۔ اس میں

قبطی زیادتی پر تھا۔ آپ نے اسے ایک مکا لگایا۔ آپ کو علم نہ تھا کہ یہ اس مکے سے مر جائے گا جو لوگ انبیاء کے علم غیب کے قائل ہیں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت موسےٰ نے جان بوجھ کر ایک بے گناہ کو قتل کیا۔ حضرت موسےٰ اس سانحہ سے گھبرا کر مدین چلے گئے اور وہاں کئی سال حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں گزارے۔ یہیں ان کی شادی ہوئی اور انہیں نبوت ملی — پھر حکم ہوا کہ مصر جائیں اور فرعون کو میرے نام کی آواز دیں۔ حضرت موسیٰ نے دعا کی۔ اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو بھی میرے ساتھ شریک فرما۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون فرعون کے دربار میں

پ۱۶ سورۂ طٰہٰ میں اذھبا الیٰ فرعون انہ طغیٰ (آیت ۴۳) سے لے کر فالقی السحرۃ سجداً قالوا اٰمنا برب ھارون وموسیٰ (آیت ۷۰) تک اس معرکے کا بیان ہے۔ اس میں فرعون سے مناظرہ اور جادوگروں سے مقابلہ مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ کے عصا کے سانپ بننے کا بھی ذکر ہے۔

فرعون کو شکست دینے کے بعد آپ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے آلِ فرعون نے پیچھے سے تعاقب کیا۔

فاتبعھم فرعون بجنودہ فغشیھم من الیم ما غشیھم (پ۱۶ طٰہٰ ۷۸)

ترجمہ۔ پس فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اسرائیلیوں کا تعاقب کیا۔ پھر فرعونیوں کو (دریا میں) ڈھانپ لیا جس نے بھی ڈھانپ لیا۔

بنو اسرائیل بحر قلزم کو عبور کر کے ایک بیابان میں

اسرائیلیوں کی تعداد چھ لاکھ کے قریب تھی۔ یہ دریا پار کر کے ایک بیابان میں اترے — یہ وادی سینا تھی یہیں حضرت موسےٰ کے لاٹھی مارنے سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہوئے۔ یہیں ان پر بادلوں نے سایہ کیا۔ یہیں ان کے کھانے کے لیے من وسلویٰ اترا — اور یہ وادی تیہ ان کے

لیے جنت کا نمونہ بن گئی۔

مگر بہت سے کم ظرف پھر سبزیوں کی طلب پر آ گئے اور چاہا کہ زمین سے پیاز اور مسور اُگائیں انہوں نے اعلیٰ خوراک کو ادنیٰ سے بدلنا چاہا۔ حضرت موسےٰ یہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوہِ طور پر تیس راتوں کے لیے بُلایا۔ آپ نے وہاں تیس راتوں کا اعتکاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک چلّہ کر دیا چالیس راتوں کے بعد آپ کو تورات لکھی ہوئی پتھروں میں کندہ دی گئی۔

حضرت موسےٰ کی عدم موجودگی میں حضرت ہارون بنی اسرائیل پر نگران رہے۔ اسی دوران وہ بچھڑے کی پُوجا کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت موسےٰ واپس ہوئے تو قوم کو اس حال میں دیکھ کر آپ بہت ناراض ہوئے۔

بیابان سے فلسطین جا نکلنے کی دعوت

اس بیابان سے فلسطین جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا اصل وطن تھا زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ ان دنوں اس پر عمالقہ قابض ہو چکے تھے۔ حضرت موسےٰ نے اسرائیلیوں کو ان کے ساتھ جنگ لڑنے کے لیے کہا مگر یہ تیار نہ ہوتے اور وہ ارضِ مقدس ان سے چالیس سال روک دی گئی اور وہ اسی وادی میں سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ہارون علیہ السلام اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی اسی علاقے میں ہوئی ـــ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد آپ کے جانشین یوشع بن نون ہوئے۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ ابن جریر طبری کے بیان کے مطابق پھر ان کے جانشین حضرت حزقیل ہوئے۔

بنو اسرائیل تو انجامِ کار فلسطین آ نکلے لیکن ان لوگوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس قوم کی سونے کی محبت عدم جرأت و ہمت اور قناعت پر مسکنت و ذلت کے باعث تھا اور دنیا اب تک اس قوم کے خدوخال کا مشاہدہ کر رہی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت شموئیل علیہ السلام کے عہد میں بنو اسرائیل کو جہاد کا شوق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو ان کا سربراہ بنا دیا۔ حضرت طالوت کی سرکردگی میں داؤد ایک بہت بہادر اور جری سپاہی تھے۔ بڑی بے جگری سے لڑے اور انہوں نے جالوت کو قتل کیا۔ اس پر پورے بنی اسرائیل میں ان کی قوت و شجاعت کے تذکرے ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر نبوت بھی عطا کی اور انہیں اس لقب سے نوازا جو ابتدائے آفرینش میں حضرت آدم کے لیے تجویز ہوا تھا۔

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق (پ۲۳ ص ۲۶)

ترجمہ۔ اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے سو تو لوگوں میں سچائی کے فیصلے کر۔

آپ پہلے پیغمبر ہیں جنہوں میں نبوت اور حکومت دونوں صفتیں جمع ہوئیں اور جو حکمت تخلیق آدم میں مخفی تھی حضرت آدم پر آکر ظاہر ہوئی۔ قرآن کریم میں ہے:-

واذکر عبدنا داؤد ذا الاید انہ اواب انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورۃ کل لہ اواب وشددنا ملکہ و اتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب۔ (پ۲۳ ص ۲۰)

ترجمہ۔ اور آپ یاد کریں ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کو وہ قوت والے بھی تھے اور اللہ کی طرف رجوع لانے بھی تھے ہم نے پہاڑ بھی ان کے تابع کر دیئے جو آپ کے ساتھ خدا کی پاکی بولتے تھے صبح شام اور اڑتے جانور جمع ہو کر آپ کے ساتھ خدا کی طرف جھکتے ہم نے اسے تدبیر کرنے والی حکمت اور فیصلہ کرنے والی بات عطا کی۔

یہ فصل الخطاب کوئی معمولی قسم کا اعزاز نہیں۔ یہ وہ زبردست قوت ہے جو کمزوروں کو ان کا

حق دلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں اور آپ کے خاندان میں سلطنت اور نبوت جمع ہوئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے بیٹے اور وارث تھے۔

حضرت داؤد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ لحن عطا فرمایا تھا کہ جب اللہ کی یاد میں زبور پڑھتے تھے تو دریا کا چلتا ہوا پانی رُک جاتا۔

حضرت داؤد کی حدود سلطنت

شام عراق فلسطین شرق اُردن کے بیشتر علاقے آپ کی عملداری میں تھے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو حکومت، حکمت اور علم سے نوازا تھا۔ قرآن کریم میں ہے :-

'اتاه الله الملك والحكمة وعلمه مما يشاء۔ (پ البقرہ ۲۵۱)

ترجمہ۔ اللہ نے اسے بادشاہی دی اور حکمت دی اور اسے وہ علم دیا جو اس نے چاہا۔

صحابہؓ میں حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ کی تلاوتِ قرآن بڑی پُرشوکت تھی۔ اس پہ حضورؐ نے فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے ابوموسےٰ کو لحن داؤدی عطا فرمایا ہے۔ (رواہ عبدالرزاق جلد صہ)

حضرت داؤد کی زبان پر زبور کا ختم عجیب اعزازی شان رکھتا تھا۔ آپ جب گھوڑے پر زین کسنے لگتے تو شروع کرتے اور جب کس لیتے تو زبور ختم ہو چکی ہوتی :-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خفف عن داؤد القرآن فکان یأمر بدوابه فتسرج فیقرأ القرآن قبل ان تسرج دوابه۔[1]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد پہ زبور کا پڑھنا آسان فرمادیا تھا آپ اسے گھوڑوں کے بارے میں انہیں کسنے کا حکم دیتے اور اس دوران میں زبور کو پڑھ لیتے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صہ ۴۸۵

زبور کس نوع کی کتاب ہے

زبور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، تسبیح الٰہی اور تحمید باری تعالیٰ کا ایک دلگداز مرقع تھا۔ کچھ اس میں اخبار غیبیہ بھی تھیں۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔

(پ۱۷ الانبیاء ۱۰۵)

ترجمہ۔ اور ہم نے زبور میں بھی تورات کے بعد لکھ دیا تھا کہ اس ارض مقدس کو وہ لوگ اپنے قبضے میں لیں گے جو نیک ہوں گے۔

تاہم شریعت اور قانون کے طور پر تورات کے احکام ہی چلتے تھے۔ اسرائیلی انبیاء سب اسی کے مطابق فیصلے دیتے تھے۔

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا۔ (پ۶ المائدہ)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں نور اور ہدایت تھی آگے آنیوالے بنی اسرائیل اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے ان لوگوں کے لیے جو ان کے تھے۔

حضرت داؤد کے علم کی شان

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ بیت المال پہ بوجھ نہ بنیں۔ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کمائیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد کی اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں لوہے کو نرم کر دیا جب وہ کوئی چیز لوہے سے بنانا چاہتے تو بغیر دوسرے آلات اور اوزار کے جس طرح چاہتے فولاد کو ڈھال لیتے اور وہ ان کے ہاتھ میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا۔ یہ آپ کی ایک عجیب شان اعجاز تھی۔ قرآن کریم میں ہے۔

والنالہ الحدید ان اعمل سابغات وقدر فی السرد واعملوا صالحا انی بما تعملون

بصیر. (پ ۲۲ السبا ۱۱)

ترجمہ. اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا کہ بنائیں زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑیں کڑیاں ___ اور کرو تم سب کام بھلا ہیں جو کچھ تم کرتے ہو میں دیکھ رہا ہوں.

وعلّمناہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من بأسکم فھل انتم شاکرون. (پ ۱۷ انبیاء ۸۰)

ترجمہ. اور ہم نے سکھایا اس کو تمہارا لباس بنانا جو تمہاری لڑائی میں بچاؤ کرے سو کیا تم شکر کرتے ہو.

یہ فن اور علم اس صنعت کے علاوہ تھا جس کے مطابق پہاڑ اور پرندے سب آپ کے ساتھ مل کر تسبیح کرتے تھے. اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا تھا.

یاجبال اوّبی معہ والطیر. (پ ۲۲ السبا ۱۰)

ترجمہ. اے پہاڑو اور اے اڑتے جانورو خوش آوازی سے پڑھو تم اس کے ساتھ.

حضرت داؤد کے فصل خصومات

(۱) ایک شخص کی بکریاں دوسرے کے پورے کھیت کو چر گئیں. مدعا علیہ نے اس کا اقرار کر لیا اُدھر کھیت اور بکریوں کی قیمت برابر برابر ٹھہرتی تھی. آپ نے فیصلہ دیا کہ یہ بکریاں اب اس کے حوالے کر دی جائیں. آپ کے بیٹے حضرت سلیمان نے مشورہ دیا کہ مدعا علیہ کا تمام ریوڑ عارضی طور پہ مدعی کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ اس کے دودھ اور اُون سے فائدہ اٹھاتے اور مدعا علیہ اس دوران اس کے کھیت میں کام کرے. جب کھیت کی پیداوار اپنی اصلی حالت پر آجائے تو کھیت اپنے مالک کے پاس اور بکریوں کا ریوڑ اپنے مالک کے پاس چلا جائے. حضرت داؤد علیہ السلام نے اس تجویز کو پسند کیا. اور اس کے مطابق فیصلہ دیا.

(۲) دوسرا مقدمہ ایک عجیب صورت میں پیش آیا. دو شخص اچانک آپ کے محراب اعتکاف میں

میں داخل ہو گئے۔ آپ حیران ہو گئے کہ یہ یہاں کیسے چلے آئے؟ ایک نے بات شروع کر دی۔ کہ میرے اس بھائی کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میری صرف ایک ــــ یہ مجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایک بھی میں اس کو دے دوں تاکہ اس کی تو سو پوری ہو جائیں اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آگیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس نے تیری دُنبی کا تجھ سے مطالبہ کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے اکثر اپنے ساتھیوں پر اسی طرح کی زیادتیاں کرتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عمل کو دنیا کی عام بے انصافی اور ایک عالمی تعدی قرار دیا۔ آپ نے فرمایا:۔

لقد ظلمك بسؤال نعجتك الى نعاجه وان كثيرا من الخلطاء
ليبغي بعضهم على بعض الا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وقليل ما
هم ط وظن داؤد انما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعا واناب ٥
فغفرنا له ذلك وان له عندنا لزلفى وحسن مآب. (پ۲۳ ص)

ترجمہ۔ بے شک اُس نے تجھ سے تیری دُنبی مانگ کر کہ وہ اُسے اپنی دُنبیوں میں ملا لے ایک ظلم کیا ہے اور بے شک اکثر شرکا راس طرح ایک دوسرے پر زیادتی کر جاتے ہیں مگر وہ جو یقین رکھتے ہیں (آخرت پر) اور کام کیے انہوں نے نیک اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

قرآن کریم میں ہے اس وقت داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈالا ہے سو اس نے اسی وقت استغفار کیا اور سجدے میں گر پڑے اور وہ رجوع لایا اللہ کی طرف ٥ پھر ہم نے معاف کر دیا اس کو وہ کام ط اور بے شک اس کے لیے ہمارے ہاں ایک مرتبہ قرب ہے اور ایک اچھا ٹھکانہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر ابتلاء کی گھڑی

وہ نقطۂ ابتلا کیا تھا جس میں حضرت داؤد علیہ السلام خداوندی جانچ میں آئے؟

اس پر مفسرین نے بہت کچھ اظہار خیال کیا ہے بعض نے اس کی تفسیر میں اوریا کا قصہ بھی لکھ دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اس میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر بلا کسی تکلف کے سب سے احسن ہے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے جو ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلاء ایک طرح کے اعجاب کی بناء پر پیش آیا۔ صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا کہ :۔

اے پروردگار! رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت یعنی نماز یا تسبیح و تکبیر میں مشغول نہ رہتا ہو۔

یہ اس نے کہا کہ انہوں نے روز و شب کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں میں نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے تاکہ ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ارشاد ہوا کہ داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اگر میری مدد نہ ہو تو تو اس بات پر قدرت نہیں پا سکتا۔ قسم ہے مجھے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کر دوں گا یعنی میں اپنی مدد ہٹا لوں گا۔ دیکھیں اس وقت تو کہاں اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا ہے اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے۔

داؤد علیہ السلام نے عرض کی کہ اے پروردگار مجھے اس دن کی خبر کر دیجیے بس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہو گئے[۱]۔ یہ روایت بتلاتی ہے کہ فتنہ کی نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہیئے کہ جس وقت داؤد عبادت میں مشتغل ہوں باوجود پوری کوشش کے مشتغل نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں

---

[۱] اخرج ہذا الاثر الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی فی التلخیص۔ نقلہ العلامہ العثمانیؒ فی تفسیرہ ص ۵۷۹

چنانچہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص
نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤد کو گھبرا دیا اور انہیں ان
کے شغل خاص (عبادت) سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا
بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤد کے پاس پہنچنے سے نہ
روک سکے. تب داؤد کو خیال ہوا کہ اللہ نے میرے اس دعوے کی وجہ سے
مجھے اس فتنہ میں مبتلا کیا.

حضرت عثمانیؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک آیت کی بے تکلف تقریر یہی ہے.
رہا اور یا کا قصہ یا اس جیسے اور دوسرے قصے ان میں اصل بات دیکھنے کی یہ ہے کہ
کیا یہ قصے واقعی شانِ نبوت سے لگا کھاتے ہیں اگر نہیں تو کوئی بات گو اسناداً صحیح ہی کیوں
نہ ہو اگر شانِ نبوت سے ٹکراتی ہے تو ہم شانِ نبوت کو اصلاً قائم سمجھیں گے اور اس روایت کو
کسی علت یا شذوذ پر محمول کریں گے.

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) اس مقام پر لکھتے ہیں :-

قد رویت هذه القصه مطولة عن جماعة من السلف رضی الله عنهم
.... وكلها متلقاة من قصص اهل الكتاب.

ترجمہ. یہ لمبا قصہ سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے لیکن یہ سب روایات
اہل کتاب کے قصوں سے لی گئی ہیں.

حضرت داؤدؑ حضرت یعقوبؑ کے ایک سلسلہ سے

حضرت یعقوب علیہ السلام سے آگے نبوت کسی ایک سلسلہ میں نہ چلی تھی. حضرت
یوسفؑ کے بعد ان کے بیٹوں میں کوئی نبی نہ ہوا تھا حضرت یعقوب کے مختلف بیٹوں سے
سلسلہ نبوت چلتا رہا. داؤد علیہ السلام یہودا ابن یعقوب کی اولاد میں سے تھے جب کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے.
اور حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک معرکہ میں جالوت کو قتل کیا اور طالوت نے اپنی آدھی سلطنت

حضرت داؤد کو دے دی۔ پھر کچھ وقت گزرنے پر آپ پوری سلطنت کے مالک ہوئے بعض روایات میں ہے کہ اس کے چالیس برس بعد حضرت داؤد علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی مستحکم سلطنت عطا فرمائی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کبھی جنگل میں نکلتے خدا کو یاد کرتے۔ خوفِ الٰہی سے روتے۔ تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے اور اپنی ضرب المثل خوش آوازی سے زبور پڑھتے۔ اسکی عجیب وغریب تاثیر سے پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے تھے اور پرندے بھی ان کے گرد جمع ہوکر اسی طرح آواز کرتے۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو یہ خاص بزرگی عطا فرمائی:۔

ولقد اٰتینا داؤد منا فضلاً ط یاجبال اوبی معہ والطیر والنا لہ الحدید ان اعمل سٰبغٰتٍ وقدر فی السرد۔ (پ ۲۲ السبا)

ترجمہ۔ اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضل دیا۔ اے پہاڑو خوش آوازی سے پڑھو اس کے ساتھ (یہ حکم تکوینی تھا) اور ہم نے اس کے آگے لوہا نرم کر دیا۔ بنا زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ ان کی کڑیاں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام انہی داؤد علیہ السلام کے بیٹے اور وارث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہوا کو بھی مسخر کر دیا۔ ایک صبح وہ مہینے کی مسافت طے کرتی اور ایک شام بھی اسی مسافت سے چلتی۔ پھر یہی نہیں جنات بھی ان کے ماتحت کر دیئے۔ یہ پہلے پیغمبر ہیں جن کا حکم جنات پر بھی چلتا تھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تھا جو ہوا میں اڑتا۔ ہوا اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ ایک مہینہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ سے آدھے دن میں طے ہوتی[1]

قرآن کریم میں ہے:۔

---

[1] ماخوذ از تفسیر عثمانی صد ۵۵۶

ولسلیمان الریح عاصفۃ تجری بامرہ الی الارض التی بارکنا فیھا ط وکنا بکل شیٔ عالمین ومن الشیاطین من یغوصون لہ ویعملون عملاً دون ذلک وکنا لھم حافظین۔ (پ۱۷ انبیاء ۸۱)

ترجمہ۔ اور سلیمان کے تابع کی ہوا۔ زور سے چلنے والی چلتی تھی اس کے حکم سے زمین کی طرف جہاں برکت دی ہے ہم نے۔ اور ہم کو ہر چیز کی خبر ہے اور تابع کیے ہم نے کتنے جن (ان کے) جو غوطہ لگاتے ان کے لیے اور بھی بہت سے کام بنائے اس کے سوا۔ اور ہم نے انہیں تھام رکھا تھا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :۔

حضرت سلیمان نے دُعا کی تھی۔ رب اغفرلی وھب لی ملکاً لا ینبغی لاحدٍ من بعدی (پ ص ۳۵) اللہ تعالیٰ نے ہوا اور جن ان کے لیے مسخر کر دیے حضرت سلیمان نے ایک تخت تیار کرایا تھا جس پر مع اعیانِ دولت بیٹھ جاتے اور ضروری سامان بھی بار کر لیا جاتا پھر ہوا آتی زور سے اس کو زمین سے اُٹھاتی پھر اوپر جا کر نرم ہوا ان کی ضرورت کے مطابق چلتی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ رخاءً حیث اصاب (پ ص ۳۶)

قرآن نے یہاں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اس تخت کو زمین سے اُٹھوانے میں ہوا کا زور زیادہ لگتا اور اُوپر آکر پھر اس قوت کی ضرورت نہ پڑتی۔ کاروں تک چلنے میں پہلے گیئر میں پٹرول بہت خرچ ہوتا ہے پھر اگلے گیئروں میں حسبِ تقاضا نرمی آجاتی ہے۔ ہوائی جہازوں کے لیے بھی آغاز میں خاصی قوت درکار ہوتی ہے۔ راکٹ کو خلا میں پہنچانے کے لیے بڑی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر وہ ایسی جگہ پہنچتا ہے جہاں کششِ زمین کم ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم نے اس سائنسی حقیقت کو یہاں کھول کر رکھ دیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ سائنسدانوں نے طیارہ اُڑانے کا تصور اور پہلے شدت قوت کی ضرورت کی جھلک قرآن سے ہی لی ہو۔ چودہ سو سال پہلے جب سائنسی

انکشافات اس درجہ میں نہ تھے ہوا میں اُڑنے کے لیے ہوا کے عصف و رخاء (شدت اور نرمی) کو اس وضاحت سے بیان کرنا قرآن کریم کے کتاب الٰہی ہونے کا ایک کھلا نشان ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

تعجب ہے کہ آج عجیب و غریب ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بھی بہت سے زائغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک پاور سے کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کر سکتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے عہد میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی قدرتوں کو بے حجاب دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے چار پانچ اور قصوں کو بھی بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے:۔

① ملکِ سبا کی خبر پانا اور وہاں سے تختِ بلقیس کا چلا آنا۔
② چیونٹیوں کی صدر سے بات کرنا اور جانوروں کی بولیوں کو سمجھ لینا۔
③ جنات کے ہاتھوں بیت المقدس کی تعمیر کرانا۔
④ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بدن کا بعد الوفات ریزہ ریزہ نہ ہونا۔

① ملکِ سبا کی خبر پانا اور ملکۂ سبا کو حق کی دعوت

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پرندے بھی حاضری دیتے تھے ایک دفعہ دربار لگا اور ہدہد اس میں حاضر نہ ہو پایا۔ اس نے باز پرس پر بتایا کہ وہ ملکِ سبا سے ایک دیدہ خبر لایا ہے۔ ہدہد نے کہا:۔

میں نے وہاں ایک عورت کو بادشاہی کرتے پایا اور اس کو ہر ایک چیز حاصل دیکھی اور اس کا ایک بڑا تخت دیکھا۔ میں نے اُسے اور اس کی قوم کو سورج کو سجدہ کرتے پایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے ایک خط دیا اور کہا اسے ان لوگوں میں ڈال دے

اور اس کا جواب اُن سے لا وہ خط بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا گیا تھا اور اس میں کہا گیا تھا کہ کُفر کی شوکت نہ دکھاؤ اور حکم بردار ہو کر میرے سامنے آؤ۔

الا تعلوا علی واتونی مسلمین۔ (پ ۱۹ النمل ۳۱)

ترجمہ۔ عذر نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکم بردار ہو کر۔

ملکہ نے پھر اپنی افواج سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا ہم تیرے حکم پر حاضر ہیں ملکہ نے انہیں جنگ کے ہولناک انجام کی بات کہی اور بہت سا مال اور تحفے تحائف حضرت سلیمان کی خدمت میں بھیج دیئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جواب میں کہا :۔

فما اٰتانِ اللہ خیر ممّا اٰتاکم بل انتم بھدیتکم تفرحون۔

(پ ۱۹ النمل ۳۶)

ترجمہ۔ سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے۔ بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہو رہے ہو۔

پھر ایک روحانی قوت سے ملکہ کا تخت اس کے آنے سے پہلے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔ یہ پل بھر میں وہاں تخت کا پہنچ جانا بتلا رہا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس صرف مادی دولت ہی فراواں نہیں۔ آپ کا دربار روحانی قوتوں سے بھی پُورا آراستہ ہے۔

جب ملکہ خود وہاں آئی تو اپنا تخت دیکھ کر حیران رہ گئی اور جب محل میں داخل ہونے لگی تو شیشے کے بنے میدان کو پانی کا حوض سمجھا۔ ملکہ نے خدائی قُدرت کے ان حالات کو دیکھا۔ اسے اپنی درماندگی اور عجز سمجھ میں آگیا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دین پر آگئی اور مانی کہ اللہ رب العزت ہی سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

(۲) چیونٹیوں کے صدر کی بات سُن کر آپ مُسکرا دیئے

حضرت سلیمان کا لشکر جارہا تھا جن میں انسان جنات اور ہوا کی مخلوق سبھی تھے جب یہ لوگ چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے تو ملکہ چیونٹی نے دوسریوں سے کہا۔

یاایھا النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان وجنودہ وھم لا یشعرون۔ (پ۱۹ النمل ۱۸)

ترجمہ. اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ. نہ کچل ڈالے تم کو سلیمان اور ان کے لشکر اور ان کو خبر بھی نہ ہو.

حضرت سلیمان یہ سُن کر مسکرا پڑے اور اللہ کے حضور میں کلماتِ شکر بجالاتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے نیک بندوں میں داخل ہونے کی دُعا کی. اس قصہ میں کتنے حقائق دبے ملے:۔

(۱) چیونٹی جیسی چھوٹی مخلوق بھی ایک نظام سے چل رہی ہے اور اُن کی بھی کوئی ملکہ ہوتی ہے۔

(۲) ملکہ اپنے تجربہ اور اپنی بصیرت میں ان میں بڑی ہوتی ہے.

(۳) اس ملکہ نے کہا اندیشہ ہے کہ تم روند نہ دی جاؤ — ایسا ہوا بھی تو یہ صرف بے خبری میں ہوگا. حضرت سلیمان (بوجہ پیغمبر ہونے کے) اور ان کے ساتھی (بوجہ صحابہ ہونے کے) جان بُوجھ کر تم پر ظلم نہ کر سکیں گے.

(۴) قرآن کریم پیغمبروں کو ان کے صحابہؓ کے جلو میں رکھتا ہے اور انہی سے آگے اُن کی راہ چلتی ہے:۔

لقد کان لکم اسوۃ فی ابراھیم والذین معہ. (پ۲۸ الممتحنہ۴)

ترجمہ. بیشک تمہارے لیے ابراہیم میں اور ان کے صحابہ میں ایک نمونہ عمل ہے.

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم (پ۲۶ الفتح ۲۸)

ترجمہ. محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے بھاری ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ.

مقامِ عبرت

چیونٹیوں جیسی ادنیٰ مخلوق بھی اتنا علم ضرور رکھتی ہے کہ کسی پیغمبر کے صحابی جان بُوجھ کر

کسی پر زیادتی نہ کریں گے مگر افسوس کہ بعض انسان اس بات کو نہ سمجھ پائے کہ حضرت خاتم النبیینؐ کے صحابی کسی دُنیا طلبی میں کسی سے خلافت غصب نہ کر سکیں گے۔

③ جنّات کے ہاتھوں بیت المقدس کی تعمیر

ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ ط ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر یعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب و قدور الراسیات ط اعملوا آل داؤد شکرًا و قلیل من عبادی الشکور۔ (پ۲۲ سبا ۱۳)

ترجمہ۔ اور جنوں میں کتنے ہی تھے جو سلیمان کے حضور اس کے پروردگار کے اذن سے کام پر لگے ہوتے تھے اور جو کوئی ان میں سے پھرے ہمارے حکم سے تو اسے ہم آگ کا عذاب چکھائیں گے وہ جن بناتے تھے ان کے لیے جو حضرت سلیمان چاہیں قلعے اور تماثیل اور بڑے بڑے لگن جیسے تالاب ہوں اور بڑی بڑی دیگیں چولہوں پر رکھی جو اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ کام کرو داؤد کے گھر والو احسان مان کر اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں احسان ماننے والے۔

اس سے پتہ چلا کہ جن بھی انسانوں کی طرح کام کرتے ہیں اور ان کے کام مادیات سے بھی ملوث ہوتے تھے۔ ان کا انسانوں کے کام کرنا اذنِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ان پر عامل کی توجہ بندھی رہے ـــ اللہ تعالیٰ جن کے لیے جنوں سے کام لے لیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا ضروری ہے۔

④ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بدن بعد الوفات بھی قائم رہا

حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے بیت المقدس بنوا رہے تھے۔ ابھی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ انہیں سفرِ آخرت پیش آگیا۔ آپ نے اللہ کی ملاقات کو اپنے کام کی تکمیل سے مقدم جانا

اور سفرِ آخرت کے لیئے ہاں کر دی. آپ اپنے عصا کے سہارے اس طرح کھڑے ہوئے کہ وزن عصا پر رہے اور آپ گِر نہ پائیں. جنات آپ کو کھڑا دیکھ کر یہی سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں اور ان کے کام کی نگرانی کر رہے ہیں. وقت گزرتا گیا اور ان کے بدن میں کوئی تغیر نہ آیا یہاں تک کہ عصا کی لکڑی کو گھن لگا اور وہ نیچے گری تو آپ کا بدن بھی زمین پر آگیا.

فلمّا قضینا علیہ الموت مادلّھم علیٰ موتہ الّا دابّۃ الارض تأکل منسأتہ فلمّا خرّ تبیّنت الجنّ ان لو کانوا یعلمون الغیب مالبثوا فی العذاب المھین. (پ ۲۲ السبا ۱۴)

ترجمہ: پھر جب ہم نے اس پر موت کا فیصلہ کیا نہ بتلایا جنات کو اس کا مرنا مگر گھن کے کیڑے نے وہ اس لاٹھی کو کھاتا رہا. پھر جب آپ گر پڑے تو جنوں کو پتہ چلا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی تکلیف میں نہ پڑے رہتے.

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جن علم غیب نہیں رکھتے ہاں اُن کی اُڑان بہت اونچی ہے اور سرعتِ رفتار بھی اپنی جگہ حیرت افزا. یہ آسمانوں کے قریب ہو کر یا دُنیا میں گھوم پھر کر کچھ حالات معلوم کر لیتے ہیں. جو علم اس طرح حاصل ہو اسے علم غیب نہیں کہتے. کیونکہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے: علم غیب وہ ہے جو از خود ہو کسی کا بتایا ہوا نہ ہو.

اس قصّہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ انبیاء کے ابدان تغیّر اور گلنے سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے نبیوں کے جسموں کو کھائے.

حضرت زکریّا علیہ السلام

حضرت زکریا حضرت یحییٰ کے والد تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تھوڑا عرصہ پہلے ہوئے. حضرت مریم کی والدہ (حنہ بنت فاقوذ) جب اپنی بچی کو بیتُ المقدس کے لیے چھوڑنے آئیں تو حضرت زکریا علیہ السلام اس وقت بیت المقدس کے خدمت گزاروں میں سے تھے اور حضرت مریم کے وہی کفیل بنے.

فتقبلها ربها بقبول حسنٍ وانبتها نباتًا حسنًا و کفلها زکریا ط کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندھا رزقا قال یامریم انّٰی لكِ ھذا قالت ھومن عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔

(پ۳ آل عمران ۳۷)

ترجمہ۔ پھر قبول کرلیا مریم کو اُس کے رب نے اچھا قبول کرنا اور بڑھایا اسے اچھا بڑھانا اور سپرد کی وہ زکریا کو۔ جب وقت زکریا اس کے پاس محراب میں آتے تو پاتے اس کے پاس کچھ (خلافِ موسم) کھانے۔ آپ نے کہا اے مریم! یہ کہاں سے؟ مریم نے کہا یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بغیر حساب کے دیتے ہیں۔

یہاں بغیر حساب سے مراد بغیر اسباب عادیہ ہے۔ محض اپنی قدرت کے اظہار سے۔ یہ خلاف موسم نقشہ دیکھ کر حضرت زکریا نے بھی اللہ تعالیٰ سے خلافِ موسم ایک طلب کی ـــــ بڑھاپے میں جوانی کا پھل چاہا۔ بیٹا مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ دُعا قبول کرلی۔ ان کی اہلیہ کو بڑھاپے میں جننے کے لائق کردیا اور حضرت زکریا کو یحییٰ کا نام کا بیٹا دیا۔

حضرت زکریا نے خدا سے نشان چاہا کہ بچہ کب سے اپنی منزل میں آلگا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کسی سے تین رات کلام نہ کرسکو گے :۔

قال رب اجعل لی اٰیۃ ط قال اٰیتك الا تکلم الناس ثلٰث لیالٍ سویًا۔

(پ۱۶ مریم ۱۰)

ترجمہ۔ عرض کی اے میرے رب! مجھے کوئی نشانی دے۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین رات دن لوگوں سے کلام نہ کرسکے باوجود تندرست ہونے کے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک یحییٰ نامی بیٹا دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان نبیوں میں سے ہیں سے ہیں جنہیں بچپن میں نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا پُوری قوت سے تورات کو سنبھالنا :۔

یا یحیٰی خذ الکتاب بقوۃ واٰتینٰہ الحکم صبیًا۔ (پ۱۶ مریم ۱۲)

ترجمہ: اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط طور پر تھام لے اور ہم نے اسے بچپن میں ہی نبوت دے دی.

آپ نے حضرت عیسیٰ کے آنے کی خبر دی اور ان کی آمد کی راہ ہموار کی.

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونس سرزمین موصل میں اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے. وہاں کے لوگ بت پرست تھے. حضرت یونس انہیں سالہا سال تبلیغ کرتے رہے. انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی ایک نہ سنی. پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس کو خبر دی کہ ان پر تین دن کے اندر عذاب اُترنے والا ہے. حضرت یونس کے وقائع حیات یاد رکھنے کے لائق ہیں:

(۱) حضرت یونس کی قوم کا اُترتے عذاب کو دیکھنا.

(۲) حضرت یونس کا مچھلی کے پیٹ میں چلے جانا اور وہاں زندہ رہنا.

پہلا واقعہ سورہ یونس اور دوسرا پ۲۳ صافات میں دیا گیا ہے.

قوم یونس نے سامنے عذاب اُترتے دیکھا مگر وہ ابھی اس میں ملوث نہ ہوئے تھے کہ وہ حضرت یونس پر ایمان لے آئے اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی. فرعون نے بھی توبہ کی تھی اور وہ بھی رب موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا لیکن کب؟ جب عذاب اس پر اُتر چکا تھا اور وہ غوطے کھا رہا تھا. اس وقت کا ایمان معتبر نہیں. لیکن عذاب اگر صرف دیکھا ہوا ور لوگ ابھی اس میں گھرے نہ ہوں اور وہ قومی سطح پر اپنے نبی پر ایمان لے آئیں تو یہ ایمان یاس نہیں اللہ کے ہاں لائق قبول ہے. قوم یونس پر یہی حالت آئی تھی.

حضرت یونس علیہ السلام کا وہاں سے نکلنا اسی یقین سے تھا کہ قوم اب بھی ایمان نہ لائے گی اور عذاب اُن پر آکر رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اس بستی سے نہ نکلنے کا کوئی حکم نہ تھا. سو ان کا وہاں سے جلد نکل پڑنا اللہ کے کسی حکم کا خلاف نہ تھا. نہ اس لیے خدا نے اس قوم سے عذاب اُٹھالیا تھا کہ حضرت یونس وہاں سے جلد نکل پڑے تھے.

(استغفر اللہ العظیم)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح لکھتے ہیں :۔

جب تیسری شب آئی یونس علیہ السلام آدھی رات گذرنے پر بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ صبح ہوتے ہی آثارِ عذاب نظر آنے لگے۔ آسمان پر نہایت ہولناک اور سیاہ بادل چھا گیا جس سے سخت دھواں نکلتا تھا وہ ان کے مکانوں کے قریب ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی چھتیں بالکل تاریک ہوگئیں۔ یہ آثار دیکھ کر جب انہیں ہلاکت کا یقین ہوگیا تو یونس کی تلاش شروع ہوئی وہ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں بچوں سمیت بلکہ مواشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل کی طرف نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے خوف سے چیخیں مارتے تھے اور بڑے اخلاص و تضرع سے خدا کو پکار رہے تھے چاروں طرف آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور کہتے جاتے تھے اٰمنا بما جاء بہ یونس جو کچھ یونس علیہ السلام لاتے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں حق تعالیٰ نے ان کے تضرع اور بکاء پر رحم فرمایا اور آثارِ عذاب جو ہویدا ہو چکے تھے اُٹھا لیے گئے۔۔۔۔۔ ابھی اصلی عذاب کا معائنہ ان کو نہ ہوا تھا صرف علامات و آثار نظر آئے تھے ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے۔ ایمان یأس جو معتبر و مقبول نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ عین عذاب کو دیکھ کر اور اس میں پھنس کر ایمان لائے جیسے فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا [1]

فلولا کانت قریۃ اٰمنت فنفعہا ایمانہا الا قوم یونس ط لما اٰمنوا کشفنا عنہم عذاب الخزی فی الحیٰوۃ الدنیا و متعناھم الیٰ حین (پ۱۱ یونس)

ترجمہ پھر کیوں نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتے پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر ایسا صرف قوم یونس پر ہوا جب وہ ایمان لائے ہم نے ان سے دنیا میں رسوائی کا عذاب اُٹھا لیا اور انہیں ایک وقت تک مہلت دی۔

---

[1] فوائد القرآن صـ۲۸۴

حضرت یونس کا دوسرا واقعہ

وان یونس لمن المرسلین ۝ اذ ابق الی الفلک المشحون ۝ فساھم فکان من المدحضین فالتقمہ الحوت وھو ملیم ۝ (پ ۲۳ الصافات)

ترجمہ۔ اور بے شک یونس ہے رسولوں میں سے۔ جب وہ بھاگ کر پہنچا بھری کشتی پر۔ پھر قرعہ ڈلوایا تو وہ نکلا خطاوار۔ پھر لقمہ کیا اسے مچھلی نے اور وہ اپنے کو ملامت کر رہا تھا۔ پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو تو وہ رہتا اسی کے پیٹ میں اس وقت تک کہ مُردے اٹھائے جائیں گے۔ پھر ڈال دیا ہم نے اس کو ایک چٹیل میدان میں اور وہ بیمار ہو گیا تھا اور اُگا دیا ہم نے اس پر ایک درخت بیل والا۔

یہ واقعہ کس طرح پیش آیا پ انبیاء میں اسے اس طرح دیا گیا ہے۔

وذاالنون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادیٰ فی الظلمت ان لاالٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین۔ (پ انبیاء)

ترجمہ۔ اور یاد کرو مچھلی والے پیغمبر کو جب وہ (اپنی قوم سے) نکل گیا غصے ہو کر پھر سمجھا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے (اور اسے اپنی قوم میں جانا نہ ہوگا) پس اس نے ان اندھیروں میں آواز دی اور آیت کریمہ پڑھی۔

حضرت یونس علیہ السلام کا بستی سے نکل آنا کسی حکم خداوندی کے خلاف نہ تھا لیکن ان کا بدون اذنِ الٰہی ان لوگوں سے غصے ہو کر نکل آنا گو اس پر موقوف تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب اُترنے کی خبر دے چکے تھے۔ لیکن پھر بھی یہ ادبِ خداوندی کے خلاف تھا کیونکہ وہ بھیجے تو اسی قوم کی طرف گئے تھے ـــ ان سے نکلنا انہیں کسی طرح زیبا نہ تھا۔ انہوں نے کشتی میں بیٹھ کر جہاں جانا چاہا انہیں وہاں جانے کا کوئی حکم خداوندی نہ تھا

اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ادب کے خلاف جانا اور حضرت یونس علیہ السلام پر یہ آزمائش کی گھڑی آ گئی۔ اپنے مالک سے بھاگے ہوئے ہونے سے مراد بدون اذنِ الٰہی ان سے نکل آنا ہے

حضرت شیخ الاسلام فظن ان لن نقدد علیہ پر لکھتے ہیں :۔

یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے۔ ایسا خیال تو ایک ادنیٰ مومن بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ صورت حال ایسی تھی جس سے یوں مترشح ہو سکتے۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ اور جلالتِ شان ظاہر ہوتی ہے۔ [۱]

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقائع حیات اُن کے پورے خاندان کے وقائع حیات کے ساتھ ذکر کیے گئے۔ آل عمران آپ کے ہی خاندان کا نام ہے آپ کے جو قصص و وقائع عمل میں آچکے وہ بجا لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کے پُورے وقائع حیات ابھی کہیں دیئے نہیں جا سکتے۔ کیونکہ آپ کی زندگی کا ایک حصہ باقی ہے۔ آپ جب قیامت کا ایک نشان ہو کر ظاہر ہوں گے تو یہ ان کی زندگی کے تیسرے حصے کا آغاز ہو گا۔

۱۔ پہلی زمینی زندگی۔ ۲۔ آسمان میں دوسری زندگی ۳۔ آخری زمینی زندگی

اور آپ کی آخرت کی چوتھی زندگی وہ ہو گی جب آپ اللہ کے حضور پیش ہوں گے اور وہ یہاں دُنیا میں کیے گئے اعمال کے متعلق پُوچھے گا۔

دنیا میں حضرت عیسیٰ کے وقائع اس طرح گزرے :۔

① حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور ان کا ماں کی گود میں کلام کرنا۔
② بن باپ پیدائش میں ان کا آدم کی مثال بننا۔
③ آپ پر انجیل کیسے اُتری پُوری ایک دفعہ یا تھوڑی تھوڑی۔
④ حضرت عیسیٰ کو اپنے مخالفین پر غلبے کی بشارت کیا دی گئی۔
⑤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سُولی نہیں دیئے گئے۔

---

[۱] تفسیر عثمانی ص ۴۲۶

ان قصوں کو تفصیل سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ ان کی زندگی ابھی پوری نہیں ہوئی ہم یہاں ان تفصیلات کو نہیں لا رہے۔ اس پر ہم قصص القرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

حضرت عیسےٰ کے وقائع حیات کیوں پورے نہ کیے گئے

علمِ الٰہی میں مقدر تھا کہ دنیا اپنی آخری کروٹ لینے سے پہلے ایک دفعہ پورے عدل و انصاف سے جگمگائے۔ جس طرح کبھی یہ ظلم و جور سے بھری رہی۔

یہ بھی مقدر تھا کہ دنیا کا وہ آخری امام المہدی ہوگا اور اس کے دور میں پورے صفحہ کائنات پر اسلام کا حقیقی غلبہ ہوگا اور کوئی باطل اس وقت حق کا سامنا نہ کر سکے گا۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیر کے ایسے آثار تو کسی پیغمبر کے دور میں بھی نہیں دیکھے گئے کہ پوری دنیا انصاف سے بھر گئی ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں ایسا ہوا۔ لیکن یہ ایک نہایت مختصر آبادی کی جلوہ ریزی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس سے مرتبہ امامت کی مرتبہ نبوت پر برتری کا ایہام تو نہیں ہوتا؟

حضرت عیسےٰ جو اسرائیلی پیغمبر تھے ان کا دوبارہ آنا

اللہ تعالیٰ نہ چاہتے تھے کہ مرتبہ نبوت پہ کوئی اور مرتبہ فائق ہو اس لیے ایک پچھلے پیغمبر کو آسمانوں پر رکھا اور اسے حیاتِ طویل بخشی جو قربِ قیامت میں شریعتِ محمدی کے ساتھ اس زمین پر دوبارہ آئے اور دنیا کی باطل طاقتیں جن کا مرکز اس وقت دجال ہوگا ان کے ہاتھوں پامال ہوں دجال ان کے ہاتھوں قتل ہو۔ صلیب ان کے ہاتھوں ٹوٹے کہ پھر اس کا کوئی پرستار نہ ہو۔ خنزیر کا کھایا جانا کلیتہً ختم ہو جائے۔ جزیہ کسی قوم پر نہ رہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے سوا یہاں اس وقت کوئی اور قوم نہ ہوگی۔ یاجوج و ماجوج سب ختم ہو جائیں گے۔

دنیا کا وہ آخری انقلاب صرف حضرت مہدی کے ہاتھوں وجود میں نہ آئے گا بلکہ اُن کے ساتھ حضرت حضرت عیسیٰ بن مریم بھی خدا کے جلال کی تلوار بن کر چمکیں گے اور وہ بھی حضورؐ کے متبع ہونے کے دعوے سے تاکہ حق و باطل کے معرکے کی یہ آخری فتح حضورؐ کی طرف منسوب

ہو اور اب کسی کو یہ کہنے کا حق نہ رہے۔

" دنیا میں جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلینؐ جو انسان کی اصلاح اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے وہ بھی اپنے زمانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ عدل و انصاف کے نفاذ میں کامیابی امام مہدی کے نام لکھی گئی"۔ دیکھیئے اتحاد و یکجہتی ص۱۵

حضرت عیسیٰ کا دوبارہ آنا اس لیے مقدر ہوا کہ کہیں مرتبۂ امامت مرتبۂ نبوت سے نہ بڑھ جائے۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے وہ وقائع حیات پورے نہ ہو پائے تھے۔ اس لیے ہم اب قصص القرآن کے مباحث کو یہاں ختم کرتے ہیں۔

الاصحاب المذکورون فی الکتاب

الحمدللہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

قرآن کریم میں کئی قوموں کے واقعات اصحاب کے عنوان سے ملتے ہیں جیسے اصحاب مدین، اصحاب الایکہ۔ اصحاب الحجر، اصحاب السبت۔ اصحاب الرس، اصحاب الاخدود۔ اصحاب الجنۃ اور اصحاب الفیل وغیرہ۔ ان کے واقعات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ مختلف ادوار میں کون کون سی قومیں صفحۂ زمین پر اُبھریں، یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ ان کا نام و نشان تک بھی مٹ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی بعض قوموں کا تذکرہ نہایت عبرت کے پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے بعض کا ذکر ان کی تاریخی ترتیب کے بغیر کرتے ہیں۔

کچھ وہ تذکرے ہیں جو قوموں کے نام سے ہیں جیسے قوم عاد قوم ثمود۔ قوم تبع، قوم بنی اسرائیل اور کچھ ہیں جو شخصیات ہیں جیسے ذوالقرنین، حضرت لقمان صاحب علم لدنی، حضرت خضر اور ہامان اور فرعون اور قارون وغیرہ — قرآن کریم کے طلبہ کو ان میں سے ہر ایک کا کچھ نہ کچھ علم ہونا چاہیئے تاکہ وقائع عالم کے جس پس منظر پر قرآن کریم کی ہدایت اُتری وہ اسے اچھی طرح جان اور سمجھ سکیں، شاید ہم اس وقت ان مختلف قوموں اور شخصیتوں پر تبصرہ نہ کرسکیں۔ آج کے بیان میں ان اقوام کا تذکرہ ہوگا جو مختلف قرون میں اصحاب کے نام سے اُبھریں اور قرآن کریم نے انہیں اصحاب کے نام سے ہی ذکر فرمایا ہے جیسے اصحاب الایکہ (اصحاب مدین) اور اصحاب الجنۃ

(۱) اصحاب الایکہ (جھنڈ والے)

عربی میں ایکہ سبز جھاڑیوں کے جُھنڈ کہتے ہیں۔ جھنڈ جنگلوں میں عام ہوتے ہیں، بحرِ قلزم کے کنارے عرب کے شمال مغرب میں ایک بستی تھی جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد جو آپ کی بیوی قطورہ سے چلی آباد تھی۔ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام مدین تھا اور اس کی اولاد ہی

یہاں آباد ہوئی۔ انہیں اس نسبی امتیاز سے اہل مدین (یعنی آل مدین) بھی کہا گیا ہے اور باعتبار مسکن یہ اصحاب الایکہ کہلاتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام انہی میں سے تھے اور انہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہیں حضرت موسیٰ بھی کچھ وقت آکر ٹھہرے تھے۔

نوٹ ۱:۔ چار پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت قریب کی نسبت رکھتے ہیں۔ حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت لوط (آپ کے برادر زادہ) اور حضرت شعیب جو بنی قطورہ میں سے تھے۔ شام اور فلسطین میں حضرت اسحٰق، عرب میں حضرت اسماعیل، شرقِ اُردن کی جانب عامورہ اور سدوم کی بستیوں میں حضرت لوط اور حجاز کے شمالی کنارے کا علاقہ حضرت شعیب کا میدانِ عمل تھا۔ پھر اس میں جو علاقے متمدن تھے وہاں کے رہنے والوں کو اہلِ مدین کہا گیا۔ اور بستی کے رہنے والوں کو اہلِ ایکہ کہا جاتا تھا۔ کیونکہ درختوں کے زیادہ جھنڈ ادھر ہی تھے۔ سو اصحابِ مدین اور اصحابِ ایکہ دراصل ایک ہی لوگ ہیں یہ دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھے۔

وان کان اصحاب الایکۃ لظٰلمین۔ فانتقمنا منھم وانھما لبامامٍ مبین۔

(پ۱۴ الحجر۹۷)

ترجمہ۔ اور تحقیق تھے بَن کے رہنے والے گنہگار، سو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور وہ دونوں بستیاں ایک کھلے راستہ پر واقع تھیں

سورۂ ہود میں اس قوم سے حضرت شعیب کا خطاب بایں طور منقول ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن پر عذاب آنے سے پہلے قوم نوح، قوم ہود، قوم ثمود اور قوم لوط پر عذاب آچکا تھا اور اب اصحابِ مدین بھی اس محرومی میں پڑے جہاں قوم ثمود جا چکی تھی۔

آپ نے فرمایا:۔

ویٰقوم لایجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوح اوقوم ھود اوقوم صالح وما قوم لوطٍ منکم ببعید..... ولما جاء امرنا نجّینا شعیبًا والذین اٰمنوا معہ برحمۃ منّا واخذت الذین ظلموا الصیحۃ فاصبحوا فی

فی دیارھم جثمین. کان لم یغنوا فیھا الا بعداً لمدین کما بعدت ثمود۔

(پ ۱۲ ہود ۸۹-۹۴)

ترجمہ. اور اے میری قوم ضد تمہیں اس مقام پر نہ لے آئے کہ تم پر بھی وہی مار پڑے جو پہلے قوم نوح. قوم ہود. قوم صالح پر پڑ چکی ہے اور قوم لوط بھی تم سے کچھ دُور نہیں رہی ..... اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے انہیں اپنی رحمت سے بچالیا اور ان ظالموں کو (اصحاب الایکہ کو) ایک ہی چیخ نے پکڑا اور وہ اوندھے گرے گویا وہاں وہ کبھی بسے ہی نہیں سُن لو پھٹکار ہے اہل مدین کو جیسے پھٹکار پڑی قوم ثمود پر۔

اس سیاق سے اس قوم کی تاریخی حیثیت کا پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے کتنی قومیں ہو چکی تھیں اور یہ کہ حضرت شعیب اُن کی طرف مبعوث ہوئے تھے.

نوٹ ۲ اس چیخ سے یہ قوم تو ہلاک ہو گئی لیکن یہ بستیاں منہدم نہ ہوئی تھیں۔ اس واقعہ کے مدتوں بعد جب حضرت موسیٰ وہاں سے گزرے تو آپ نے وہاں ایک کنویں پر لوگوں کو پانی بھرتے دیکھا۔

ولما ورد ماء مدین وجد علیہ امّۃً من الناس یسقون (پ ۲۰ القصص ۲۳)

ترجمہ. اور آپ جب ماء مدین پر پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں کو کنویں پر موجود پایا.

مدین کے وہ بزرگ جو بعد ازاں حضرت موسیٰ کے سسر بنے حضرت شعیب تھے یا ان کے بھتیجے یثرون یا یثرو جیسا کہ تورات میں ہے. اس میں علماء اسلام کا اختلاف ہے. حضرت حسن بصری رح کہتے ہیں وہ حضرت شعیب ہی ہیں. ابو عبیدہ کہتے ہیں وہ یثرون تھے. قرآن کریم میں اس شیخ کبیر کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ میں وقت کا بہت فاصلہ ہے. حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر حضر موت میں بتائی جاتی ہے. اہل مدین کی ہلاکت کے بعد آپ یہیں آکر آباد ہو گئے تھے.

② اصحاب القریہ (ایک بستی والوں کا تذکرہ

قرآن کریم پ۲۲ سورۂ یٰسین آیت ۱۳ میں ان بستی والوں کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کے سامنے ان بستی والوں کا ذکر کریں کہ اُن پہ کیا گزری۔ یہ کس شہر اور کس دور کا واقعہ ہے اس میں بہت اختلاف ہے۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔

یہ گاؤں اکثر کے نزدیک شہر انطاکیہ ہے اور بائبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ کچھ تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے۔ لیکن ابن کثیر نے تاریخی حیثیت سے اور سیاقِ قرآن کے لحاظ سے اس پہ اعتراض کیئے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت جن شہروں اور علاقوں میں پہنچی اور وہاں کے لوگوں نے اچھی تعداد میں اسے قبول کیا ان کے ہاں وہ چار شہر مقدس سمجھے جاتے ہیں۔ ۱۔ بیت المقدس، ۲۔ انطاکیہ، ۳۔ اسکندریہ، ۴۔ روما، جسے آج کل اٹلی کہتے ہیں اور وہ پوپ کا مسکن ہے۔ انطاکیہ (شام) کے لوگ حضرت عیسیٰ کی دعوت پر سب مسلمان ہو گئے تھے۔

قرآن پاک اصحاب القریہ کو پیغمبروں سے ٹکرانے والوں میں ذکر کرتا ہے۔ اگر یہ انطاکیہ کا واقعہ ہے تو ان پیغمبروں کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے کا ہو گا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تو صرف حضور خاتم النبیینؐ کی ہی بعثت ہوئی ہے اور کسی پیغمبر کا پتہ نہیں ملتا۔

اس بستی میں پہلے دو رسول آئے اور پھر ان کی تائید میں ایک اور رسول بھیجا گیا۔ بستی والے ان تینوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور اعتراض کیا کہ تم ہمارے جیسے انسان ہو تم کیسے نبی ہو سکتے ہو ـــــ اُن کا اعتقاد تھا کہ بشر کبھی نبوت و رسالت کا منصب نہیں پا سکتا۔ اس بنا پہ انہوں نے ان کی رسالت کا انکار کر دیا۔ اور کہا جب سے تم آئے ہو ہم نحوست میں گھِر گئے ہیں۔

اس بستی کے ایک سرے پہ ایک نیک آدمی رہتا تھا۔ اُسے اس صورتِ حال کا علم ہوا تو

وہ دوڑتا ہوا موقع پر آیا اور انہیں نصیحت کی کہ ان پیغمبروں کی بات مان لو۔ ان کی یہ مخلصانہ دعوت بایں طور کہ انہیں دُنیا کا کوئی لالچ نہیں بتا رہی ہے کہ یہ واقعی خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور وہ ان کی دعوت پر خود بھی ایمان لے آیا۔

جو تینوں کے منکر ہوں وہ بھلا اس چوتھے کی بات کیوں کر مان سکتے تھے انہوں نے اسے بھی مار ڈالا۔ وہ چوتھا بظاہر تو ان میں سے تھا۔ لیکن یہ اپنے کی بات ماننے والے بھی نہ تھے۔ شہید کو تو اس شہادت حق پر جو اعزاز ملا اس پر وہ حسرت سے کہنے لگا۔ کاش! میری قوم جان لے کہ مجھے خدا نے اس پر کیسا نوازا ہے۔

پھر اس پُوری قوم نے ایک زبردست چیخ سُنی۔ یہ اُن پر ایک عذاب تھا جو اُترا اور وہ سب بُجھ گئے۔ ساری شوخی جاتی رہی۔ اسی وقت ہلاک ہو گئے۔

ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم خمدون۔ (پ۲۳ یٰسین ۲۹)

یاد رکھنے کے لائق ایک نکتہ

اس تمام واقعہ میں ان بھیجے ہوؤں کے لیے مرسلون کا لفظ ہی آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے کہ انہیں ہم نے بھیجا۔ ان تینوں کا ایک جگہ جمع ہونا بتلاتا ہے کہ یہ مستقل شریعتوں کے حامل رسول نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی نبی کی نیابت میں ان بستی والوں کے پاس بھیجا تھا۔ یہ وہ رسول ہیں جو انبیاء کے درجہ اور ان کے حکم میں ہیں۔ یہ اس معنی میں رسول نہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعتِ جدیدہ لاتے ہیں۔ اس اصطلاح میں پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہوئے ہیں۔ اس درجے کے رسول صرف ۳۱۳ ہوئے ہیں اور انبیاء ایک لاکھ اور کئی ہزار۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ رسول اور رسول میں بھی فرق ہے کبھی لفظ مطلق انبیاء کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔

تورات کو لے کر چلنے والے رسُول

بنو اسرائیل کی شریعت تورات تھی۔ آیندہ کے سب اسرائیلی نبی اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

انا انزلنا التوراة فیھا ھدًی و نور یحکم بھا النبیون۔ (پ المائدہ)

پھر بنو اسرائیل قتلِ انبیاء کے بھی مرتکب ہوئے۔ ان کے بارے میں قرآن کریم نے خبر دی:۔

یقتلون النّبیین۔ (پ البقرہ)

اور دوسرے مقام پر اس قتلِ انبیاء کی یُوں حکایت فرمائی:۔

افکلما جاء کم رسول بما لا تھوٰی انفسکم فریقًا کذبتم و فریقًا یقتلون۔

(پ البقرہ ۸۷)

ترجمہ: پھر بھلا جب تمہارے پاس کوئی رسول آیا وہ حکم لے کر جو تمہیں پسند نہ لگا تو تم کچھ پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے اور کچھ رسولوں کو قتل کرتے رہے۔

یہاں رسول وہی مراد ہیں جو حضرت موسیٰ کے بعد آئے اور وہ شریعتِ تورات لے کر چلے ــــ ان رسولوں میں اور صاحب شریعتِ جدیدہ رسولوں میں بہت اصولی فرق ہے۔ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے۔

اصحاب القریہ کے ذکر میں نصیحت و موعظت

(۱) یہ عقیدہ کہ بشریت اور رسالت میں تنافی ہے غلط ہے یہ کسی کو مسلمان ہونے نہیں دیتا۔

(۲) اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء انسانوں میں سے آتے ہیں اور انسان ہوتے ہیں حضرت عیسیٰ بھی انسان تھے خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے۔

(۳) پیدا کرنیوالے پر اور آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے انبیاء اسی لیے آتے ہیں۔

۳۰ اصحاب السبت (ہفتے والے لوگ)

جس طرح ہم مسلمان جمعہ والے لوگ کہے جاتے ہیں یہود ہفتے والے لوگ ہیں۔ ان کی عبادت کا خاص دن ہفتہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں یہ خاص دن جمعہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کی یہ پیروی حضور خاتم النبیینؐ کی امت میں رکھی اور یہود کے لیے ہفتہ کا دن عبادت کا خاص دن ٹھہرایا اور عیسائیوں کے لیے اتوار کا دن مقدس ٹھہرایا۔ تورات میں ہے :۔

تم سبت کو ماننا اس لیے کہ وہ تمہارے لیے مقدس ہے۔ جو کوئی اس کو پاک نہ جانے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔ جو اس میں کچھ کام کرے وہ اپنی قوم سے کٹ جائے چھ دن کام کرنا لیکن ساتواں دن آرام کے لیے سبت ہے۔[۱]

یہاں اصحاب سبت سے پوری قوم بنی اسرائیل مراد نہیں بلکہ ان کی وہ جماعت جو بحرِ قلزم کے کنارے آباد تھے۔ مچھلی کا شکار ان کا پیشہ تھا۔ یہ لوگ چھ دن مچھلی کا خوب کاروبار کرتے اور ساتویں دن آرام کرتے اور عبادت میں وقت گزارتے۔

اُدھر خدا کی آزمائش تھی کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی میں خوب آتیں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ہاتھ سے بھی پکڑ سکتے۔ اب بعض نے یہ حیلہ تراشا کہ دریا کے کنارے بڑے بڑے گڑھے کھود دیئے جب مچھلیوں کا اُبھار آتا تو مچھلیاں ان گڑھوں میں آ گرتیں اور جب پانی اُترتا تو وہ واپس دریا میں نہ جا سکتیں اور پھر یہ اتوار کے دن ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔

سورۃ اعراف میں ہے :۔

واسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر اذ يعدون في السبت۔

(پ۹ الاعراف ۱۶۳)

ترجمہ۔ اور آپ ان سے اس بستی والوں کا حال پوچھیں جو دریا کے کنارے آباد تھی اور یہ لوگ ہفتے کے دن اپنی حد سے تجاوز کرنے لگے ہفتہ کے دن مچھلیاں

پانی کے اُوپر آتیں اور جب ہفتہ نہ ہوتا یہ نہ آتیں۔ . . . پھر جب وہ بڑھنے لگے
اس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے. تو ہم نے حکم دیا کہ تم بندر ہو جاؤ ذلیل ہو کر۔

یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے کا بتایا جاتا ہے اور اس کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیانی عرصہ میں کسی وقت کا ہے۔ اس بستی کا نام ایلہ ہے جو دریائے قلزم کے کنارے پر آباد تھی. اگر مصر سے مکہ کی طرف سفر کریں تو رستے میں یہ جگہ آتی ہے جہاں ان دنوں ایلہ کی بستی آباد تھی.

اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لے رکھا تھا کہ ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرنا اور ان سے نہایت پختہ عہد لیا تھا۔

وقلنا لهم لا تعدوا فی السبت واخذنا منهم میثاقاً غلیظاً (پ۶ النساء ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور ہم نے انہیں کہا کہ ہفتہ کے دن کوئی زیادتی نہ ہو پائے اور ہم نے ان سے نہایت پختہ عہد لیا تھا.

پ البقرہ ۶۵، پ۵ النساء ۴۷، پ۶ المائدہ ۶۰، پ۱۴ النحل ۱۲۴ میں بھی اس قوم کا کچھ مختصر ذکر موجود ہے۔

ایک غور طلب بات

کسی قوم پر جب کوئی عذاب آتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ کام اس قسم کا تھا کہ اس کے کرنے پر دھماکہ ہو. بسا اوقات اس میں نظر اس پر ہوتی ہے کہ کس قسم کا حکم توڑا جا رہا ہے. وہ اسے گناہ سمجھتے ہوئے یا اسے کسی حیلہ سے گناہ سے نکال کر اس حکم دینے والے کے حکم کو نہ ہونے کے درجے میں لایا جا رہا ہے — اس دوسری صورت میں یہ نہ صرف حکم عدولی ہے بلکہ حکم دینے والے سے ایک طور استہزاء بھی ہے۔ اگر یہ حکم اللہ رب العزت کا ہے تو یہ مسئلہ کبھی اس کی عزت کا موضوع بھی بن جاتا ہے۔

زیر بحث واقعہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کرنے کا اپنی ذات میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس

سے لاپرواہی لتنے بڑے عذاب کو دعوت دے کہ شکلیں مسخ ہو جائیں. لیکن یہ حیلہ جوئی خدا کی ذات سے اتنا بڑا مذاق ہے کہ اب یہ مسئلہ اس کی عبرت بن گیا اور ان لوگوں کی صورتیں مسخ کر دی گئیں.

دوسری غور طلب بات

یہ صورتوں کا مسخ ہونا حقیقۃً واقع ہوا یا اُن کی کے قلوب مسخ ہو کر بندروں کے سے ہو گئے حضرت قتادہ. حضرت ضحاک اور ربیع بن انس اس کے قائل ہیں کہ وہ سرکش لوگ صورۃً بندر بنا دیے گئے تھے قلباً تو وہ پہلے ہی بندر صفت تھے جس کے مطابق انہوں نے حیلے کی یہ راہ اختیار کی. اتنی بڑی سرکشی کے بعد ان کے قلوب کا مسخ ہونا ہمیں سمجھ میں نہیں آتا. سو صحیح یہی ہے کہ یہاں ان نافرمانوں کی سزا واقعی بندر اور سوّر بن جانا ہو تاکہ وہ دیکھنے والوں کے لیے نشانِ عبرت ہوں.

اللہ تعالیٰ نے جب انہیں سزا دی تو اسے اگلوں پچھلوں کے لیے موعظت بنایا اور ظاہر ہے کہ کسی کے دلی احوال تو دوسروں کے لیے کبھی موعظ عبرت نہیں ہوتے اور یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

فجعلنٰھا نکالاً لما بین یدیھا وما خلفھا وموعظۃ للمتقین. (پ البقرہ ۶۶)

ترجمہ. پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لیے جو وہاں تھے اور پیچھے آنے والوں کے لیے بھی.

پھر سورۃ اعراف آیت ۱۶۶ میں جب انہیں بندر ہونے کا حکم کُن دیا گیا تو ساتھ صفت خاسئین بھی ذکر فرمائی. یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں وہ بندر مراد ہیں جو دیکھنے والوں کی نظر میں بھی ذلیل نظر آئیں اور یہ مسخ حقیقی سے ہی ہو سکتا ہے پھر سورۃ المائدہ آیت ۶۰ میں فرمایا:-

من لعنہ اللہ وغضب علیہ وجعل منھم القردۃ والخنازیر وعبدالطاغوت اولئٰک شر مکاناً.

ترجمہ. وہ جس پر لعنت کی اللہ نے اور اس پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سوّر. اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں درجہ میں.

یہ بعضوں کی تقسیم کو کچھ بندروں کی صورت میں مسخ ہوئے اور کچھ سوروں کی صورت میں بتلاتی ہے کہ یہ صورتوں کا مسخ ہو جانا تھا اور قلباً تو اُن کا بدتر ہونا اُن کی بڑی مار تھا۔

تیسری غورطلب بات

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ جو بندر اور سور موجود ہیں، کیا یہ یہود کی نسل سے ہیں (جو مسخ ہوئے) آپ نے فرمایا:-

لا ان اللہ لم یلعن قوماً قط فیمسخھم فکان لھم نسل ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: نہیں اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی قوم پر مسخ کی لعنت نہیں کی کہ اس کی نسل کو اس نے باقی رکھا ہو، یہ جانور جانور خدا کی مستقل مخلوق ہیں۔

④ اصحاب الرس

یہ لوگ کب گزرے؟ پ۲۶ ق آیت ۱۲ میں ہے:-

کذبت قبلھم قوم نوح واصحاب الرس وثمود و عاد وفرعون واخوان لوط واصحاب الایکۃ وقوم تبع ۔

ترجمہ: جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح، اصحاب الرس، قوم ثمود اور فراعنہ مصر اور اخوان لوط اور اصحاب الایکہ اور قوم تبع۔

اس سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت پہلے کی قوم ہے جس کا ذکر عاد اور ثمود کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

وعاداً وثمود واصحاب الرس وقروناً بین ذلک کثیراً ۔ (پ۱۹ الفرقان ۳۸)

رس عربی زبان میں کنویں کو کہتے ہیں، اس سرکش قوم نے اپنے نبی کو ایک کنویں میں گرفتار کر رکھا تھا، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

ایک امت نے اپنے رسول کو کنویں میں بند کیا۔ پھر ان پہ عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا۔ (وہو مروی عن عکرمہ)

الرس کے معنی غار کے بھی ہیں۔ اس لیے بعض لوگوں نے اصحاب الرس سے اصحاب الاُخدود مراد لیے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ اصحاب الاخدود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں۔ ابن عساکر کہتے ہیں اصحاب الرس قوم عاد سے بھی پہلے کے ہیں۔ ان کی طرف جو پیغمبر آئے ان کا نام حنظلہ تھا مسعودی کہتے ہیں اصحاب الرس حضرت ابراہیم کے بعد ہوئے ہیں۔ یہ لوگ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے یہ اس طرح ہو تو ماننا پڑتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے بعد بنو اسمٰعیل میں بھی اور پیغمبر ہوئے جنہیں اصحاب الرس نے جھٹلایا۔ کیونکہ ان کا تذکرہ اس تکذیب انبیاء کے جرم میں ہی کیا گیا ہے۔

۵ اصحاب الکہف

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ر ہ) لکھتے ہیں۔ چند نوجوان روم کے ظالم وجبار بادشاہ کے عہد میں تھے جس کا نام بعض نے دقیانوس بتلایا ہے۔ بادشاہ سخت غالی بُت پرست تھا۔ اور جبر و اکراہ سے بُت پرستی کی اشاعت کرتا تھا۔ عالم لوگ سختی اور تکلیف کے خوف اور چند روزہ دنیوی منافع کی طمع سے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر بُت پرستی اختیار کرنے لگے ــــ اس وقت چند نوجوانوں کے دلوں میں جن کا تعلق عمائد سلطنت سے تھا۔ خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ ان کے دل خشیتِ الٰہی اور نورِ تقویٰ سے بھرپور تھے۔ حق تعالیٰ نے صبر و استقلال اور توکّل و تبتّل کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ بادشاہ کے روبرو جاکر انہوں نے نعرہ مستانہ لگایا۔

لن ندعوا من دونه الٰهاً لقد قلنآ اذاً شططاً ۔

ترجمہ۔ نہ پکاریں ہم اس ایک کے سوا کسی کو معبود، نہیں تو کہی ہم نے بات عقل سے دُور۔

اور ایمانی جرأت و استقلال کا مظاہرہ کر کے دیکھنے والوں کو مبہوت وحیرت زدہ کر دیا۔ بادشاہ کو کچھ ان کی نوجوانی پر رحم آیا (شاید اس لیے بھی کہ وہ عمائد سلطنت میں سے تھے) اور کچھ دوسرے مشاغل و مصالح مانع ہوئے کہ ان کو فوراً قتل کر دے۔ چند روز کی مہلت دی کہ وہ اپنے معاملہ میں غور و نظر ثانی کر لیں۔ انہوں نے مشورہ کر کے طے کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جب کہ جبر و تشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگا جانے کا خطرہ ہے۔ مناسب ہوگا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائیں اور واپسی کے لیے مناسب موقع کا انتظار کریں ـــ دُعا کی کہ خداوندا تو اپنی خصوصی رحمت سے ہمارا کام بنا دے اور رُشد و ہدایت کی جادہ پیمائی میں ہمارا سب انتظام درست کر دے۔ آخر شہر سے نکل کر کسی قریبی پہاڑ میں پناہ لی اور اپنے میں سے ایک کو مامور کیا کہ بھیس بدل کر کسی وقت شہر جایا کرے تا ضروریات خرید کر لا سکے اور شہر کے احوال و اخبار سے سب کو مطلع کرتا رہے۔

جو شخص اس کام پر مامور تھا اس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں سرکاری طور پر ہماری تلاش جاری ہے اور ہمارے اقارب و اعزّہ کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں یہ مذاکرہ ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر نیند طاری کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ سرکاری آدمیوں نے بہت تلاش کیا۔ پتہ نہ لگا۔ تھک کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیسہ کی تختی پر ان نوجوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانہ میں ڈال دیئے گئے تاکہ آیندہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقے سے لاپتہ ہو گئی ہے۔ ممکن ہے آگے چل کر اس کا کچھ سُراغ نکلے اور بعض عجیب واقعات کا انکشاف ہو۔

یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نصرانی یعنی اصل دین مسیحی کے پیرو تھے۔ لیکن ابن کثیر نے قرائن سے اس کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ حضرت مسیح سے پہلے کا ہے۔

اصحاب الکہف کو اصحاب الرقیم بھی کہا جاتا ہے۔ رقیم اس تختی کو کہتے ہیں جس پر اُن کے نام

لکھے گئے تھے. قرآن کریم میں ہے :-

ولبثوا فی کہفہم ثلٰث مائۃٍ سنین وازدادوا تسعا. (پ۱۵ الکہف ۲۵)

ترجمہ. اور مدت گزری اُن پر ان کی غار میں تین سو برس اور ان کے اُوپر نو.

یہاں ہم ان پہ گزرے پورے واقعات نہیں بیان کر رہے. اس کے لیے قرآن پاک کی سورۂ کہف کا مطالعہ کریں. جو باتیں یہاں بطور سبق یاد رکھنے کے لائق ہیں. یہ ہیں :-

① اللہ تعالیٰ چاہے تو انسانوں کو بغیر کھانے پینے کے صدیوں زندہ رکھ سکتا ہے اور اس دوران ان کی حرارتِ عزیزی ختم نہیں ہوتی. جاگنے پر اُن کو پھر بھوک لگ آئے اور وہ اس رزق مادی کی تلاش میں نکلیں یہ کوئی ناممکن بات نہیں. اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر فرشتوں کے کسی جہان میں صدیوں رہیں اور ان کو اس رزق مادی کا احتیاج نہ ہو تو یہ بھی کوئی ناممکن بات نہیں.

② یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے جس نظامِ فطرت پر چل رہی ہے وہ عام عادت الٰہی ہے. لیکن اللہ تعالیٰ کبھی بعض حالات میں اپنی عادتِ خاصہ بھی ظاہر فرماتے ہیں جس میں پہلے نظام میں خرقِ عادت کا ظہور ہوتا ہے اسے معجزہ کہتے ہیں. جیسے آگ جلائے یہ اس کی فطرت ہے اور جب نہ جلائے تو یہ خرقِ عادت ہے. حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو یہ خدا کی عادتِ خاصہ ظہور میں آئی کہ آگ ہو مگر جلائے نہ — عادتِ عامہ اور عادتِ خاصہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے سو معجزہ فعل خداوندی سے ظہور میں آتا ہے اس میں اعزاز و اکرام پیغمبر کا ہوتا ہے.

③ قرآن کریم نے اصحاب کے نام سے جن قوموں کا تعارف کرایا ہے وہ سب غلطی پر رہے ہیں. جیسے اصحاب القریۃ. اصحاب السبت. اصحاب الرس. اصحاب الایکہ. اصحاب الفیل. اصحاب الاخدود وغیرہ. صرف اصحاب کہف ہیں جو حق پہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان اپنی بے نظر رحمتیں فرمائیں.

④ اصحاب الحجر

اصحاب الحجر یہ قوم ثمود کا دوسرا نام ہے. حجران کا علاقہ تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع

ہے۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ ایک نبی کا جھٹلانا سب نبیوں کا جھٹلانا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ولقد کذب اصحاب الحجر المرسلین. وآتیناھم ایاتنا فکانوا عنھا معرضین
وکانوا ینحتون من الجبال بیوتا آمنین. فاخذتھم الصیحۃ مصبحین.

(پ ۱۴ الحجر ۸۳)

ترجمہ۔ اور بے شک جھٹلایا حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو اور دیں ہم نے اُن کو اپنی آیات سو وہ ان سے منہ پھیر گئے وہ اپنے گھر پہاڑوں میں تراشتے رہے کہ وہاں وہ امن سے رہ سکیں گے (ان پر کوئی پکڑ نہ آئے گی) پھر انہیں صبح ہونے کے وقت ایک چیخ نے آ پکڑا۔

پہلے ان لوگوں نے حضرت صالح سے ان لوگوں کی سچائی کا نشان مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خرقِ عادت سے ایک پہاڑ سے اُونٹنی پیدا کردی۔ وہ اونٹنی خدا کی قُدرت اور حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کا ایک کُھلا نشان تھی۔ اب قوم پر پابندی تھی کہ یہ اونٹنی جدھر چاہے چلی جائے اسے کوئی شخص کوئی تکلیف نہ دے۔

ویٰقوم ھٰذہ ناقۃ اللہ لکم آیۃ فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا
تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب قریب۔ (پ ۱۲ ہود ۶۴)

ترجمہ۔ اے قوم یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشان ہے سو چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ چھونا اس کو کوئی تکلیف دینے کے لیے پھر آ پکڑے گا تم کو عذاب بہت جلد۔

ان میں جو سب سے زیادہ بدبخت تھا اس نے اس اُونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں یہ قدار بن سالف تھا۔ ان پر ایک زبردست چیخ آئی اور پہاڑ میں زلزلہ بھی آیا۔ وہ جو اس میں اپنی حفاظت کے لیے مکان تراشتے تھے وہیں دب کر رہ گئے۔ یہ ان پر خدا کی طرف سے ایک عذاب تھا۔

فاخذ تھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جٰثمین۔ (پ الاعراف ۷۸)

ترجمہ۔ سوان کو لے لیا ایک زلزلہ نے سو وہ رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

کذبت ثمود بطغواھا۔ اذا انبعث اشقٰھا۔ فقال لھم رسول اللہ ناقۃ اللہ

وسقیٰھا۔ فکذبوہ فعقروھا۔ فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوٰاھا۔

ولا یخاف عقبٰھا۔ (پ۳۰ الشمس)

ترجمہ۔ جھٹلایا قوم ثمود نے سرکشی سے جب ان میں کا سب سے بڑا بدبخت اُٹھا۔

پھر کہا انہیں اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کے پانی

پینے کی باری سے۔ پھر انہوں نے حضرت صالح کو جھٹلایا اور اس اونٹنی کے پاؤں

کاٹ ڈالے پھر اُلٹا دیا ان پر ان کے رب نے بسبب ان کے گناہوں کے

پھر برابر کر دیا سب کو اور اس کو اس پکڑ میں کسی کا خوف کا ہے کو۔

(۴) اصحاب الجنّہ (باغ والے متمرّد اور مغرُور لوگ)

دُنیا میں سبھی کچھ اسباب نہیں ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت کام کرتی ہے۔ انسان اسباب پر فریفتہ ہو کر جب اس کو بھلا بیٹھتا ہے تو پھر بسا اوقات آسمانی پکڑ میں آجاتا ہے تب سمجھتا ہے کہ محض اسباب کچھ نہیں۔ قرآن کریم نے کچھ متمرد اور مغرور لوگوں کا ایک ایسا ہی واقعہ پ۲۹ القلم میں نقل کیا ہے۔

ایک باغ والوں کا صبح کھیتی کاٹنے کا پروگرام تھا۔ مگر بھروسہ صرف اپنے اوپر تھا۔ انسانی ارادے کے آگے کوئی اور طاقت بھی حائل ہے اسے وہ نہ مانتے تھے۔ یہ ابھی سوئے ہی تھے کہ ایک جھکڑ آیا اور ہوا کے اس زور سے پورے کا پورا باغ برباد ہو گیا ــــ صبح جب وہ وہاں پہنچے تو محسوس کرنے لگے گویا کسی اور جگہ آگئے ہیں۔ وہاں باغ تھا ہی نہیں۔ ایک کہنے لگا کیا میں نے تمہیں یہ نہ کہا تھا کہ اس نعمت پر تم خدا کی پاکی کیوں نہیں بولتے۔ اب اس نقصان کے بعد تمہیں خدا

یاد آ رہا ہے۔

قرآن کریم میں ایک سُونڈ والے بدبخت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی اور اس کی قوم کو جانچا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :۔

انا بلونٰھم کما بلونا اصحاب الجنۃ اذ اقسموا لیصرمنھا مصبحین۔ ولا یستثنون فطاف علیھا طائف من ربك وھم نائمون فاصبحت کالصریم۔

(رپ۲۹ القلم)

ترجمہ۔ ہم نے ان کو جانچا جیسے ہم نے اصحاب الجنہ کو آزمایا تھا۔ جب انہوں نے قسم کھائی کہ اس باغ کے پھل صبح توڑیں گے اور یہ نہ کہا کہ اگر خدا چاہے پھر چکر لگا یا اس باغ کا ایک چکر لگانے والے جھکڑ نے تیرے خدا کے حکم سے اور وہ سوتے ہی رہ گئے۔ پھر صبح کو وہ باغ بالکل کٹ کر رہ گیا۔ پھر جب صبح ہوئی انہوں نے آپس میں آواز دی آؤ سویرے اپنے کھیت پر چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے۔

⑧ اصحاب الاخدُود

قرآن پاک میں اصحاب اخدود کا ذکر پ۳۰ سورۂ بروج میں کیا گیا ہے۔ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین کا ہے بعض علماء نے اسے ۵۲۵ء کا واقعہ بتایا ہے۔ کچھ ظالم لوگوں نے اپنے وقت کے اہلِ حق کو جلانے کے لیے بڑی بڑی کھائیاں بنائیں۔ ان میں بہت سا ایندھن ڈال کر ان کو دھونکایا۔ اس پر یہ اصحاب الاخدود کہلائے۔ خد اور اخدُود کھائی اور خندق کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اخادید آئی ہے۔ ان کھائیوں میں اس وقت کے مؤمن جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح دین پر تھے ڈالے گئے۔ جن کافروں نے اس وقت کے مسلمانوں کو آگ میں زندہ جلادیا انہیں اصحاب الاخدود کہتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں :۔

پہلے زمانہ میں کوئی کافر بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک ساحر (جادوگر) رہتا تھا جب ساحر کی موت کا وقت قریب ہوا اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں تاکہ میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سکھتا تھا۔

راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اس وقت کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور پر راہب کے ہاتھ پہ مسلمان ہو گیا اور اس کے فیض صحبت سے ولایت و کرامت کے درجہ کو پہنچا — ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دُعا کی کہ اے اللہ اگر اس راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہو گیا۔ لوگوں میں شعور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سُن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کر دو۔ لڑکے نے کہا میں اچھی کرنے والا نہیں۔ وہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اگر تو اس پہ ایمان لائے تو میں دُعا کروں۔ اُمید ہے وہ تجھ کو بینا کر دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں۔ اس نے برہم ہو کر لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے طلب کر لیا اور کچھ بحث و گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کر دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اسے اُونچے پہاڑ سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے۔ مگر خدا کی قدرت جو لوگ اس کو لے گئے تھے سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے۔ آخر بادشاہ نے لڑکے سے کہا۔ اس نے خود مرنے کی ترکیب بتلائی۔

آپ سب لوگوں کو میدان میں جمع کریں ان کے سامنے مجھے سولی پہ لٹکائیں

اور یہ لفظ کہہ کر میرے تیر ماریں۔ بسم اللہ رب الغلام (اس اللہ کے نام پر جو

رب ہے اس لڑکے کا) چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا اپنے رب کے نام پہ قربان ہوگیا۔

یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یک لخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا کہ امنا برب الغلام (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجیئے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہی پیش آئی۔ پہلے تو کوئی اِکّا دُکّا مسلمان ہوتا تھا۔ اب خلق کثیر نے اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھُدوائیں۔ اُن کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا۔ لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔

یہاں اس بادشاہ اور اس کے ساتھ بیٹھے وزیروں اور مشیروں کو اصحاب الاخدود کہا گیا ہے جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے اور بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد وغیرہ میں جو قصہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔[1]

⑨ اصحاب الفیل

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند روز پہلے کا ہے اس لیے وہ مکہ بلکہ پورے حجاز میں بہت مشہور تھا۔ یہ اس آخری دور کے سرکش چاہتے تھے کہ بیت اللہ شریف کو غارت کر کے اپنا مصنوعی کعبہ آباد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا اور چھوٹے چھوٹے پرندوں سے بڑے بڑے ہاتھیوں اور ہاتھی والوں کو ہلاک کرا دیا۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

بادشاہِ حبشہ کی طرف سے یمن میں ایک حاکم ابرہہ نامی تھا اس نے دیکھا کہ سارے عرب کعبہ کا حج کرنے جاتے ہیں، چاہا کہ ہمارے پاس جمع ہوا کریں

---

[1] تفسیر عثمانی ص۷۸۵

امثالُ القرآن

الحمد لله وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ امّابعد :۔

قرآن کریم نے زندگی کے اُونچے حقائق اور کائنات کی فطری صداقتیں عام فہم مثالوں سے ذہن میں اُتاری ہیں :۔

ویضرب اللہ الامثال للنّاس لعلّھم یتذکّرون۔ (پ۱۳ ابراہیم ۲۵)

ترجمہ۔ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ سوچیں۔

دین فطرت کے عام تعارف اور تدبّر و تذکر پیدا کرنے کے لیے یہ اسلوب بہت بلیغ ہے ہم یہاں قرآن میں بیان کی گئی چند امثال ایک مستقل عنوان سے ہدیۂ قارئین کرتے ہیں، ایک حدیث میں ارشاد ہوا :۔

واتبعوا المحکم وامنوا بالمتشابھۃ واعتبروا بالامثال۔ [1]

ترجمہ۔ پیروی محکمات کی کرو متشابہات پہ ایمان لاؤ (ان پر عقیدے کا مدار نہ رکھو) اور مثالوں سے سبق حاصل کرو۔

نظری حقائق اور نتائج اعمال مثالوں کے تمثیلی نقشوں سے ذہن کے اتنے قریب ہو جاتے ہیں کہ قرآن بالکل آسان ہو جاتا ہے :۔

ولقد یسّرنا القرآن للذکر فھل من مدّکر۔ (پ۲۷ القمر۱)

ترجمہ۔ اور البتہ ہم نے نصیحت پانے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔

یہ مثالیں اپنے اندر اسرار و رموز کے بھی بے شمار خزانے رکھتی ہیں اور سہل بیان کا حق بھی ادا کر جاتی ہیں۔ سو اسلامی علوم میں امثال القرآن کا موضوع بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس میں غور کرنا قرآن کے ہر طالب علم کے لیے ازبس ضروری ہے۔

لوگوں کے حق سے محروم رہنے کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ ان کی قوت نظری کمزور ہے۔ وہ

---

[1] رواہ البیہقی مرفوعاً کمافی البرہان للزرکشی جلد۱ ص۴۸۷

ایمانی حقائق کا تفصیلی جائزہ نہیں لے سکتے اور نہ اپنی قوتِ عملی سے اس نظری کمزوری پر غلبہ پا سکتے ہیں یا ان کے حق سے محروم رہنے کی وجہ ان کا دنیوی لذّتوں میں انہماک ہوتا ہے وہ عارضی مال و متاع اور فانی لذتوں میں کھو کر حقیقی زندگی اور ہمیشہ رہنے والے انعامات کو ضائع کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم ان کمزوریوں کا تمثیلی پیرائے میں نقشہ کھینچتا ہے اور ایک ایک حالت کو محسوس بنا کر سامنے لاتا ہے۔

① ایمان کی ایک واضح اور محسوس مثال

نظری الجھاؤ سے نکال کر لوگوں کو ہدایت ایک محسوس شکل میں دکھادینا اس کی مثال لیجئے۔ جو لوگ غلط بیانی سے اپنے آپ کو مومن کہتے تھے ان کے لیے ایمان کی ایک محسوس صورت پیش کردی بتلادیا کہ ایمان کا معیار صحابہ کرامؓ کی شخصیاتِ کریمہ ہیں اگر تم خود حقیقتِ ایمان کو نہیں سمجھ سکتے تو اپنے آپ کو صحابہؓ کی کسوٹی پر پرکھ لو:۔

① واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن النّاس قالوا انؤمن کما اٰمن السّفھاء الا انھم ھم السفھاء ولکن لا یعلمون۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور جب انہیں کہا جائے کہ تم ان لوگوں (صحابہؓ) کی طرح[له] ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم ان بے وقوفوں کو معیارِ ایمان سمجھیں؟ خبردار یہ خود ہی بیوقوف ہیں مگر جانتے نہیں۔

دوسرے مقام پر اس مثال کو ان الفاظ میں پیش کیا:۔

② فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا وان تولّوا فانّما ھم فی شقاق (پ آخر البقرہ ۱۳۷)

[له] اس آیۃ شریفہ سے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔ ۱۔ صحابہ کرامؓ معیارِ ایمان ہیں۔ ۲۔ صحابہؓ کو معیارِ ایمان نہ ماننا جاہلوں اور بیوقوفوں کا کام ہے۔ ۳۔ صحابہؓ پر تبرا سب سے پہلے منافقوں نے کیا اور انہیں بیوقوف کہا۔ ۴۔ صحابہؓ کو جس نے جو کچھ کہا آسمان کی طرف سے اس نے اپنے لیے وہی کچھ سنا جس نے انہیں السفہاء کہا۔ اس کو یہی جواب ملا۔ الا انھم ھم السفہاء۔

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

ترجمہ: پس اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جیسا کہ تم (اے صحابۂ پیغمبر خاتمؐ) ایمان لائے ہو تو بے شک یہ ہدایت پر ہیں اور اگر یہ اس اصول سے پھر جائیں تو پھر یہ محض ضد پر ہیں۔

۲ اہل تثلیث کے لیے ایک عام فہم مثال

جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے ان کی قوتِ نظری اس غلط فہمی کا شکار تھی کہ حضرت مسیحؑ کا کوئی باپ نہیں اس لیے وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ قرآن کریم یہاں ابطالِ الوہیت مسیح کے لیے منطقی مقدمات قائم کرنے کی بجائے ان کی غلطی کو اس تمثیلی رنگ کے اندر زائل کرتا ہے

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم۔ (پ۳ آل عمران ۵۹)

ترجمہ: عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے مثال آدم کی۔

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے کی اگر یہ وجہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کا بھی تو کوئی باپ نہ تھا بلکہ ان کی تو ماں بھی نہ تھی اس حساب سے تو حضرت آدمؑ کو بھی خدا کا بیٹا کہنا چاہیئے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ غور کیجیے کہ علمی نظریات کو مثال کے پیرایہ میں کس طرح عوامی ذہن کے قریب کر دیا ہے۔

۳ منافقین کی ایک مثال

منافق وہ لوگ ہیں جن کی زبان پر اسلام اور دل میں کفر ہو وہ باہر کے نور سے آراستہ (الفاظ کلمہ کے قائل) اور اندر کے نور (تصدیق قلبی) سے خالی ہوتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اندھا کسی روشن ماحول میں بیٹھا ہو کہ اس کے اردگرد تو روشنی ہو لیکن وہ خود اندر کی روشنی سے محروم ہو۔ اسی طرح منافقین نورِ ایمان سے محروم ہیں۔

مثلھم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ماحولہ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمٰت لا یبصرون۔ (پ۱ البقرہ ۱۷)

ترجمہ۔ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اس کے تمام ماحول کو روشن کردیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی روشنی سے محروم کردیا اور انہیں ایسے اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ بھی نہ دیکھ سکیں۔

وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم صرف فائدے سے محروم رہے۔نہیں بلکہ انہوں نے اپنے لیے خطرے بھی بہت سے مول لے لیے جس طرح رات کے اندھیروں میں بادل کی گرج بجلی کی کڑک اور موسلادھار بارش کے ہولناک مواقع کانوں میں انگلیاں دینے سے رُک نہیں سکتے۔اور قریب ہے کہ بجلی اُن کی آنکھیں اُچک لے جائے۔اسی طرح منافقین کے اعمال انہیں نتائج اعمال سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔

④ منافقین کی ایک اور مثال

او کصیب من السماء فیه ظلمت ورعد وبرق یجعلون اصابعهم فی اذانهم من الصواعق حذر الموت والله محیط بالکفرین۔(پ البقرہ ۱۹)

ترجمہ۔یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان کی طرف سے زوردار بارش برس رہی ہو اس میں اندھیرے ہوں گرج ہو اور بجلی ہو اور یہ لوگ بجلی کی کڑک سے اپنے کانوں میں انگلیاں دینے لگیں کہ کہیں موت نہ آجائے اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو پوری طرح احاطہ کرنے والے ہیں۔

اس مثال میں سمجھا دیا کہ منافقین کس طرح بیہودہ تدبیروں سے اپنا بچاؤ چاہتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی قوت سب طرف سے کفار کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس کی گرفت اور عذاب سے وہ کسی طرح بچ نہیں سکتے۔غور کیجیے کہ غیر مرئی حقیقتیں کس طرح تمثیلی نقشوں سے عوامی ذہن کے قریب کردی گئی ہیں۔

⑤ حق اور باطل کی مثال

انزل من السماء ماءً فسالت اودیة بقدرها فاحتمل السیل زبدا رابیا

ومما یوقدون علیه فی النار ابتغاء حلیۃٍ او متاع زبدٌ مثلہ کذلک یضرب اللہ الحق والباطل فامّا الزبد فیذھب جفاءً وامّا ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کذٰلک یضرب اللہ الامثال۔

(پ۱۳ الرعد ۱۷)

ترجمہ۔ آسمان سے بارش اُتری جس سے ندی نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہہ نکلے پھر چلنے سے جھاگ (اور کوڑا کرکٹ وغیرہ) پھول کر اُوپر آ گیا جیسے تیز آگ میں (سونا چاندی تانبا لوہا اور دوسری) معدنیات پگھلاتے ہیں تاکہ زیور برتن اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں تو ان میں بھی اسی طرح جھاگ اُٹھتا ہے یہی حق اور باطل کی مثال ہے جھاگ (تو تھوڑی دیر بعد) خشک (یا منتشر) ہو جاتا ہے اور جو چیز اصل کار آمد ہوتی ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں۔

جب وحی آسمانی دینِ حق کو لے کر اترتی ہے تو قلوب بنی آدم اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے مطابق فیض حاصل کرتے ہیں پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں تو میل اُبھر آتا ہے بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبا لیتا ہے لیکن اس کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہے تھوڑی دیر بعد اس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا خدا جانے کدھر گیا جو اصلی اور کار آمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہی رہ گئی۔

دیکھو خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں کیسے مؤثر انداز میں سمجھایا کہ دُنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے تو گو برائے چندے باطل اونچا اور پھولا ہوا نظر آتا ہے لیکن آخر کار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر اور غالب ہو کر رہے گا کسی مومن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق اُتر جائے کچھ دیر کے لیے اوہام و وساوس زور شور دکھلائیں تو گھبرانے کی بات نہیں تھوڑی دیر میں یہ اُبال بیٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر

رہے گا۔ اس مثال میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت بتلادی۔[1]

⑥ حق اور باطل کی ایک اور مثال

الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃً طیّبۃ کشجرۃ طیّبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء ۰ توتی اکلہا کل حین باذن ربّہا و یضرب اللہ الامثال للنّاس لعلّھم یتذکّرون ۰ ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ اجتثّت من فوق الارض مالہا من قرار۔ (۱۳پ ابراہیم ۲۶)

ترجمہ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کیسی بیان کی اللہ نے مثال پاک بات ایسی ہے جیسے ایک نہایت ستھرا درخت ہو جس کی جڑیں بہت مضبوط ہوں (زمین کی گہرائیوں میں پھیلی ہوئی ہوں کہ زور کا جھکڑ بھی جڑ سے نہ اکھیڑ سکے) اور ٹہنیاں آسمان تک پھیلی ہوئی ہوں (بہت اونچی اور زمینی کثافتوں سے دور ہوں) اپنے پروردگار کے حکم سے وہ اپنا پھل ہر وقت لاتا ہو اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ فکر کریں اور گندی بات (کلمہ کفر اور غلط بات) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خبیث درخت ہو جو زمین کے اوپر سے اکھڑا ہوا ہو اور اسے کچھ ٹھہراؤ نہ ہو۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کا دعوے توحید و ایمان پکا اور سچا ہے جس کے دلائل نہایت صاف صحیح اور مضبوط ہیں موافق فطرت ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں قلوب کی پہنائیوں میں اتر جاتی ہیں اور اعمالِ صالحہ کی شاخیں آسمان قبول تک سے جا لگتی ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ (پ فاطر) اس کے لطیف و شیریں ثمرات سے موحدین کے کام و دہن ہمیشہ لذت اندوز ہوتے ہیں۔ الغرض حق و صداقت اور توحید و

---

[1] فوائد القرآن شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ص ۳۲۵

معرفت کا سدا بہار درخت روز بروز پھولتا پھلتا اور بڑی پائیداری کے ساتھ اُونچا ہوتا رہتا ہے اس کے برخلاف جھوٹی بات اور شرک و کفر کے دعوے باطل کی جڑ بنیاد کچھ نہیں ہوتی ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر جا پڑتا ہے ناحق بات کے ثابت کرنے میں خواہ کتنے ہی زور لگائے جائیں لیکن انسانی ضمیر اور فطرت کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں دل کی گہرائی میں نہیں پہنچتیں تھوڑا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتی ہے اسی لیے مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی سچ کی طرح اپنے پاؤں نہیں چلتا۔[1]

⑦ دُنیا کی زندگی کی مثال

انما مثل الحیٰوۃ الدنیا کماءٍ انزلنا من السماء فاختلط به نبات الارض مما یاکل الناس و الانعام ط حتیٰ اذا اخذت الارض زخرفها و ازینت وظن اهلها انهم قادرون علیها اتها امرنا لیلاً او نهاراً فجعلناه حصیدًا کان لم تغن بالامس کذٰلك نفصل الاٰیات لقوم یتفکرون۔ (پ یونس ع ۳)

ترجمہ۔ دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر رلا ملا نکلا اس سے سبزہ زمین کا جسے آدمی اور چار پائے سب کھاتے ہیں پھر جب زمین رونق لے آئی اور مزین ہو گئی مالک سمجھنے لگے کہ یہ سب ہمارے ہاتھ لگے گی کہ اتنے میں ہمارا حکم آ پہنچا رات ہو یا دن پھر ہم نے اُسے اس طرح کٹی ہوئی کر دیا گویا کہ وہ کل تھی ہی نہیں اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو غور سے کام لیں۔

یعنی ناگہاں خدا کے حکم سے دن میں یا رات میں کوئی آفت آ پہنچی مثلاً بگولا آگیا اولے پڑ گئے یا ٹڈی دل پہنچ گیا علیٰ ہذا القیاس جس نے تمام زراعت کا ایسا

---

[1] فوائد القرآن صـ

صفایا کر ڈالا گویا یہاں ایک تنکا بھی نہ اُگا تھا ٹھیک اسی طرح حیاتِ دُنیا کی مثال سمجھ لو خواہ کتنی ہی حسین تر و تازہ نظر آئے حتیٰ کہ بے وقوف لوگ اس کی رونق اور دلربائی پر مفتون ہو کر اصل حقیقت کو فراموش کر دیں لیکن اس کی یہ شادابی اور زینت و بہجت محض چند روزہ ہے جو بہت جلد زوال و فنا کے ہاتھوں نسیاً منسیا ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی کالبد خاکی میں مل کر پھر قوت پکڑی دونوں کے ملنے سے آدمی بنا پھر کام کیے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے جب پر ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہو گیا ناگہاں موت آ پہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا پھر ایسا بے نام و نشان ہوا گویا کبھی زمین پر آباد بھی نہ ہوا تھا۔ ؎

⑧ دنیا کی زندگی کی ایک اور مثال

واضرب لهم مثل الحيٰوة الدنيا كماءٍ انزلناه من السماء فاختلط به نبات الارض فاصبح هشيمًا تذروه الرياح وكان الله على كل شيء مقتدرًا ۔ (پ۱۵ الکہف ع۶)

ترجمہ۔ اور بتلا دے ان کو دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے اُوپر سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ زمین کا سبزہ رلا ملا نکلا پھر اگلے دن ہو گیا چورا چورا جسے ہوائیں بکھیر رہی ہوں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

دنیا کی عارضی بہار اور فانی و سریع الزوال تر و تازگی کی مثال ایسی سمجھو کہ خشک اور مُردہ زمین پر بارش کا پانی پڑا وہ یک بیک جی اُٹھی گنجان درخت اور مختلف اجزاء سے رلا ملا سبزہ نکل آیا لہلہاتی کھیتی آنکھوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی مگر چند روز ہی گزرے کہ زرد ہو کر سوکھنا شروع

؎ فوائد القرآن ص۳۷۲

ہوئی ۔آخر ایک وقت آیا کہ کاٹ چھانٹ کر برابر کردی گئی پھر ریزہ ریزہ ہوکر ہوا میں اڑائی گئی یہ حال دنیا کے دیدہ زیب اور ابلہ فریب بناؤ سنگار کا سمجھو چند روز کے لیے خوب ہری بھری نظر آتی ہے آخر میں چورہ ہوکر ہوا میں اُڑ جائے گی اور کٹ چھٹ کر سب میدان صاف ہو جائے گا۔

⑨ دُنیا کی زندگی کی ایک اور مثال

اعلموا انما الحیٰوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما وفی الاخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔ (پ۲۷ الحدید۲)

ترجمہ۔جان رکھو دُنیا کی زندگی (اولاً) ایک کھیل پھر تماشا (اس کے بعد) بناؤ سنگار اور پھر بڑائی حاصل کرنا ہے اور (پھر آخر عمر میں) مال واولاد کی بہتات طلبی یہ اسی طرح ہے جیسے بارش ہو کسانوں کو اس کا سبزہ اچھا لگ رہا ہو پھر اس کا اگنا زور پر ہو اور پھر اُسے تو زرد دیکھنے لگے یہاں تک کہ پھر وہ چُورا چُورا ہو جائے اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی کا مقام بھی ہے اور دُنیا کی زندگی تو محض ایک دھوکے کا سامان ہے۔

⑩ اپنے بنائے معبودوں کی کمزوری کی مثال

اللہ کے سوا جن کو معبود بنایا گیا ان کی مثال قرآن سے سُنیے۔اس سے زیادہ ان کی کمزوری اور کس پیرائے میں لائی جاسکتی ہے :۔

یاایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ○ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا

یستنقذ وہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا اللہ حق قدرہ
ان اللہ لقوی عزیز۔ (پ الحج ۲۷)

ترجمہ۔ اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے جسے کان لگا کر سنو! اللہ کے سوا تم جن جن کو پکارتے (پوجتے) ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ خواہ سارے کے سارے اس کے لیے کیوں نہ جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز اُچک لے جائے تو یہ اس سے بھی اسے نہ چھڑا سکیں یہاں طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی قدر کو نہیں سمجھے جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہی قوی اور غالب ہیں۔

بعض لوگ بتوں کو پکارتے ہیں بعض آگ کو اپنا مشکل کشا سمجھتے ہیں بعض پانی کو پوجتے ہیں بعض انبیاء و اولیاء کو مافوق الاسباب پکارتے ہیں مسیحی قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حاجت روائی کا دم بھرتی ہیں اللہ تعالیٰ نے خالق ہونے کی وحدانیت کو بیان کرتے ہوئے ان سب کے بارے میں فرما دیا کہ ان میں سے کوئی بھی یہ قدرت نہیں رکھتا کہ ایک مکھی کو بھی پیدا کر سکے۔ اگر کسی کو بھی اتنا اختیار ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان سب کی نفی کو اپنی شانِ توحید اور شان قدر سے ہرگز والبتہ نہ فرماتے تخلیق کے باب میں سب کمزور ہیں بت ہوں یا درخت، آگ ہو یا پانی، سورج ہو چاند، پیغمبر ہوں یا فرشتے اگر ان میں سے کوئی بھی مستقل قدرت اور اختیار رکھتا تو رب العزت ان سب کی یک قلم نفی نہ فرماتے۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرندے بنا کر اڑا دیتے تھے اور بعض فرشتے بھی تکوینی طور پر ایسے کاموں پر مامور ہیں اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام فقط پرندے کی صورت بنانا تھا اس میں جان ڈالنا اور اُڑا دینا یہ اللہ رب العزت کی شان تھی اہل سنت کے عقیدہ میں معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو پیغمبروں کے اکرام و اعزاز اور ان کی تصدیق کے لیے ان کے ہاتھوں سے ظاہر کیا جاتا ہے اسی طرح فرشتے بھی ایسے کاموں پر تکوینًا مامور ہونے کے باوجود اپنے مستقل ارادے اور اختیار سے ایک مکھی بنانے کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔

(۱۱) مکڑی کے جالے کی مثال

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتاً وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون (پ۲۰ عنکبوت ۴۱)

ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اور کارساز بنا رکھے ہیں ایک مکڑی کی سی ہے جس نے اپنا گھر بنا رکھا ہو اور بے شک سب گھروں میں بودا (اور سب سے کمزور سہارا) مکڑی کا گھر ہے اگر یہ جانتے ہوتے۔

اس مثال سے مشرکین کے کمزور سہاروں کا نقشہ پوری طرح سامنے آجاتا ہے۔

(۱۲) آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کی مثال

للذین لا یؤمنون بالآخرۃ مثل السوء وللہ المثل الاعلیٰ وھو العزیز الحکیم۔ (پ۱۴ النحل ۶۰)

ترجمہ۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کی بُری مثال ہے اور اللہ کی شان تو سب سے اُوپر ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

اب ان مثالوں کو سُنیئے

صمٌّ بکمٌ عمیٌ فھم لا یرجعون۔ (پ۱ البقرہ ۱۸)

ترجمہ۔ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہ لوٹیں گے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر ہے:۔

افانت تھدی العمی ولو کانوا لا یبصرون۔ (پ۱۱ یونس ۴۳)

ترجمہ۔ کیا آپ راہ دکھائیں گے اندھوں کو اگرچہ وہ سوجھ نہ رکھتے ہوں۔

ان کفار کو بہرے گونگے اور اندھے کہا گیا جو نہ حق سُن سکیں نہ مان سکیں اور نہ دیکھ سکیں پھر یہ بھی فرمایا کہ کافر اور مومن کا فرق وہی ہے جو بینا اور نابینا یا بہرے اور سننے والے کا ہے۔

مثل الفریقین کالاعمی والاصم والبصیر والسمیع هل یستویان مثلاً۔

(پ ۱۲ ہود ۲)

ترجمہ۔ مثال ان دونوں فرقوں کی ایسے ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھتا ہو اور سنتا بھی ہو۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء و ما انت بمسمع من فی القبور۔ (پ ۲۲ فاطر ۲۲)

ترجمہ۔ اور برابر نہیں جیتے اور نہ مُردے بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے سُنوائے اور آپ قبر والوں کو سُنانے والے نہیں ہیں۔

ولما ضرب ابن مریم مثلاً اذا قومک منہ یصدون بل ہم قوم خصمون۔

(پ ۲۵ الزخرف ۵)

ترجمہ۔ اور جب مثال لائی جائے مریم کے بیٹے کی سو تیری قوم اس سے چلانے لگتے ہیں.... اور بے شک وہ علامات قیامت میں سے ہے۔

(۱۳) علماء سوء کی ایک مثال

مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفاراً۔ (پ ۲۸ الجمعہ ۱)

ترجمہ۔ مثال ان لوگوں کی جن پر لادی گئی تورات پھر نہ اُٹھائی انہوں نے ایسے ہے جیسے گدھا کتابیں اُٹھائے ہوئے ہو۔

بھلا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں پھر ان کفار کو مُردے بھی کہا گیا جو قبروں میں پڑے ہوں کہیں نصاریٰ کے لیے جھگڑالو کی تعبیر اختیار کی گئی اور ان حاملین تورات (یہود) کو جو اس کے مقتضاء پر عمل نہ کریں اس گدھے سے تشبیہ دی گئی جس پر کتابیں لدی ہوں اور وہ ان سے مستفید نہ ہو سکے۔ ان اللہ کی آیات جھٹلانے والوں کے لیے مثالیں ایسی ہی ہیں اور وہ کسی اچھے کلمے کے ہرگز مستحق نہ تھے:۔

بئس مثل القوم الذین کذبوا بآیات اللہ۔ (پ ۲۸ الجمعہ ۵)

ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال بہت بُری ہے جنہوں نے اللہ کی باتیں جھٹلا دیں۔

ساء مثل القوم الذین کذبوا بآیٰتنا وانفسھم کانوا یظلمون۔

(پ۹ الاعراف ۱۷۷)

ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال بہت بُری ہے جنہوں نے ہماری آیات جھٹلا دیں اور اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

⑭ بُلندی سے گرنے والے بدقسمت کی مثال

ایک شخص جو پہلے خدا پرست اور درویش تھا لیکن اس کے بعد ہدایتِ خداوندی سے منہ موڑ کر عورت کے اغوا، یا دولت کے لالچ میں گھر گیا تھا اس کے زمینی شہوات اور لذات کی طرف جھک پڑنے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے کی مثال اس کتے کے حال سے دی گئی جس کی زبان باہر لٹکی ہو اور وہ بدحواسی اور پریشانی میں ہانپ رہا ہو۔

ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث ذٰلک مثل القوم الذین کذبوا بآیٰتنا۔ (پ۹ الاعراف ۱۷۶)

ترجمہ۔ ہم چاہتے تو اس کا مرتبہ بلند بھی کر دیتے لیکن وہ تو زمین کا ہی ہو رہا تھا اور اپنی خواہش کے پیچھے ہی چلا جا رہا تھا اس کی مثال ایسی ہو گئی جیسے ایک کتا ہو اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور بوجھ اُٹھا دے تو تب بھی ہانپے یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری باتوں کو جھٹلا دیا۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کتے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے آیات اللہ کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا متنبہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں اس کے حق میں برابر ہو گئیں۔ سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون۔ حرص دنیا سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی اور ترکِ آیات کی نحوست

سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ برابر ہانپتے رہنے کی مثال میں ظاہر ہوا۔
—— یہاں ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی میں احکامِ الہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پہ چلنے لگیں اور خدا کے عہد و میثاق کی کچھ پرواہ نہ کریں —— علماء سوء کے لیے ان آیات میں بڑا عبرتناک سبق ہے اگر دھیان کریں۔ [1]

⑮ کفّار کے اعمال کی مثال

والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماء حتیٰ اذا جاءہ لم یجدہ شیئًا ووجد اللہ عندہ فوفاہ حسابہ واللہ سریع الحساب ٥ اوکظلماتٍ فی بحرٍ لجیّ یغشٰہ موج من فوقہ سحاب۔ ظلمات بعضھا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا ومن لم یجعل اللہ لہ نورًا فمالہ من نور۔ (پ۱۸ النور ۴)

ترجمہ۔ جو لوگ کافر ہیں اُن کے اعمال یُوں ہیں۔ ۱۔ جیسے جنگل میں ریت ہو اور پیاسا اسے پانی سمجھ رہا ہو یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچے اسے کچھ نہ پائے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حساب لینے کے لیے وہاں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ ۲۔ یا جیسے گہرے دریا میں اندھیرے ہوں اس کے اُوپر لہر پہ لہر چڑھی آ رہی ہو پھر اس کے اُوپر گہرا بادل ہو۔ اندھیرے ہی ہوں ایک دوسرے کے اُوپر یہاں تک کہ ہاتھ سجھائی نہ دے اور جسے اللہ ہی روشنی نہ دے تو اسے روشنی کہاں سے مل سکتی ہے۔

کافروں کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہیں وہ اپنے خیال میں اچھا سمجھ کر کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ان کے یہ اعمال اُن کی آخرت میں کام آئیں گے دوسرے وہ اعمال

[1] فوائد القرآن ص ۲۲۴

ہیں جو خود ان کے اپنے نزدیک بھی فسق و کفر اور ظلم و عصیان ہیں وہ ظاہری چمک بھی نہیں جو سراب میں ہوتی ہے اس آیت شریفہ میں ہر دو قسم کے اعمال کی تمثیل فرمائی. پہلی قسم کے اعمال بظاہر اچھے بھی ہوں تو کفر کی وجہ سے وہ اللہ کے ہاں مقبول و معتبر نہیں اکائی کے بائیں طرف لگنے والے صفر خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں سب بے قیمت ہوتے ہیں جو اعمال بغیر ایمان کے ہوں ان کی کوئی قیمت نہیں ایسے اعمال کی مثال اس چمکتی ریت کی سی ہے جو کسی فریب خوردہ کو پانی دکھائی دے رہی ہو اور دوسری قسم کے لوگ تو تہ بر تہ اندھیروں کے نیچے دبے ہیں وہاں کسی جہت اور ظاہر کے لحاظ سے بھی روشنی کی کوئی کرن نہیں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے.

دیکھئے کس نفیس انداز میں اعمال کفار کی تمثیل و تشبیہ بیان کی جا رہی ہے اور کس طرح یہ مثال ہر دو قسم کے کافروں کو شامل ہے قرآن کریم کی تمثیلات اور تشبیہات عجیب قسم کی لطافت اور نہایت نفیس شان بلاغت کا مظہر ہیں. ان سے مضمون بھی آسان ہو جاتا ہے اور بات بھی پوری طرح ذہن میں اُتر جاتی ہے.

(۱۷) اعمال کفّار کی ایک اور مثال

مثل الّذین کفروا بربّھم اعمالھم کرماد اشتدت به الریح فی یوم عاصف لا یقدرون مما کسبوا علیٰ شیءٍ ذٰلك ھو الضلال البعید. (پ۱۳ ابراہیم ۱۸)

ترجمہ. کافروں کے اعمال کی مثال اس راکھ کی سی ہے جس پر زور کی ہوا چلے اور وہ دن بھی آندھی کا ہو جس طرح ان کے ہاتھ ان کی کمائی میں سے کچھ نہیں لگے اسی طرح یہ بھی بہک کر دُور جا پڑنا ہے.

بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر ہم نے دُنیا میں بہت سے اچھے کام صدقہ و خیرات کی مد میں کیے. ہماری خوش اخلاقی لوگوں میں مشہور ہوئی بہتیرے آدمیوں کی مصیبت میں کام آئے اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پُوجا بھی کی کیا یہ سب کیا کرایا اور دیا دلایا اس وقت کام نہ آئے گا اس کا جواب اس تمثیل میں دیا یعنی جب خدا کی صحیح معرفت نہیں محض فرضی اور وہمی

خدا کو پوجتا ہے اس کے تمام اعمال بے روح اور بے وزن ہیں وہ محشر میں اسی طرح اُڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلنے تو راکھ کے ذرات اڑ جاتے ہیں۔

⑰ اعمال کفّار کی ایک اور مثال

مثل ما ینفقون فی ھذہ الحیٰوۃ الدنیا کمثل ریح فیھا صرّ اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم فاھلکتہ وما ظلمھم اللہ ولٰکن انفسھم یظلمون.

(پ۴ آل عمران ۱۱۷)

ترجمہ۔ یہ لوگ جو دُنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا ہو جس میں پالا ہو اور وہ جا لگے اس قوم کی کھیتی کو جس نے اپنے حق میں بُرا کیا ہوا تھا اور اسے تباہ کر دے اور اللہ نے ان پر (کافروں پر) ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

عمل کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز ایمان و ایقان ہے اس کے بدوں عمل کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شریر ظالم نے کھیتی یا باغ لگایا اور اس کو برف پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا چند روز اس کی سرسبزی شادابی کو دیکھ کر خوش ہوتا اور بہت کچھ اُمیدیں باندھتا رہا یکایک اس کی شرارت و بدبختی سے سرد ہوا چلی برف پالا اس قدر گرا کہ ایک دم میں ساری لہلہاتی کھیتی جلا کر راکھ کر دی آخر اپنی کلی تباہی و بربادی پر کفِ افسوس ملتا رہ گیا نہ اُمیدیں پوری ہوئیں نہ احتیاج کے وقت اس کی پیداوار سے منتفع ہوا اور چونکہ یہ تباہی ظلم و شرارت کی سزا تھی اس لیے اس مصیبت پر کوئی اجر اُخروی بھی نہ ملا، جیسا کہ مومنین کو ملتا ہے [1]

مسلمان کی کھیتی کو برف پالا لگ جائے تو تباہ وہ بھی ہو جاتی ہے لیکن یہ تکلیف اس کے

[1] فوائد القرآن ص۱۰۴

بہت سے گناہوں کا کفارہ یا اس کی نیکیوں میں ایک اضافہ ہو کر اس کھیتی کے کچھ اثرات یا ثمرات ضرور باقی رکھتی ہے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ مومن کی کھیتی کلی طور پر تباہ ہوتی ہی نہیں یہ کفار ہی ہیں جن کی اس تباہی پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا۔ ضائع ہونے والے اعمال کی اس سے بلیغ مثال کیا ہوگی کہ انہیں یہاں کی عام بربادی کے مشابہ نہیں کیا بلکہ اس بربادی کی تمثیل پیش کی جس سے بڑھ کر تباہی و بربادی کا یہاں تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

اعمال کفار کی ایک اور مثال

حاصل اینکہ قرآن پاک کی مثالیں انتہائے بلاغت کی شان رکھتی ہیں اور پورے مضمون کو سمیٹتی ہوئی دل کی گہرائیوں میں جگہ پالیتی ہیں۔ مثالوں سے ہدایت پالینا یہ خوش قسمت لوگوں کی بات ہے اور یہ سرمایۂ علمی بھی قرآن سے ملتا ہے (اور اس سے بھی ان پر قرآن کا رازِ ہدایت پوری شانِ اعجاز سے کھلتا ہے)

سائنس کے طلبہ پہلے Theory پڑھتے ہیں پھر انہی چیزوں کو وہ Practical میں دیکھتے ہیں۔ ان عملی مشقوں سے اصلاحی بات اور نکھر کر سامنے آتی ہے اور بات بالکل صاف ہو جاتی ہے قرآن کریم نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے جو سبق دیئے انہیں پھر مختلف مثالوں سے بھی واضح کیا ہے زندگی کے یہ تمثیلی پیرائے عام انسانوں کو بھی ابدی صداقتوں کی گود میں لے آتے ہیں۔ ضابطے کو سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی لیکن نقشہ دیکھنے سے عام آدمی بھی بات کو سمجھ لیتا ہے۔ غافل انسانوں کو جگانے کے لیے قرآن کریم کی یہ مثالیں ایک ہمہ گیر دعوت ہدایت ہیں اور انسان جتنا ان مثالوں میں غور کرتا جائے اسی کے مطابق سعادتِ اُخروی اس کے دل و دماغ میں اترتی جائے گی۔

اس امت کے واعظین اور خطیب حضرات ان مثالوں پر جتنا غور کریں گے اور انہیں کھول کھول کر بیان کریں گے قرآن کا رازِ ہدایت پوری شانِ اعجاز سے کھلتا جائے گا۔

اِصطلاحاتُ القرآن

اصطلاحاتُ القرآن

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:۔

قرآن کریم ایک ضخیم کتاب ہے جس میں بیک وقت کئی مضامین کی لہریں چل رہی ہیں ان میں لاتعداد حقیقتوں کا نشان اور متعدد اصولی ہدایتوں کا بیان ہے اس میں کئی ایسے الفاظ ملتے ہیں جو مختلف پیرایوں میں ایک ہی حقیقت کی ترجمانی بھی کرتے ہیں وہ حقیقتیں ان کے اصل معانی ہیں اور انہیں سے قرآن کریم کی Termminology قائم ہوتی ہے الفاظ کے یہ قالب ایک خاص قرآنی مراد کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن کریم کی اصطلاحات بن جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے بیان کے لیے محض لغتِ عرب کافی نہیں ان کے قرآنی استعمال پر گہری نظر درکار ہے۔

دیکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم ان الفاظ کو کن کن حقیقتوں کے لیے اختیار کرتا ہے اور اگر یہ الفاظ کہیں اپنے تخاطب لغوی میں استعمال ہوں تو اس سے ان کی شرعی حقیقت متاثر نہیں ہوتی قرینہ بتا دیتا ہے کہ یہ لغوی تخاطب ہے شرعی حقیقت اپنی جگہ ایک علیحدہ حقیقت ہے اور وہ حقیقت متعدد پیرایوں میں پھیل کر پھر بھی ایک ہی رہتی ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حقیقت اور اس کے تقاضے علیحدہ علیحدہ صورتوں میں سامنے آتے ہیں یہی مختلف TERMS قرآن کریم کی وہ بنیادی اصطلاحیں ہیں جن کا مطالعہ قرآن کے ہر طالب علم کے لیے از بس ضروری ہے۔

زمانہ بعثت کے عرب الفاظ کے جھمیلوں سے آشنا نہ تھے بلاغت کے متعدد مدارج کے باوجود بات سمجھنے میں کوئی اختلاف نہ ہوتا تھا اخذ معانی اور فہم مطالب کے لیے انہیں لفظوں سے کھیلنے کی عادت نہ تھی ان کی فطرت رومی تاویل اور ایرانی تصنع سے آشنا نہ تھی۔ قرآن کریم حضورؐ کی تربیتِ قدسیہ کے سائے میں ان کے دلوں میں ٹھیک ٹھیک بس گیا تھا، ہر لفظ کی نشست اور مراد ان کے سادہ اور صاف ذہنوں میں پوری اتر جاتی تھی۔ وہ قرآن کریم کو سنتے ہی اس کے بنیادی مقصد کو پا لیتے تھے کسی لفظ کا لغوی استعمال اور پھر اس کا شرعی حقیقت کو بیان کرنا ان کے نزدیک کسی الجھاؤ کا موجب نہ تھا بہت کم ایسے مواقع آئے جن میں انہوں نے حضورؐ سے بعض الفاظ کی

مُرادات معلوم کیں۔

صحابہؓ کے بعد مسلمانوں میں رومی اور ایرانی تمدن کے اثرات پھیلنے شروع ہوگئے یہاں تک کہ بعض مسلمانوں نے قرآن کی لازوال صداقتوں کو بھی اسی آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی کچھ لوگ قرآنی تعلیمات میں بھی الحاد کی راہیں چلنے لگے۔ یہاں تک کہ بعض بنیادی حقیقتیں بھی اختلافی مسائل کے قالب میں ڈھلنے لگیں۔

ان حالات میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی کچھ اصطلاحات قرآن کی روشنی میں بیان کر دی جائیں اور ہر اصطلاح میں جو غلط تصور راہ پا گیا ہے اس کی بھی کچھ اصلاح کر دی جائے۔ واللہ الموفق۔

ایمان

ایمان کے لغوی معنی یقین کرنے اور ماننے کے ہیں لیکن اس کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات کو صحیح اور سچ تسلیم کرے اس میں تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ یہ بات حضور اکرمؐ سے ثابت ہے یا نہیں ؟ لیکن جو اُمور آنحضرتؐ سے پُورے یقین اور تواتر سے ثابت ہو جائیں ایمان شرعی کے لیے ان سب کی تصدیق ضروری ہے ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی دائرۂ ایمان میں داخل ہونے سے مانع ہے۔ آنحضرتؐ سے جو باتیں اجمالاً منقول ہیں اُن کی اجمالی تصدیق اور جو اُمور تفصیلاً منقول ہیں ان کی تفصیلی تصدیق مومن ہونے کے لیے از بس ضروری ہے حضورؐ کو آپ کی جملہ تعلیمات میں خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی — اعتقادی ہوں یا عملی — اخلاقی ہوں یا قانونی — ہمیشہ کے لیے سچا ماننے کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ ایمان کی یہی شرعی حقیقت ہے جس پر ایمان کے [1] احکام کا مدار ہے اگر کوئی شخص حضورؐ کی سب تعلیمات کو سچا مانے لیکن صرف روزِ قیامت کو نہ مانے یا فرشتوں کے وجود کا انکار کرے تو وہ شخص قطعاً کافر قرار پائے گا ایمان شرعی

[1] جیسے مومن متوفی کی وراثت پانا (غیر مومن کو مومن کی وراثت نہیں جا سکتی) مومنہ کے نکاح کا اہل ہونا (کوئی مومن لڑکی کسی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں آسکتی لا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا۔ (پ البقرہ ۲۲۱) اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا (کسی غیر مومن کی نمازِ جنازہ پڑھنی مسلمانوں کے لیے جائز نہیں) وغیرہا من الاحکام

کے لیے حضورؐ کی جملہ تعلیمات کی تصدیق ضروری ہے ایمان میں جمیع کی قید ہے لیکن کفر کے لیے جمیع کی قید نہیں حضورؐ کی کسی ایک بات کے انکار سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ بات حضورؐ سے یقینی طور پر ثابت ہو۔ ایمان لانے کے لیے مومن بہ امور (وہ امور جن پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے) آج بھی وہی ہیں جو صحابہؓ کے وقت میں مومن بہ تھے یہ نہیں ہو سکتا کہ صحابہؓ کے لیے تو دس باتوں پر ایمان لانا ضروری ہو اور آج کوئی شخص صرف نو باتوں کو تسلیم کر کے مومن کہلا سکے۔ ایمان آئے گا تو پورا آئے گا ورنہ کچھ بھی نہیں۔ ایمان کی شرعی حقیقت سب کے لیے ایک ہے اس میں کوئی جزو بندی نہیں اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ہاں اس میں اپنے اپنے یقین کے مطابق قوت وضعف کے درجات مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اس کی شرعی حقیقت بہرحال ایک ہے اور کفر و اسلام کی حدِ فاصل وہی ایک ہے۔

پھر ایمان کے کچھ اعمال ہیں اور کچھ اس کی علامات ہیں ان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور ان میں سے بعض کا ترک تکذیب پیغمبر کی وجہ سے نہیں محض عملی سستی کی وجہ سے ہوتا ہے ایمان کے یہ اعمال اور علامات مطلوب تو ہیں لیکن ایمان کی حقیقت شرعی نہیں ایمان کے تقاضے ہیں۔ قرآن کریم بعض مقامات پر ان اعمال کے لیے بھی ایمان کا لفظ اختیار کرتا ہے اور یہ مجاز شرعی ہے جس میں ایمان اقرار وعمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس اعتبار سے ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ پھر کچھ ایمان کی علامات ہیں جیسے السلام علیکم کہنا یہ علامات ایمانِ حقیقی کا محض ایک نشان ہیں خود ایمان نہیں۔ قرآن کریم بعض مقامات جہاں ایمان کی حقیقت کا علم نہ ہو ان علامات کو بھی ایمان کہہ دیتا ہے پس یہ اطلاق بھی ایک مجاز شرعی ہوگا جس کا اعتبار صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ ایمان کی حقیقت کا پتہ نہ چل جائے۔ ملحدین اپنے کفریہ عقائد کو چھپانے کے لیے ان اعمال وعلامات سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد اعمال وعلامات کا کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ ایسے موقعوں پر قرآن کریم کے ہر طالب علم کا فرض ہے کہ ایمان کے قرآنی اطلاق کے ان بنیادی فرق کو ضرور پیش نظر رکھے۔ تخاطب لغوی میں لفظ مومن کا معنی سمجھیے۔

لہ حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں "ایمان کا تجزیہ ممکن نہیں بعض احکام کا انکار کرنے والا بھی کافر مطلق ہوگا صرف بعض احکام پر ایمان لانے سے کچھ بھی ایمان نصیب نہ ہوگا۔ (موضح الفرقان ص۲۱)

ومآانت بمؤمن لنا ولوکنا صادقین۔ (پ۱۲ یوسف ۱۷)

یہ ایمان کی حقیقتِ لغوی کا بیان ہے یہاں ایمانِ شرعی مراد نہیں۔

فلا وربک لا یومنون یحکموک فیما شجر بینھم۔ (پ۵ النسآء ۶۵)

میں ایمان کی حقیقتِ شرعی کا بیان ہے۔

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت (پ۳ البقرہ ۲۷۷)

میں بھی ایمان کی حقیقت شرعی مراد ہے کیونکہ اعمال اس پر معطوف ہیں اور اس سے علیحدہ ہیں۔

ما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ (پ۲ البقرہ ۱۴۳)

میں ایمان سے مراد نماز ہے یہاں عمل کو ایمان کہا گیا ہے جو مجازِ شرعی ہے اس ایمان میں (جو اقرار اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے) اعمال کی کمی بیشی سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر ایمان کی حقیقتِ شرعی میں کمی بیشی کی کوئی راہ نہیں۔ ہوگا تو پورا ہوگا ورنہ کچھ بھی نہیں یہ کفر کی حالت ہے۔

ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنًا۔ (پ۵ النسآء ۹۴)

میں السلام علیکم کہنے کو ایمان کی علامت بتایا گیا ہے ایمان کی حقیقت نہیں کہا گیا ہے سیاق وسباق اس کی قوی شہادت ہے۔ پس جب حقیقت کا پتہ چل جائے تو علامت کا اعتبار باقی نہ رہے گا۔ ایمان کے ان اعمال اور علامات کے نام سے ایمان کی حقیقتِ شرعی کو مشتبہ کرنا اور ان علامات سے ایمان کی حقیقت پہ دلیل لانا قرآن کے ان مختلف اطلاقات اور اس کی شرعی اصطلاحات نہ پہچاننے کی وجہ سے ہے۔ ہر اطلاق کا ایک اپنا محل ہے اور حقیقت شرعیہ اپنی جگہ قائم ہے جس میں کسی شک اور کمی بیشی کو راہ نہیں۔

ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورًا۔ (پ۲۵ شوریٰ ۵۲)

میں ایمان سے مراد اعمالِ ایمان کی تفاصیل ہیں نفسِ ایمان ہرگز مراد نہیں کیونکہ پیغمبر کسی وقت بھی ایمان سے خالی نہیں ہو سکتا۔ کہ کہا جائے کہ اسے ایمان کا پتہ نہ تھا۔ (معاذ اللہ)

آنحضرتؐ سے بھی ایمانِ شرعی کی یہی تعریف منقول ہے کہ آپ کی جملہ تعلیمات کو سچا تسلیم کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یشھد وا ان لا الٰہ الا اللہ ویومنوا بی و بما جئت بہ۔[1]

ترجمہ: لوگ اس وقت تک امن میں نہیں جب تک کہ توحید کے ساتھ مجھے اور میری جملہ تعلیمات کو برحق تسلیم نہ کریں۔

ایمان اور اسلام

یہ صحیح ہے کہ ایمان ایک فعل قلب ہے اور اسلام ظاہری انقیاد کا نام ہے لیکن شریعت کی اصطلاح میں ایمان اور اسلام ایک ہیں جو مومن نہیں وہ مسلمان بھی نہیں اور جو مسلمان نہیں وہ مومن بھی نہیں دونوں کی حقیقت ایک ہے مبدأ کے اعتبار سے اسے ایمان کہہ دیتے ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے اسے اسلام کہہ دیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ ایک دوسرے کے مقابلے میں ہوں تو دونوں میں سے کسی ایک کا حقیقی معنی مراد نہیں ہوگا کیونکہ حقیقت شرعی دونوں کی ایک ہے اختلاف تبھی ہو سکے گا کہ ایک اپنے حقیقی معنی پر ہو اور دوسرے کے محض لغوی معنی مراد ہوں جیسے:۔

قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا۔ (پ۲۶ الحجرات ۱۴)

یہاں اسلام کے حقیقی معنی مراد نہیں صرف ظاہر جھکاؤ مراد ہے۔ اسلام کے حقیقی معنی ایمان سے جدا نہیں۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں:۔

اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ وکان علی الاستسلام او الخوف من القتل لقولہ تعالیٰ قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا فاذا کان علی الحقیقۃ فھو علیٰ قولہ جل ذکرہ ان الدین عند اللہ الاسلام۔[2]

ایمان کو اگر صرف قلب تک محدود رکھا جائے تو وہ معاملات جو مومنین سے وابستہ ہیں کبھی سرانجام نہیں پا سکتے کیونکہ دل کی بات تک کسی دوسرے کو رسائی نہیں ہوتی مثلاً

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صـ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صـ ۸

لا تنکحوا المشرکین حتیٰ یؤمنوا۔ (پ۲ البقرہ ۲۲۱)

میں حکم دیا گیا ہے کہ لڑکیوں کا نکاح صرف انہی مردوں سے کرو جو مومن ہوں۔ یہاں ایمان کو اگر فعل قلب تک محدود رکھیں تو اس آیت پر عمل کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ ہاں ایمان اور اسلام کو ایک حقیقت سمجھیں تو بے شک اس پر عمل ہو سکتا ہے۔

آنحضرتؐ نے حدیث جبریل میں ایمان اور اسلام کے دو مختلف جواب ارشاد فرمائے۔ مگر جب وفد عبد القیس حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ایمان کی[1] تفصیل وہ فرمائی جو حدیث جبریل میں اسلام کے جواب میں کہی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شارع کی نظر میں ان کا فرق صرف اعتباری ہے۔ حقیقت دونوں کی ایک ہے جب ایک نہ ہو تو دوسرے کا بھی اعتبار نہیں۔

کُفر کی حقیقت

کُفر کے لغوی معنی چھپانے اور انکار کرنے کے ہیں۔ کُفران کے معنی ناشکری کے آتے ہیں قرآن کریم میں ہے:۔

لئن شکرتم لا زیدنکم ولئن کفرتم۔ (پ۱۳ ابراہیم ۷)

ترجمہ۔ اور اگر تم نے شکر کیا تو میں تمہاری نعمت بڑھا دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو میری پکڑ بڑی سخت ہے۔

یہاں کُفر ناشکری کے معنی میں ہے۔ پھر ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

قتل الانسان ما اکفرہ من ای شئ خلقہ۔ (پ۳۰ عبس ۱۸)

ترجمہ۔ مارا جائے انسان کس قدر ناشکرا ہے اسے پیدا کرنے والے نے کس چیز سے پیدا کیا۔

کفر کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی تعلیمات میں کسی بات کا حضورؐ سے یقینی طور پر منقول ہوا انکار کر دیا جائے۔ جو خبر واحد سے منقول ہو اس سے اختلاف آپ کا انکار نہیں ہے۔

---

[1] ما الایمان باللہ وحدہ قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصیام رمضان الحدیث۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳)

یہ کھُلم کھلا انکار ہو ـــــ یا کفر الحاد ہو ـــــ ہاں عملی ترک انکار نہیں ہے صرف انکار[1] موجب کُفر ہے
اسلام سے پھر جانے کے لیے تبدیل ملت کا اعلان ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ اسلام کی تمام تعلیمات کا انکار ہو۔ ہو سکتا ہے یہ کفر الحاد ہو ـــــ اسلام کی ایک یقینی بات کا انکار اور الحاد انسان کو کُفر کے دائرہ میں داخل کر دیتے ہیں۔ ہاں عملی ترک صرف کوتاہی ہے انکار نہیں، انکار موجبِ کُفر ہے۔

امام الائمہ امام محمدؒ (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں:۔

من انکر شیاءً من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لا الٰہ الا اللہ۔[2]

ترجمہ: جس نے شرائع اسلام میں سے کسی ایک بات کا انکار کیا تو اس نے اپنے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کو باطل کر لیا۔

یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے صرف ایک بات چھوڑی ہے اس کے پورے دعویٰ اسلام کو کالعدم تصور کیا جائے گا۔

دین

قرآن کریم میں دین کا لفظ کئی معنوں میں آیا ہے کبھی یہ محض لغوی معنوں میں آتا ہے اور کبھی تخاطب شرعی میں اپنے اصل معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہیں سے اس کی شرعی اصطلاح قائم ہوتی ہے کہیں یہ اپنے اصل معنی اور اس کی جملہ تفصیلات کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے تاہم اس کے اصل معنی اور اس کے تقاضے کبھی ہموزن نہیں ہوتے اور نہ دین کے یہ مختلف مفہوم دین کے مختلف

---

[1] خواہ یہ انکار عناداً ہو جیسے ابوجہل کا کفر تھا یا الحاداً جیسے مسیلمہ کذاب اور مسیلمہ پنجاب کا کفر تھا کیونکہ یہ بھی بالآخر تعلیمات پیغمبر میں سے بعض کے انکار پر منتج ہے اسی طرح وہ کفر جسے چھپا کر ایمان کا اظہار کیا جائے وہ بھی کُفر ہے گو اس کا معروف نام نفاق ہے اور اسی طرح وہ کفر جو ایمان کے بعد آئے وہ بھی کفر ہے اس کا معروف نام ارتداد ہے۔ اہل کتاب گو کتابی کہلاتے ہیں اور ان کے لیے بعض رعایات بھی ہیں مگر وہ اہل کفر ہیں۔ پس کتابی، منافق، مرتد، ملحد، زندیق اور کافر اصلی سب کفر کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔

[2] سیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۵

اجزاء بنتے ہیں جن سے دین کی کوئی مجموعی حیثیت قائم ہوتی ہو. اجزاء آپس میں برابر کی نسبت رکھتے ہیں اور تفصیلات اور تقاضے اصل کے لیے بمنزلہ فروع کے ہیں. دین کی اصل حقیقت ایک ہے اور ہمیشہ سے ایک ہے تمام انبیاء اس میں مشترک رہے ہیں اور یہی پیغمبرانہ تاریخ کا اجتماعی نقطہ ہے. ہاں اس کی تفصیلات مختلف زمانوں میں مختلف ملتی رہی ہیں اور اس کے تقاضے مختلف حالات میں مختلف رُخ اختیار کرتے رہے ہیں. بایں ہمہ دین کی اصل حقیقت اپنی جگہ ایک ہے اور اصطلاحاً اسے ہی دین کہا جاتا ہے. دین میں قوت وضعف کی کیفیات تو پیدا ہوتی ہیں لیکن اس کی کوئی جزو بندی نہیں اور نہ یہ مختلف اجزاء کے مجموعہ کا نام ہے.

نہایت افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن پاک میں لفظ دین کو مختلف معنوں میں دیکھ کر انہیں دین کے مختلف اجزاء سمجھ لیا وہ دین کی حقیقت ان سب کے مجموعے کو سمجھتے رہے ان کے خیال کے مطابق لازم آتا ہے کہ لفظ دین کا متفرق استعمال اپنے اصل مفہوم کی نسبت سے ناقص رہے اور دین کی اصل حقیقت وہ ہے جو ان سب کے مجموعے سے حاصل ہو ایسا ہرگز نہیں. قرآن پاک میں دین کا لفظ جہاں بھی وارد ہے وہ اپنی جگہ دین کا صحیح مفہوم ہے گو کہیں محض لغوی معنی مطلوب ہوں اور کہیں شرعی اور کہیں دین سے اس کے تقاضے مراد ہوں لیکن اپنے ہر استعمال میں قرآن کریم کا یہ لفظ اپنی جگہ کامل ہے.

دین کے لغوی معنی جھکنے اور ماتحت ہونے کے ہیں. اسلام اپنے مخالفوں سے دو ہی مطالبے کرتا ہے:-

① وہ اسلام قبول کرلیں یا

② مسلمانوں کی ماتحتی قبول کرلیں

جہاد کُفر کو ختم کرنے کے لیے نہیں کُفر کی شوکت توڑنے کے لیے ہے یا کبھی محض دفاع کے لیے ہے.

قرآن کریم اس مسئلے کے لیے دَانَ یدین کا لفظ اس کے لغوی معنوں میں پیش کرتا ہے

ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون. (پ التوبہ ۲۹)

ترجمہ۔ اور وہ نہیں جھکتے دینِ حق کے آگے۔ ان اہل کتاب سے جہاد کرتے رہو جب تک کہ وہ ماتحت ہوکر اور چھوٹے بن کر جزیہ دینا منظور نہ کرلیں۔

امام عربیت ابُو عبیدہ یدینون کا معنی یہ بیان کرتے ہیں :۔

لا یطیعون طاعة اهل الاسلام وكل من كان فی سلطان ملك فهو علی دینه وقد دان له وخضع ۔[1]

ترجمہ۔ اور وہ لوگ اسلام کی طاعت قبول نہیں کرتے اور جو شخص کسی بادشاہ کے تسلط میں ہو وہ اس کے دین پہ ہے اور اس کے آگے جھکا ہوا ہے، اور پست ہے۔

حافظ ابن جریر طبری لکھتے ہیں :۔

كل مطیع ملکاً او ذا سلطانٍ فهو دائن له یقال منه دان فلان لفلان فهو یدین له دیناً ۔[2]

ترجمہ۔ جو شخص بھی کسی بادشاہ یا حاکم کے ماتحت ہو وہ اس کے آگے جھکا ہوا ہے دان یدین کے معنی یہی ہیں کہ وہ اس کے آگے پست ہے۔

اس مقام پر لا یدینُون کے الفاظ دین کے لغوی معنی میں ہیں اور دین الحق کے الفاظ اپنے شرعی معنی کے لیے استعمال ہوئے ہیں، حضوُر اکرمؐ نے فرمایا :۔

الكیّس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت ۔[3]

ترجمہ۔ عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو ماتحت کرے اور موت کے بعد کی زندگی کا سرمایہ تیار کرے۔

دین کی اصل حقیقت اور اُس کا شرعی معنی

شرع لکم من الدّین ما وصّٰی به نوحًا والذی اوحینا الیك وما وصّینا به ابراهیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه كبر

[1] البحر المحیط جلد ۵ صہ ۲۹ [2] ابن جریر جلد ۱۰ صہ ۲۸ [3] مسند احمد صہ

على المشركين ما تدعوهم اليه الله يجتبى اليه من يشاء ويهدى
اليه من ينيب۔ (پ ۲۵ شوریٰ ۱۳)

ترجمہ: تمہارے لیے بھی وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم نوح کو کیا تھا اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم ہم نے حضرت ابراہیم کو کیا تھا اور موسےٰ اور عیسیٰ سب کو یہی حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں ہرگز علیحدہ علیحدہ نہ ہو جانا۔ بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جس کی طرف تو انہیں بُلاتا ہے اللہ چُن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اسے جو رجوع لائے۔

اس آیت شریفہ نے بتلایا کہ دین سب پیغمبروں کا ہمیشہ سے ایک رہا ہے اسی کو قائم کرنے کے لیے سب پیغمبر یہاں تشریف لائے اور اسی دین کی اقامت پیغمبروں کی نیابت میں ان کی اُمتوں پر فرض رہی۔ آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں:۔

الانبیاء اخوة لعلات امهاتهم شتى ودينهم واحد (او کما قال)[1]

ترجمہ: تمام پیغمبر آپس میں اس طرح ہیں جیسے سوتیلے بھائی ہوں ان کی مائیں (شریعتیں) تو مختلف ہیں مگر دین سب کا ایک ہے۔

وہ دین کیا ہے؟ ابو حیان اندلسی (ھ) لکھتے ہیں:۔

هو ما شرع لهم من العقائد المتفق عليها من توحيد الله وطاعته و الايمان برسله وبكتبه وباليوم الآخر والجزاء فيه۔[2]

ترجمہ: دین ان عقائد کا نام ہے جن پر سب پیغمبروں کا اتفاق رہا ہے مثلاً اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت، اس کے رسولوں، کتابوں اور قیامت اور جزاء و سزا پر ایمان لانا۔

امام رازی (۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:۔

يجب ان يكون المراد الامور التى لا تختلف باختلاف الشرائع وهى الايمان

---

[1] رواہ احمد [2] البحر المحیط جلد ص

باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر والایمان یوجب الاعراض عن الدنیا والاقبال علی الاٰخرۃ والسعی فی مکارم الاخلاق والاحتراز عن رذائل الاحوال [1]

ترجمہ۔ دین سے مراد وہ امور ہیں جو شریعتوں کے اختلاف سے نہیں بدلتے اور وہ یہ ہیں۔ (اللہ) اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور پیغمبروں اور قیامت پر ایمان لانا۔ اور ایمان دنیا سے منہ پھیرنے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے اور اچھے اخلاق کی کوشش اور بُرے احوال سے بچنے کا نام ہے۔

پس یہ دین ہے کہ انسان اپنے آپ کو خدا کے سامنے پُوری طرح جھکا دے اپنے آپ کو اس کے حضور Surrender کر دے۔ اپنے آپ کو اس کے آگے اس طرح جھکا دے کہ اس کی رضا اور آخرت کی فلاح اس کی زندگی کا موضوع بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک سمجھے اور اسے ہی اپنے نفع ونقصان کا واحد مالک اعتقاد کرے۔ آخرت اور اس کی جزا سزا پر پُورا یقین رکھے۔ جس شخص کو دین کی یہ دولت مل جائے پھر وہ اللہ تعالیٰ کا بہت مشتاق ہوجاتا ہے اس کے آگے جھکنے میں عبادت اور انابت میں صحیح لذت محسوس کرتا ہے۔ اس کے نزدیک نماز کی غایت پانچ وقت کی پاکیزگی، پابندی اوقات اور ایک نظام کی ماتحتی کا ہی تصور نہیں بلکہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ شوق ومحبت کا ایک ایسا ربط ہے کہ وہ اس کے سامنے پست اور عاجز ہونے کو اپنی سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑی لذت سمجھتا ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ اس کے ساتھ پانچ وقت کی پاکیزگی، پابندی اوقات کی سیرت اور ایک امام کی ماتحتی بھی حاصل ہوجائے گی مگر یہ سب امور نماز کے اثرات اور ثمرات ہیں جو اپنی جگہ محمود ہیں مگر نماز کا مقصود نہیں۔ نماز کی حقیقت وہ خاص تعلق ہے جو بندے اور خدا کے مابین قائم ہوتا ہے اسی معنی میں حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیائے کرام اللہ کے سامنے جھکے ہوئے تھے اور یہی ان سب کا دین تھا اور وہ سب اللہ کے حضور اس کے بندے تھے۔ پیغمبر کتنی ہی اونچی شان میں ہو وہ بندگی سے نہیں نکلتا۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۷ صہ ۳۸۲

دین اور اُس کے تقاضے

یہ صحیح ہے کہ اس دین کے تقاضے بھی ان کی زندگیوں میں پوری طرح روشن تھے۔ زندگی کے ہر نئے موڑ پر دین کا تقاضا ایک نئی صورت میں سامنے آتا اور ان حضرات قُدسی صفات کی تعلیمات زندگی کے ہر باب میں خیر کے نقوش چھوڑتی جاتیں تاہم دین کی اصل حقیقت اور اس کے تقاضوں نے برابر کی صورت کبھی اختیار نہیں کی۔ پیغمبروں کی اجتماعی تاریخ میں دین کی اصل حقیقت ہمیشہ اُبھری رہی اور دین کے تقاضے ان کی دعوت کا اساسی موضوع کبھی نہیں بنے۔ انہوں نے ہمیشہ اصل دین کی دعوت دی تقاضے صرف ضمنی صورت میں سامنے آتے رہے یہ دین کے ثمرات ہیں دعوت کا اصل موضوع نہیں۔ اصل دین اللہ کے آگے جھکنا اور جزا سزا کے اعتقاد کے ساتھ اللہ ربُ العزت کے لیے اپنے دل میں اشتیاق و محبت کی ایک کیفیت پیدا کرنا ہے۔

دین ہر وقت مطلوب ہے مگر اس کے تقاضوں پر عمل اسی وقت مطلوب ہوتا ہے جب ان کے مناسب حالات پیدا ہوں۔ تجارت میں جاؤ تو اس طرح کا کاروبار کرو جس طرح اسلام کی تعلیمات ہیں۔ فوج میں جاؤ تو اس طرح لڑو جس طرح اسلام کی تعلیم ہے حکومت ملے تو اس طرح عدل و انصاف قائم کرو کہ ہر حقدار کو اس کا حق ملنے لگے مگر ان سب امور پر عمل درآمد اسی وقت تمہارے ذمہ آئے گا جب اس عمل کی باگ تمہارے ہاتھ میں آجائے اس کے برعکس اصل دین ہر لحظہ اور ہر وقت مطلوب و معمول رہتا ہے وہ حالات سے مشروط نہیں۔ حالات بننے اور بگڑنے پر دین کے تقاضے دبتے اور اُبھرتے ہیں۔ اصل دین تو حالات سے کنارہ کشی کے بعد بھی اپنے درجے میں محفوظ رہ سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال و مواقع القطر یفر بدینه من الفتن [1]

ترجمہ۔ قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال چند بکریاں رہ جائیں جن کو وہ پہاڑوں

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب الایمان عن ابی سعید الخدریؓ

کی گھاٹیوں اور بارش کے مواقع میں لے جائے اور اپنے دین کو فتنوں سے
بچا بھاگے۔

دین کا غلط تصوّر

فکری بنیادی	عملی پیرائے	معاشرتی پہلو	تمدنی بنیاد	احساس عمل
(عقائد)	(عبادات)	(اخلاق)	(قوانین)	(احسان)

دین — دین — دین — دین
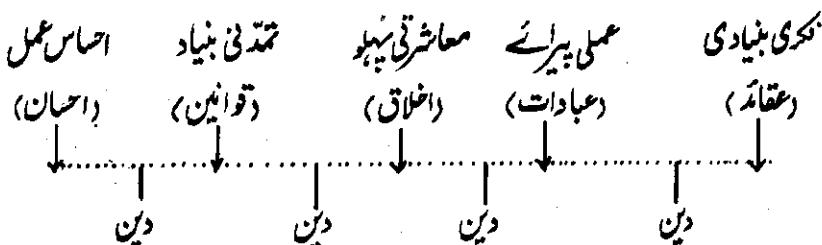
اس تصور میں ان مختلف امور کو ایک نظام میں لایا گیا ہے وہ لڑی جو ان مختلف امور کو یکجا کرتی ہے اس کا نام دین ہے اس تصور میں دین بندے اور خدا کے مابین ایک خاص تعلق کا نام نہیں بلکہ اس نظام کا نام ہے جو ان مختلف پہلوؤں کو یکجا کر رہا ہے اس تصور میں دین ایک نظام کے طور پر اُبھر رہا ہے اور تعبدی پہلو جو اصل دین تھا بہت دَب کر رہ گیا ہے۔ دوسرے مکاتبِ فکر ان مختلف امور کے باہمی تعلق کو حکمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک حکمت میں تبدیلی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے مگر دین اپنی جگہ ایک لازوال حقیقت ہے۔ دین کے غلط تصوّر کے حامی اس بات کے قائل ہیں کہ دین ایک نظام ہے اور نظام کے عام اصولوں میں بوقت ضرورت تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ سو یہ تصوّرِ دین تحریفِ دین کی ایک راہ ہے۔ دین کے غلط تصور کا یہ ایک جلی نتیجہ ہے۔ یہ لوگ اس تصور کے مطابق دین کے ان مختلف پہلوؤں کو عملاً قائم بھی کر لیں اور اس میں ترمیم نہ بھی کریں تو زیادہ سے زیادہ اسے اقامتِ شریعت کہہ سکیں گے۔ اقامتِ دین ہم اسے پھر بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں دین کا صحیح تصور سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس سے لوگ کسی درجے میں پابند شریعت تو ہو سکتے ہیں دیندار نہیں بن سکتے۔ دین کا کوئی عمل عقائد کی صحیح بنیاد کے بغیر دینی عمل نہیں ہو سکتا۔

دین کا صحیح تصور

دین پیغمبرانہ دعوت پہ اقرار توحید اور یقین آخرت کا نام ہے اس سے بندے اور خدا کے مابین ایک خاص ربط قائم ہوتا ہے یہی اصل دین ہے اور یہی تمام پیغمبروں کا اجتماعی کردار رہا ہے۔
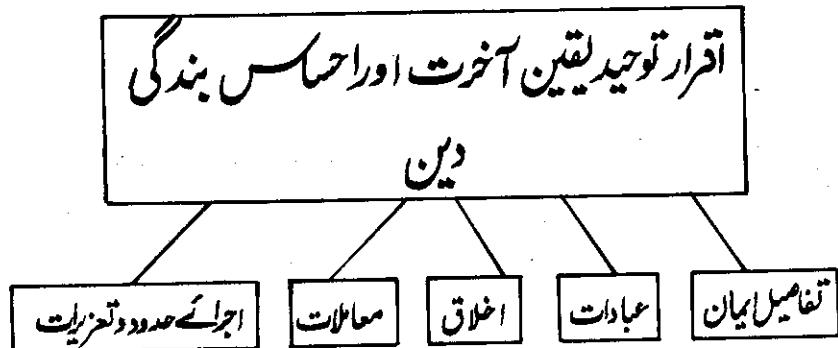
ایک سوال

دین کے جو اعمال خاص حالات میں ہمارے ذمہ آتے ہیں ان حالات کو خود پیدا کرنا تاکہ ان کے متعلقہ احکام پر عمل کیا جا سکے کیا ہمارے ذمہ نہیں ؟ اسلام کے وہ احکام جو حکام کے ذمہ ہیں جیسے اجرائے حدود وغیرہ ان پر عمل کر سکنے کے لیے حکومت حاصل کرنے کی کوشش کرنا کیا یہ ہمارے ذمہ ہے ؟

جواب : ایسی کوشش ایک انتظامی مسئلہ ہے اور مندوب و مستحسن ہے لیکن فرض نہیں اور نہ یہ دین کی اساسی دعوت ہے حکومت ملی ہو تو اس کے متعلقہ احکام پر عمل کرنا فرض ہے اللہ کے بندوں کی شان یہ ہے۔

الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ (پ۱۷ الحج ۱۴)

ترجمہ۔ اگر ہم ان کو زمین میں قوت دیں تو وہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔

لیکن ان تقاضوں پر عمل کرنے کی خاطر اقتدار لینے کی کوشش کرنا اس کی قرآن پاک میں کہیں دعوت نہیں ملتی۔ مال جمع کرنے کی اس لیے کوشش کرنا کہ انسان زکوٰۃ دے سکے اس کی اسلام میں کہیں ترغیب نہیں۔ ہاں مال اگر جمع ہو جائے تو پھر زکوٰۃ ادا کرنے کی پوری پابندی کرنی ہوگی۔ مال کا جمع کرنا ہرگز فرض نہیں بعض شرطوں کے ساتھ صرف جائز ہے۔ جہاد اسلام کا ایک بڑا مسئلہ ہے اور یہ اسلام کے کوہان کی چوٹی ہے اس کا ترک ذلت کا پیغام اور اس پر عمل زندگی کا نشان ہے لیکن ایسے حالات خود پیدا کرنا کہ اس مسئلے پر عمل کرنے کی نوبت آجائے یہ امت کے ذمے فرض نہیں۔ ہاں حالات خود پیدا ہو جائیں تو پھر اس پر ڈٹ جانا اور اللہ کے نام پر زندگی سے کھیل جانا یہ نہایت ضروری ہے۔ جہاد فرض ہے لیکن اس فرض پر عمل کرنے کے لیے حالات پیدا کرنا یہ فرض نہیں۔ حالات پیدا ہونے پر جو شہادت ملے وہ بے شک مطلوب ہے لیکن حالات خود پیدا کرنے کی قرآن نے کہیں دعوت نہیں دی۔ حضورؐ فرماتے ہیں:۔

لا تتمنوا لقاء العدو فان لقیتم فاثبتوا۔ [۱]

ترجمہ۔ تم خود دشمن سے لڑنے کی تمنا نہ کرو لیکن اگر لڑنا پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہو۔

نفاق

قرآن کریم میں کافروں اور مسلمانوں کے علاوہ ایک تیسرے گروہ کا بھی وسیع تذکرہ ہے یہ منافق لوگ تھے جو اصل میں کافر تھے مگر دھوکے سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھی کبھی کبھار آتے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمومنین۔

---

[۱]

یخادعون اللہ والذین امنوا۔ (پ البقرہ ۹)

ترجمہ۔ اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے مگر وہ مومن ہرگز نہیں وہ اللہ سے اور ایمان والوں سے دھوکہ کر رہے ہیں۔

یہاں ایک نازک مرحلہ درپیش ہے نفاق چونکہ اظہار اسلام اور اخفار کفر کی ایک باطنی کیفیت کا نام ہے اور ایک امر مخفی ہے اس لیے ہر مسلمان کے متعلق یہ گمان ہو سکتا ہے کہ شاید وہ اندر سے مسلمان نہ ہو اور اگر اس بدگمانی کو چلنے دیا جائے تو ساری ملت ہی مشتبہ ہو کر رہ جائے گی۔ پس ضروری ہے کہ قرآن کریم میں منافقین کے کچھ ایسے نشان تلاش کیے جائیں جن سے اہل حق مشتبہ ہونے سے بچ سکیں کچھ لوگ تو ہوں جو پیغمبر کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہوں اور ان کے بارے میں یقین سے کہا جا سکے کہ وہ اندر سے مومن ہیں، اور واقعی وہ پیغمبر کے ساتھی ہیں اور واقعی وہ پیغمبر کے ساتھی ہیں۔

قرآن کریم کے پہلے پارے کے شروع میں منافقوں کی مفصل داستان ملتی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے۔

اذا قیل لھم امنوا کما امن النّاس قالوا انؤمن کما امن السفھاء۔

(پ البقرہ ۱۳)

ترجمہ۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم بھی اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح یہ بے وقوف لوگ ایمان لائے؟

اس سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین کے دعویٰ اسلام سے پہلے مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ ضرور موجود تھا جن کا اسلام معروف تھا اور وہ لوگ آئندہ مسلمان ہونے والوں کے لیے ایک معیار کی حیثیت رکھتے تھے۔ منافقوں کا مسلمانوں میں گھسنا یہ بعد کا ایک عمل ہے۔ سب سے پہلے جو لوگ ایمان کی صف میں آئے وہ یقیناً معیاری مسلمان تھے جیسے حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہم۔ پھر حضرت عمرؓ بھی چالیسویں مسلمان تھے اور قرآن کی چالیسویں سورت المومن ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ سابقین اولین کے دامن پر نفاق کا کوئی چھینٹا نہیں ہے وہ سب

کے سب حقیقی معنوں میں مسلمان اور مومن تھے ورنہ قرآن کریم ان کے ایمان اور منافقین کے دعویٰ ایمان کا اس ترتیب سے ذکر نہ کرتا اور ان پہلوں کو ان پچھلوں کے لیے معیار ایمان نہ ٹھہراتا۔

① جب کوئی تحریک شروع ہوتی ہے تو اس کا پہلا دور محنت و تکلیف اور ہموم و مصائب کا دور ہوتا ہے کوئی مخالف ایسا بے وقوف نہیں ہوتا جو اس وقت محض مار کھانے کے لیے ان میں شامل رہے۔ ہاں جب اس کی کامیابی کے آثار کھلنے لگیں تو پھر بعض مخالف اس میں گھس کر ففتھ کالم کا کام کرتے ہیں پس وہ لوگ جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے جیسے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہم ان تمام حضرات کا دامن شائبہ نفاق سے کلیتہً پاک مانا جائے گا۔ منافقین کے دعوئے ایمان کو کاٹنے کے لیے قرآن کریم انہی سابقین اولین کے ایمان کو بطور معیار پیش کرتا ہے اور انہیں انہیں کی اتباع میں آنے کا حکم دیا۔

② منافقوں کا دوسرا نشان یہ ہے کہ وہ مکہ کے رہنے والے نہ تھے مدینہ یا اس کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ مدنی زندگی میں ہی اسلام کو قوت حاصل ہوئی تھی اور اسی دور میں منافقوں کو مسلمانوں میں گھسنے کی ضرورت تھی۔ قرآن کریم میں ہے۔

وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اهل المدینة مردوا علی النفاق۔ (پ۱۱ التوبہ ۱۰۱)

ترجمہ: تمہارے گردو نواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور کچھ لوگ مدینہ کے ہیں جو منافقت پر اڑے ہوئے ہیں۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ نفاق کا فتنہ مسلمانوں کی مدنی زندگی میں ہی ابھرا تھا پس جو لوگ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے مکی مسلمان وہ سب کے سب نفاق کے ہر شائبے سے پوری طرح محفوظ سمجھے جائیں گے۔ قرآن کی رو سے منافقین کے لیے اہل مدینہ میں سے ہونا ضروری ہے۔

③ منافقین جو مسلمانوں کی مخبری کے لیے اس دائرہ میں گھسے۔ اسلام کی راہ میں مال خرچ کرنے سے پوری طرح گریزاں رہے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا نہ کہ کسی قسم کا فائدہ دینا۔ اس سلسلہ میں وہ بڑے محتاط رہتے تھے۔

ھم الذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللّٰہ حتیٰ ینفضوا و للّٰہ
خزائن السمٰوات والارض ولکن المنافقین لا یفقھون۔ (پ ۲۸ منافقون ۷)
ترجمہ۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ مت خرچ کرو ان پر جو رسول اللہ کے ساتھ رہتے ہیں
یہاں تک کہ یہ متفرق ہو جائیں۔ اور اللہ ہی کے لیے ہیں خزانے زمین اور آسمان
کے لیکن یہ منافق سمجھتے نہیں۔

المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یأمرون بالمنکر وینھون عن
المعروف ویقبضون ایدیھم۔ (پ ۱۰ التوبہ ۶۷)
ترجمہ۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی چال ایک ہے بُری باتیں سکھاتے
ہیں اور نیک باتیں چھڑاتے ہیں اور موقعہ پر اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں۔

(۴) قرآن کریم کی اس نشاندہی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے آنحضرتؐ پر اور مہمات اسلام پر اپنا مال خرچ کیا جیسے حضرت ابو صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ وغیرہما من الاکابر سب پکے مومن تھے ان کی سیرت شبہ کے ہر شائبہ سے پاک اور پوری طرح محفوظ مانی جائے گی۔ منافقین کی بنیادی علامت یہ ہے کہ وہ حضورؐ پر کچھ خرچ نہ کرتے ہوں۔ نیز یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ منافقین نمایاں طور پر نیک کام سے دور تھے اور بُرے کاموں میں عمداً کوشاں رہتے تھے۔ اکابر صحابہ کرامؓ کا عمل بالمعروف اس قدر نمایاں تھا کہ ان کی سیرت کی چادر نفاق کے ہر چھینٹے سے پاک نظر آتی ہے۔ علامہ ابن میثم بحرانی نہج البلاغہ کی شرح میں حضرات خلفاء ثلٰثہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان الفرق بین الخلفاء الثلٰثۃ وبین معاویۃ فی اقامۃ حدود اللّٰہ والعمل
بمقتضی اوامرہ ونواھیہ ظاھر [1]

ترجمہ۔ خلفائے ثلٰثہؓ اور امیر معاویہؓ کے زمانہ حکومت میں نمایاں فرق یہ تھا کہ
خلفائے ثلٰثہ اقامت حدود الٰہی میں اور اوامر و نواہی کے تقاضوں پر عمل کرنے
میں پوری طرح کوشاں تھے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ لابن میثم بحرانی جلد ص

⑤ آنحضرتؐ کے زمانے میں منافقوں نے ایک علیحدہ مسجد بنائی اور اسے مستند قرار دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں نماز پڑھنے کی دعوت دی. اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی :-

لا تقم فيه ابدًا لمسجد اسس على التقوىٰ من اوّل يوم احق ان تقوم فيه فيه رجال يحبون ان يتطهّروا۔ (پ۱۱ التوبہ ۱۰۸)

ترجمہ. آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی پرہیز گاری پر رکھی گئی ہو آپ کا حق یہی ہے کہ وہیں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو پاک رہنے کو ہی پسند کرتے ہیں.

قرآن کریم کی اس نشاندہی سے پتہ چلا کہ آنحضرتؐ کی مسجد مبارک کی تعمیر میں شریک ہونے والے اور پھر اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے ___ نمازوں میں آپ کے ساتھ رہنے والے اور اس مسجد میں تعلیم و تربیت پانے والے سب کے سب پکے مومن تھے. اگر اس مسجد کے بسانے والوں پر بھی نفاق کا کوئی دھبہ ہو تو اللہ رب العزت منافقوں کی مسجد میں جانے سے حضور اکرمؐ کو اس طرح منع نہ فرماتے. پس منافقوں کی بنیادی علامت یہ ہے کہ وہ آنحضرتؐ سے قلیل المخالطت ہوں آپ سے اکثر ملنا جلنا نہ ہو آپ کی مسجد میں بہت کم آتے ہوں علیحدہ مسجد بنانے کے درپے ہوں.

⑥ منافقوں کا ایک واضح نشان یہ ہے کہ وہ انجام کار مغلوب ہوئے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ذلیل اور رسوا ہو گئے ہوں. جو لوگ آنحضرتؐ کے حضور میں آخر دم تک مسلمانوں کے اہم امور میں دخیل اور کار فرما رہے اور حضور اکرمؐ کے بعد بھی وہ مسلمانوں کا مرکز بنے رہے وہ سب بالیقین پکے مومن تھے اور ان کے دامن سیرت پر نفاق کا کوئی دھبہ نہیں ہو سکتا. قرآن کریم نے بڑی ذمہ داری سے اس کا اعلان کیا ہے :-

لئن لم ينته المنافقون والذين فى قلوبهم مرض والمرجفون فى المدينة لنغرينك بهم ثم لا يجاورونك فيها الا قليلا ملعونين اينما ثقفوا اخذوا وقتّلوا تقتيلا۔ (پ۲۲ الاحزاب ۶۰)

ترجمہ۔ اگر منافق باز نہ آئے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے تو ہم تمہیں ان سب پر مسلط کردیں گے پھر وہ تیرے ساتھ مدینہ میں رہ بھی نہ سکیں گے مگر تھوڑے دن اور ان دنوں میں بھی وہ ملعون ہو کر ہی رہیں گے جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور مارے جائیں گے۔

(۷) منافقین کا ایک نشان یہ بھی ہے کہ ان کی زندگیوں میں تسلسل نہیں ہوتا اور ان کا کردار شب و روز بدلتا ہے ایسے منافقین زیادہ تر یہود میں سے تھے۔

وقالت طائفة من اهل الكتاب امنوا بالذی انزل علی الذين امنوا وجه النهار واكفروا اخره لعلهم يرجعون. (پ۳ آل عمران ۷۲)

ترجمہ۔ بعض اہل الکتاب نے سکیم بنائی کہ جو اترا ہے مسلمانوں پر اسے صبح کو مان لو اور شام کو اس کا انکار کردو۔ شاید کچھ اور لوگ بھی اس طرح اسلام سے پھر جائیں۔

ان المنافقين يخدعون الله وهو خادعهم واذا قاموا الى الصلوٰة قاموا كسالى يراءون الناس ولا يذكرون الله الا قليلا. مذبذبين بين ذٰلك لا الى هٰؤلاء ولا الى هٰؤلاء. (پ۵ النساء ۱۴۲)

ترجمہ۔ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کو تو کھڑے ہوتے ہیں سستی سے۔ لوگوں کے دکھانے کو۔ یاد نہیں کرتے اللہ کو مگر برائے نام مذبذب ہیں دونوں کے بیچ۔ نہ ادھر کے نہ ادھر کے۔

ان کی نماز کے لیے سستی محض ایک عمل کی سستی نہ تھی جیسے کہ آج کل کے بے نماز مسلمانوں میں یہ عملی سستی پائی جاتی ہے بلکہ اس کی وجہ ان کی بدنیتی تھی اور مسلمانوں کو دھوکہ دینا تھا اسی طرح ان منافقوں کا جنگ کے وقت کنارہ کش ہونا بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے نہ ہوتا تھا بلکہ اس کی وجہ دوسرے مسلمانوں کو بدگمان کرنا اور افواجِ اسلام کو عملاً نقصان پہنچانا تھا۔ جنگِ احد میں مسلمانوں

بکھر جانا ایک غلط فہمی اور زیادہ سے زیادہ ایک طبعی کمزوری کی وجہ سے تھا مگر جنگ احزاب میں ایک پورے فریق کی کنارہ کشی کمزوری کی وجہ سے نہ تھی ایک سازش اور منافقت کے نتیجہ میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رب العزت کا معاملہ دونوں موقعوں پر مختلف رہا ہے۔

اظہارِ رسالت

قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ایک کامیاب رسالت کے طور پر پیش کیا ہے۔ ابتدائی مشکلات اور عملی صعوبتوں کے بعد انجام کار اسے غالب بتلایا ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں رسالت کا یہ انجام ہرگز نہیں کہ حضورؐ آخر وقت میں بالکل مجبور اور مغلوب ہو کر رخصت ہوئے ہوں اور آپ کے گرد و پیش منافق ہی منافق ہوں نہ آپ وصیت کر سکیں نہ اپنی مرضی سے نماز کے لیے امام بنا سکیں۔ یہاں تک کہ آپ کا جنازہ بھی رکھا رہ جائے اور اس وقت سچے مسلمان صرف چند آدمی ہی ہوں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اس طرح کی باتیں تاریخ کی جھوٹی روایات تو ہو سکتی ہیں لیکن حقیقت نہیں۔ قرآن کریم آپ کی رسالت کو ایک نہایت کامیاب مشن کے طور پر پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ کے لیے ہر بعد کی منزل پہلی سے زیادہ روشن تھی۔ حضور مکہ مکرمہ میں جب مشکلات میں گھرے ہوئے تھے تو آپ کو بشارت دی گئی :-

(۱) وللآخرة خير لك من الاولى۔ (پ۳۰ الضحیٰ)

ترجمہ۔ اور بے شک بعد کی حالت آپ کے لیے پہلی سے بہتر ہوگی۔

حضورؐ پہلے یتیم تھے اللہ نے ٹھکانا دیا مفلس تھے اللہ نے غنی کر دیا۔ راہِ عمل کے جویا تھے اللہ نے راہیں روشن کر دیں، دشمنوں سے تنگ تھے اللہ رب العزت نے آپ کے تمام مخالفین کو آپ کے ہی رحم و کرم پر کر دیا۔

قرآن کی روشنی میں اس خیال کے لیے کوئی گنجائش نہیں کہ حضورؐ کے عہد میں حقیقی ایمان لانے والے صرف پانچ یا چھ آدمی تھے اور مومنین کی تعداد بعد کے ادوار میں بعید نسبت میں زیادہ تھی۔ رب العزت اپنے مقربین کی صفت میں فرماتے ہیں :-

(۲) ثلة من الاولين وقليل من الآخرين۔ (پ۲۷ الواقعہ)

ترجمہ۔ اکثریت ہے پہلوں میں سے اور تھوڑے ہوں گے پچھلوں میں سے۔

مسلمان تعداد میں گو پچھلوں میں سے زیادہ ہوں گے لیکن حقیقی مومن فیصد نسبت کے اعتبار سے پہلوں میں زیادہ ہیں۔ نسبت فیصد مقربین کی زیادہ ہوگی اور پچھلوں میں یہ نسبت کم ہوجائے گی۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

ہر امت کے پہلے طبقے میں نبی کی صحبت یا قرب عہد برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔[1]

③ کتب اللہ لاغلبنّ انا و رسلی۔ (پ۲۸ المجادلہ ۲۱)

ترجمہ۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے۔

جو صرف نبی ہوں وہ تو ظاہرًا مجبور بھی کیے جا سکتے ہیں جیسے کہ بہت سے نبی شہید بھی ہوئے لیکن جو پیغمبر رسالت کا درجہ پائیں محال ہے کہ وہ آخر دم تک مغلوب رہیں۔

④ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین۔ انھم لھم المنصورون۔ و ان جندنا لھم الغالبون۔ (پ۲۳ الصافات ۱۷۱)

ترجمہ۔ ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں بے شک ان کو مدد دی جاتی ہے اور یہ گروہ بے شک غالب آکر رہتا ہے۔

کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اس غلبے سے آخرت کا غلبہ مراد ہے آخرت انعامات کا گھر ہے وہاں غلبے کے کوئی معنی نہیں ہاں وہاں حق کی فتح ہونا یہ حقیقت مسلمہ ہے پس غلبے سے مراد یہاں اسی جہان کا غلبہ ہے۔

⑤ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشھاد۔ (پ۲۴ المومن ۵۱)

ترجمہ۔ بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور (ان کے ساتھ) ایمان لانے والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔

---

[1] فوائد القرآن ص۶۹۸

پھر آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے اعلان کرایا ۔

قل للذین کفروا ستغلبون و تحشرون الی جھنم وبئس المھاد۔

(پ۳ آل عمران۲)

ترجمہ۔ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہو کر رہو گے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

⑦ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف وان یعودوا فقد مضت سنۃ الاولین۔ (پ الانفال ۳۸)

ترجمہ۔ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا سب معاف ہے اور اگر وہ پھر وہی کچھ کریں تو ایسے لوگوں کا انجام پہلے سے فیصلہ شدہ چلا آرہا ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ غلبہ رسالت صرف کھلے کافروں کے مقابل تھا۔ یہ دعوے بلا دلیل ہے جب منافق بھی حقیقت میں کافر ہیں تو اس تخصیص کے لیے ویسی ہی قطعی دلیل چاہیئے ثانیاً اللہ رب العزت حضور اکرمؐ کے غلبہ رسالت کے باب میں منافقین کا نام لے کر خبر دیتے ہیں کہ رسولوں کو غالب کرنے میں سنۃ اللہ کیا چلی آرہی ہے۔

⑧ لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلاً ہ ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا ہ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ہ (پ۲۲ احزاب ۲۰)

ترجمہ۔ اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اُڑانے والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو اُن مسلط کر دیں گے پھر وہ آپ کے ساتھ مدینہ میں رہ بھی نہ سکیں گے مگر تھوڑے دن اور ان دنوں میں بھی وہ ملعون ہو کر ہی رہیں گے جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور مارے جائیں گے یہی سنۃ اللہ ہے ان رسولوں کے بارے میں جو پہلے

ہو چکے اور آپ بھی اس سُنتہ اللہ میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ عقیدہ کہ اللہ کے رسول اپنے اپنے وقت میں سب ناکام رہے یہ عقیدہ ہرگز اسلام کا نہیں۔ حضور خاتم النبیینؐ کا اپنے مشن میں کامیاب ہونا اور اپنے مخالفین پر غلبہ پانا یہ قطعیات میں سے ہے۔

کتاب

قرآن کریم میں کتاب کا لفظ لوحِ محفوظ کے لیے بھی آتا ہے جیسے :۔

لا رطب ولا یابس الا فی کتابٍ مبین۔ (پ الانعام ۵۹)

یا جیسے :۔

فی کتابٍ مکنونٍ۔ (پ الواقعہ ۷۸)

مگر جب اس کی صفت مبارک یا مصدق ہو یا اس کے ساتھ حکمت کا لفظ آجائے تو اس سے قرآن کریم مراد ہوگا۔ یعلّمھم الکتاب والحکمۃ۔

کتاب سے کبھی پوری کتاب مراد ہوتی ہے جیسے :۔

ذٰلک الکتاب لاریب فیہ۔ (پ البقرہ)

اور کبھی ایک ایک سورت کو بھی کتاب کہہ دیا جاتا ہے جیسے :۔

یتلوا صحفاً مطھّرۃ فیھا کتب قیّمۃ۔ (پ البیّنہ)

ترجمہ۔ یہ رسول وہ پاک صحیفے پڑھتا ہے جن میں کئی حقیقی کتابیں ہیں۔

اہل کتاب کے ذکر میں کتاب کا لفظ تورات اور انجیل کے لیے علیحدہ علیحدہ آتا ہے لیکن کبھی تورات اور انجیل دونوں کے لیے بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے جیسے :۔

انما انزل الکتاب علیٰ طائفتین من قبلنا۔ (پ الانعام ۱۵۶)

بعض مقامات پر کتاب سے اعمالنامہ بھی مراد ہوتا ہے :۔

من اُوتی کتابہ بیمینہ۔ (پ الحاقہ ۱۹)

الکتاب والحکمۃ سے قرآن کریم اور آنحضرتؐ کی ہمیشہ رہنے والی سنّت مراد ہے کتاب

کا لفظ حکمت کے ساتھ جب بھی آتا ہے وہاں قرآن کریم ہی مراد ہے۔ ملائکہ نے حضرت مریمؑ کو حضرت عیسیٰؑ کی بشارت دیتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کی یہ صفت بھی بیان فرمائی تھی۔

ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل۔ (پ۳ آل عمران ۴۸)

یہ اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنی آمد ثانی پر قرآن وسنت کے مطابق حکم کریں گے سو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو (آسمانوں میں) قرآن وسنت سکھلا دیں۔

آیت

آیت سے مراد قرآن کریم کے فقرات اور جملے بھی ہوتے ہیں۔ جیسے:-

فاتوا بآیۃ من مثلہ (پ) اس جیسی ایک سورت بنالاؤ۔

یا جیسے؛

تلک آیات الکتاب۔ (پ۱۱ یونس ۱)

یا جیسے:

لولا ارسلت الینا رسولاً فنتبع آیٰتک من قبل ان نذل ونخزی۔ (پ۱۶ طٰہٰ)

یا جیسے:-

اذا تلیت علیہم آیاتہ (پ۹ انفال ۲)

یہ تنزیلی آیات ہیں اور کبھی اس سے قدرت کے کھلے نشان مراد ہوتے ہیں جیسے:-

ان فی خلق السموات والارض۔۔۔۔ لاٰیات لقوم یوقنون۔ (پ۲ البقرہ ۱۶۴)

یہ اللہ رب العزت کی تکوینی آیات ہیں۔

جب لفظ آیت انبیاء کی طرف نسبت ہو تو اس سے عام طور پر معجزات اور خرق عادت امور مراد ہوتے ہیں جیسے:-

فلما جاءھم بآیاتنا۔ (پ۲۵ زخرف ۴۷)

ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا۔ (پ۲۴ مومن ۲۳)

ما تاتیہم من آیۃ من آیات ربہم۔ (پ۷ انعام ۴)

من اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذباً او کذّب بآیاتہ۔ (پ۷ انعام ۲۱)

وان یروا کل اٰیۃ لا یؤمنوا بہا۔ (پ الانعام ۲۵)

فارسلنا علیہم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم اٰیاتٍ مفصلات (پ اعراف ۱۳۳)

واذا جاء تہم اٰیۃ قالوا لن نؤمن حتی نوتی مثل ما اوتی رسل اللہ۔ (پ الانعام ۱۲۴)

واذا راوا اٰیۃ یستسخرون۔ (پ۲۳ الصافات ۱۴)

اس میں آنحضرتؐ کے بھی معجزات کا بیان ہے مسیحی علماء اس حقیقت کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیت سے مراد معجزہ ہو وہ اس کے معنی ہمیشہ فقرے اور جملے کے ہی ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہ محض اپنے اس دعوے کو سچا کرنے کے لیے ہے کہ آنحضرتؐ کے اپنے زمانے میں ان سے خرقِ عادت امور ظاہر ہونے کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا یہ دعوے بالکل غلط ہے۔ آنحضرتؐ سے آیات صادر ہونے کا خود قرآن میں بیان موجود ہے اور قرآن کریم اس تعبیر سے پہلے انبیاء کے معجزات بھی پیش کرتا ہے۔ حضورؐ سے خرق عادت امور ظاہر نہ ہوتے تو آپ کے مخالفین آپ کو جادوگر کیوں کہتے؟

بُرہان

قرآن کریم میں بُرہان کا لفظ دلیل کے لیے بھی آتا ہے جیسے :-

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ (پ البقرہ ۱۱۱)

مگر جب اس کی نسبت پیغمبروں کی طرف ہو تو اس سے عام طور پر خرقِ عادت امور بیان ہوتے ہیں جیسے :-

یاایہا الناس قد جاءکم برھانٌ[1] من ربکم وانزلنا الیکم نورًا مبینا۔ (پ النساء ۱۷۴)

یا جیسے :-

فذانک بُرھانان من ربک۔ (پ۲۰ القصص ۳۲)

میں معجزہ عصا اور ید بیضا مراد ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں حضرت موسیٰؑ کے پاس سندِ نبوت۔ کے طور پر تھیں

---

[1] عنی بالبرہان المعجزات وبالنور القرآن (بیضاوی)

عبادت

عبادت کا لفظ قرآن کریم میں کئی صیغوں میں آیا ہے۔ یہاں ہم تین لفظوں کی کچھ وضاحت کیے دیتے ہیں، عبادت ، عبودیت اور عبدیت۔ یہ تینوں لفظ آپس میں بہت قریب ہیں۔

عبودیت کا معنی "اپنے رب پر راضی رہنا ہے" وہ جو چاہے کرے بندہ رضا بالقضاء رہے۔ اور عبادت کا معنی ہے ایسے کام کرنا جن سے رب راضی ہو۔ عبدیت وہ بندگی ہے جس میں اپنی حاجت مندی اور محتاجی کا اقرار ہو۔

وہ رب ہے جو مختار کل ہے جو بندہ ہے اُس کا محتاج ہے۔ پیغمبروں سے اسی لیے عبدیت کی نفی نہیں ہوتی کہ وہ بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج رہتے ہیں۔ اگر ان میں حاجت مندی نہ ہو وہ عبد نہیں رہتے۔ تمام پیغمبروں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ بایں ہمہ ہم ہر نماز میں اقرار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے عبدہٗ ورسولہ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ عبدیت کے یہ معنی امام غزالی (۵۰۵ھ) نے جواہر القرآن میں اور عبودیت اور عبادت کے مذکورہ معنی امام نسفی (۷۰۰ھ) نے بیان فرمائے ہیں۔

قرآن کریم میں عبدہٗ کا لفظ غلام کے معنی میں بھی آیا ہے اور یہ لفظ بندہ کے معنی میں بھی آتا ہے مگر دونوں میں فرق ہے۔

(۱) غلام غلامی سے نکل بھی سکتا ہے بایں طور کہ مالک اسے آزاد کر دے لیکن بندہ بندگی سے نکل نہیں سکتا جب تک رب رب رہے بندہ بندہ رہے گا بندہ میں کبھی کوئی خدائی صفت نہیں آئی۔

(۲) غلام اپنے مالک کی فرمانبرداری دل سے نہیں کرتا وہ زر خرید ہوتا ہے اور اپنے آپ کو مجبور سمجھتا ہے۔ بندہ اپنے رب کی فرمانبرداری دل سے کرتا ہے ناپسندیدگی سے نہیں کرتا۔ بندہ بندگی سے نہیں نکلتا گو وہ کتنی روحانی ترقیات نہ کر جائے۔

سو عبادت اللہ تعالیٰ کی وہ فرمانبرداری ہے جو دل سے ہو یہ غلامی کی سی فرمانبرداری نہیں جو قہراً بھی ہوتی ہے یہ قلب سلیم سے اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے الا من اتی اللہ بقلب سلیم

جوعبادت کے لائق ہے وہ الٰہ ہے یہ الُوہیت سے فعال کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے
الوہیت، اسی شان کا نام ہے جو عبادت کے لائق ٹھہرے۔

اِلٰہ کا لفظ أَلَہَ سے بنا ہے یا دَلِہَ سے۔ أَلَہَ کا معنی لائق عبادت ہونا ہے۔ اور
وَلَہ کا معنی انتہائے محبت کے لائق ہونا ہے والہانہ محبت کا لفظ آپ نے عام سُنا ہوگا۔ اِلٰہ
کا لفظ مألُوہٌ بمعنی معبود ہوگا اور معبود بھی وہ جس سے شدید محبت ہو۔

والذین امنوا اشد حبا للہ۔

بندہ اللہ تعالیٰ کے لائق عبادت ہونے کے اعتقاد سے اس کی محبت کے باعث،
اور اپنی محتاجی اور حاجت مندی کے اقرار سے اس کے حضور اپنی عاجزی اور اپنے تذلل کا اقرار کرتا
ہے عبادت اسی خشوع اور تذلل کا نام ہے۔

اللہ کی عبادت میں ان دو چیزوں کو قطب کی حیثیت حاصل ہے عبادت ایک پھیلاؤ ہے جس
کے ایک قطب میں اللہ رب العزت کی انتہائی محبت اور دوسرے قطب میں اپنی حاجت مندی اور
عاجزی کا اقرار — عبادت کا آسمان انہی دو قطبوں پر پھیلتا ہے۔

انتہائے محبتِ باری تعالیٰ | بندے کی انتہائی عاجزی اور تذلل

حافظ ابن قیم حنبلی (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:۔

وعبادة الرحمٰن غاية حبه   مع ذل عابده هما قطبان

وعليهما فلك العبادة دائر   ما دار ما دارت القطبان

سو عبادت صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ بندہ کی یہ انتہائی محبت ایک خدا کے سوا کسی
اور سے نہ ہو اور اپنی یہ عاجزی اور درماندگی بھی ایک خدا کے سوا کسی اور کے سامنے نہ ہو۔ انبیاء
اور اولیاء کی محبت بھی صرف اس لیے ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی محبت کا سبب بنتے ہیں اور اللہ
کے حضور وہ خود بھی اپنی عاجزی اور حاجت مندی کا اقرار کرتے ہیں تاکہ ان کے ماننے والے کبھی اپنے

آپ کو صرف اسی کے آگے عاجز اور حاجت مند جانیں۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:

اس عقیدہ کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کی توجہ نفع و نقصان کے معاملہ میں ساری مخلوق سے ہٹ کر خالق کی طرف پھر جاتی ہے اور مخلوق کے موجود یا معدوم ہونے کی طرف بھی توجہ نہیں رہتی۔ [1]

کیا اس لفظ مخلوق میں انبیا کرام، اولیاء عظام اور ملائکہ عظام سب نہیں آجاتے۔ حق یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف ایک اللہ رب العزت ہے اور کوئی مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اس کے ساتھ کسی کام میں شریک نہیں۔

محدث شہیر مجدد مأتہ دہم ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ صرف ایک خدا کا ماننا توحید نہیں ہے بلکہ اعتقاد اور قول و عمل پھر یقین و معرفت سے یہ ثابت کرنا کہ کوئی مخلوق خداوند تعالیٰ کے ساتھ کسی صفت میں مشابہ اور ملتی جلتی نہیں۔ [2]

بندہ قرآن کریم کی رُو سے موت تک اسی دائرہ عبادت میں رہنے کا مکلف ہے زندگی کے کسی مرحلہ میں بھی وہ عبادت کے اس دائرہ یقین سے نہیں نکل سکتا۔

واعبد ربك حتى یاتیك الیقین۔ (پ۱۴ الحجر)

ترجمہ۔ اور تو اپنے رب کی عبادت میں لگا رہ یہاں تک کہ تو دوسرے جہان کو دیکھ لے۔

جب تک بندہ اس عالم میں ہے وہ نبی ہو یا ولی دائرہ عبادت سے نکلنے کی کسی کو راہ نہیں دی گئی نہ کسی فرشتہ یا انسان کو اس کی اجازت دی گئی ہے۔ بندے جن اور فرشتے سب اسی لیے ہیں کہ تا حیات بندگی میں رہیں۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ (پ۲۷ الذاریات آیت ۵۶)

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ا صد [2] دیکھیے مرقات جلد ا ص۴۶

تعمیمِ خاص

قرآن کریم بعض مقامات پر کسی خاص فرد کو ذکر کرتا ہے اور مقصود اس سے کوئی فرد معین نہیں ہوتا بلکہ ان صفات کا حکم بیان کرنا پیش نظر ہوتا ہے وہ صفات حسن و قبح جس میں بھی پائی جائیں وہ اس حکم کا مصداق ہوگا۔

ضرب اللّٰہ مثلاً قریۃً کانت اٰمنۃ مطمئنۃ۔ (پ۱۴ النحل ۱۱۲)

اس میں قریۃ گو لفظاً خاص ہے مگر اس سے کوئی خاص بستی مراد نہیں اسے تعمیم خاص کہتے ہیں۔

فلما تغشّٰہا حملت حملاً خفیفاً۔ (پ۹ الاعراف ۱۸۹)

میں بھی کوئی خاص آدمی مراد نہیں جس میں یہ اوصاف پائے جائیں وہی اس کا مصداق ہوگا۔

ووصّینا الانسان بوالدیہ احساناً۔ (پ۲۱ لقمان ۱۴)

میں بھی کوئی فرد معین مراد نہیں بعض اوقات لفظ خاص ہوتا ہے اور کنایۃً اس کا خطاب عام ہوتا ہے جیسے :۔

لئن اشرکت لیحبطنّ عملك. (پ۲۴ الزمر ۶۵)

میں حضورؐ کی ذات مراد نہیں سب کے لیے یہ حکم عام ہے۔ مگر پیرایہ بیان خاص ہے۔

تخصیص عام

قرآن کریم کا خطاب بعض مقامات پر عام ہے مگر اس سے مراد ایک فردِ خاص ہے جیسے :

ولقد خلقناکم ثم صورناکم ثم قلنا للملٰئکۃ اسجدوا۔ (پ۸ الاعراف ۱۱)

یہاں خلقناکم میں کم سے تجوزاً آدم علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ ہماری پیدائش فرشتوں کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے مؤخر ہے اس سے پہلے کی نہیں۔

ہاں اس مقام پر اسے واحد کی بجائے جمع سے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ کل بنی نوع انسان کو مسجودِ ملائکہ سمجھا جائے۔ آدم علیہ السلام کو اس حیثیت میں کہ تمام نوعِ انسانی کے باپ ہیں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ ولقد خلقنا اٰدم کہنے کی بجائے ولقد خلقناکم کہنے میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ

خلیفۃ اللہ یا مسجود ملائکہ ہونے کا شرف حضرت آدم کا انفرادی درجے میں نہ تھا۔ وہ کل بنی نوع انسان کے باپ ہونے کی حیثیت میں اس سے مشرف ہوئے تھے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں :-

آدم علیہ السلام جن کا وجود تمام افراد انسانی کے وجود پر اجمالاً مشتمل تھا۔ (وہ) خلیفۃ اللہ اور مسجود ملائکہ بنے

کذٰلک اور کما

عام طور پر یہ لفظ تشبیہ کے لیے معروف ہے لیکن قرآن کریم میں یہ تشبیہ کے علاوہ کبھی تعلیل کے لیے بھی آتا ہے اور کذلک کے معنی دیتا ہے جیسے :-

کذٰلک حقت کلمۃ ربک علی الذین کفروا انھم من اصحاب النار۔ (پ۲۴ المؤمن ۶)

صاحب جلالین کہتے ہیں کہ یہاں کاف تشبیہ کی بجائے تعلیل کے لیے ہے اسی طرح :

واذکروہ کما ھداکم۔ (پ۲ البقرہ ۱۹۸) اسے یاد کرو بایں وجہ کہ اس نے تمہیں ہدایت دی میں بھی کاف تعلیل کے لیے ہے :-

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق۔ (پ۹ الانفال ۵)

میں علامہ ابوحیان اُندلسی کے بیان کے موافق کاف تعلیل کے لیے ہے۔

کبھی یہ کاف تشبیہ اور تعلیل کے علاوہ اظہار کمال کے لیے بھی آتا ہے جیسے :-

کذٰلک انزلناہ حکماً عربیاً۔ (پ۱۳ الرعد ۳۷)

یعنی "ہم نے اسے ایسا باکمال حکم اُتارا ہے" یہ اسی طرح ہے جیسے کسی باکمال کام کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ کام ایسا ہوتا ہے یہاں ایسا تشبیہ کے لیے نہیں بیانِ کمال کے لیے وارد ہوا ہے۔

آل اور اہلبیت

قرآن کریم میں آل کے معنی پیروی کرنے والوں کے آتے ہیں صلبی اولاد ضروری نہیں۔

واذ نجینٰکم من اٰل فرعون۔ (پ۱ البقرہ ۴۹)۔

اور کبھی یہ لفظ خاندان کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسے :-

ویتم نعمتہ علیك وعلیٰ آل یعقوب۔ (پ۱۲ یوسف ۶)

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانا مراد ہے۔ عربی زبان میں آل کے دونوں معنی ملتے ہیں۔ قاموس میں ہے :-

آل الرجل اتباعه واولیاءه۔

دونوں معنوں میں امتیاز یوں کیجئے کہ جب گھر میں بات ہو رہی ہو تو آل سے مراد خاندان ہے اور جب قومی سطح پر بات ہو رہی ہو تو آل سے مراد پیروی کرنے والے ہیں اور پیروی سے مراد بھی ظاہری نسبت ہے نہ کہ کامل پیروی۔ قرآن کریم ایک شخص کو جو دل سے مومن تھا مگر ظاہر میں فرعون کے ساتھ تھا آلِ فرعون میں سے ہی ذکر کرتا ہے :-

وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانه۔ (پ۲۴ مومن ۲۸)

قرآن کریم کی رُو سے اہل بیت بیوی کو کہتے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اہلبیت کہہ کر خطاب کیا تھا :-

قالوا اتعجبین من امر اللہ ورحمة اللہ وبرکاته علیکم اهل البیت۔ (پ۱۲ ہود ۷۳)

یہ وہم نہ ہو کہ حضرت سارہ تو عورت تھیں ان کے لیے علیکم مذکر کی ضمیر کیوں ہے اس لیے کہ اہل اپنی لفظی حیثیت میں مذکر رہے گا گو اس کا مصداق مؤنث ہو پس اس کے لیے مذکر کی ضمیر آتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ لینے کے لیے چلے تو آپ نے اپنی بیوی کو کہا تھا :-

فقال لاهله امکثوا انی آنست نارًا۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۱۰)

یہاں امکثوا اہل کی لفظی حیثیت کی وجہ سے مذکر کا صیغہ ہے۔ قرآن کریم اسی طریق سے حضور اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات کو خطاب فرماتا ہے :-

انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرًا۔ (پ۲۲ احزاب ۳۳)

آنحضرتؐ نے بعد ازاں اس فضیلت میں اپنی اولاد کو بھی شامل کر لیا تھا مگر اصالۃً اس آیت اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی تھیں۔ حضورؐ نے جب اپنی اولاد کو ایک چادر کے نیچے جمع کیا اور ان پر آیت تطہیر تلاوت فرمائی تو حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ کیا میں ان حضرات

اہل بیت میں سے نہیں؟ تو آپ نے فرمایا، بلیٰ کیوں نہیں، تو اپنی جگہ خیر پر ہے[1]

ازواج مطہرات کا اہل بیت میں سے ہونا قرآن کریم میں تصریح سے موجود ہے سو اس کا انکار قرآن کریم کا انکار ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنی اولاد کو ایک چادر میں لے کر انہیں بھی اس شرف میں داخل فرمایا

الم تر

قرآن کریم بعض ان واقعات کو جو کسی گذشتہ دور میں واقع ہوئے تھے ان کی شہرت عام اور تواتر کی بنا پر اس درجہ یقین میں بیان کرتا ہے گویا کہ یہ واقعات مخاطب کے اپنے چشم دید ہیں نہ دیکھی بات انتہائے یقین کی بنا پر دیکھی کے درجے میں بیان کی جاتی ہے۔ عرب کا یہ عام محاورہ ہے۔ آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں مجزز نامی ایک مشہور قیافہ شناس تھا اس نے ایک شخص (جس کے نسب میں کچھ لوگ طعن کرتے تھے) کے پاؤں دیکھ کر اس کے باپ کے پاؤں پہچان لیے تھے اور بتا دیا تھا :-

ان هٰذه الاقدام بعضها من بعض.

آنحضرتؐ نے اس واقعہ کی خبر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ان الفاظ میں دی :-

الم تری ان مجززاً نظر انفاً الی ___ زید.[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ الم تر کا محاورہ شہرت عام کی وجہ سے نہ دیکھی بات کو دیکھی کے درجے میں لانے کے لیے بھی ہے اس کا مطلب یہ ہے۔ "کیا تم نے نہیں دیکھا نہیں تو اب سن لو"

الم تر کیف فعل ربك باصحٰب الفیل۔ (پ۳۰ الفیل)

اور

الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۳)

میں اسی رویت قلبی کا بیان ہے۔

بعض مخالفین اسلام ان آیات سے قرآن کی تاریخی غلط بیانی پر استدلال کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اس محاورے سے ناواقف ہیں۔ قرآن کریم نے جو کہا وہ بالکل صحیح اور اسلوب عرب کے عین مطابق ہے۔

---

[1] بحارالانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۹ طبع قدیم [2] طحاوی جلد ۲ صفحہ ۲۹

انّما

یہ کلمہ حصر ہے علمائے معانی اسے ما الّا کے معنوں میں لیتے ہیں لیکن کبھی یہ لفظ حصر کے بغیر محض تاکید کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ علامہ رضی اس کے معنی پختہ بات کے کرتے ہیں۔ حصر ہو یا نہ ہو اور یہ معنی زیادہ مناسب اور آسان ہیں۔ حضرت جبریل نے حضرت مریم کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:-

اِنّما انا رسول ربّكِ (پ۱۶ مریم ۱۹)

حالانکہ حضرت جبرئیل پیرایۂ رسالت کے بغیر بھی نزول فرماتے تھے:۔

تنزّل الملئکة والروح۔ (پ۳۰ قدر) میں اسی پیرایہ میں آنے کا بھی ذکر ہے۔

اسی طرح

اِنّما حرّم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر۔ (پ۲ البقرہ ۱۷۳)

میں بھی حصر کے معنی نہیں ان کے سوا اور بھی محرمات ہیں جن کا ذکر سورۃ المائدہ میں موجود ہے پس بہتر یہی ہے کہ اس کے معنی پختہ بات کے کیے جائیں۔

ثمّ اور واو عاطفہ

ثمّ کا لفظ عام طور پر ترتیب کے لیے آتا ہے جیسے:-

خلقناکم من ترابٍ ثم من نطفةٍ ثم من علقةٍ ثم من مضغة۔ (پ۱۷ الحج ۵)

لیکن کبھی کبھی معنی استبعاد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کسی بڑے انعام کا تذکرہ کر کے کہا جائے کہ "پھر تم ناشکری کرتے ہو" یعنی اتنے بڑے انعام کے بعد ناشکری ہونا ایک امر بعید ہے ثم استبعاد کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل اور مابعد میں کوئی جوڑ نہیں ہو سکتا ہے جیسے:

الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینهم ثم یتولّی فریق منهم۔ (پ۳ آل عمران ۲۳)

الحمد للہ الذے خلق السموات والارض وجعل الظلمت والنور ثم الـذین
کفروا بربھم یعدلون ۔ (پ الانعام)

میں ثمؔ کا نفظاً ماقبل اور مابعد کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتا بعض نادر صورتوں میں ثم محض تعقیب ذکری کے لیے بھی آسکتا ہے واؤ عاطفہ ترتیب کے مطابق آئے تو یہ ایک امر اتفاقی ہے لیکن یہ ترتیب کو لازم ہرگز نہیں جیسے :۔

یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی ۔ (پ آل عمران ۴۲)

حذف

۱۔ حذف یا مضاف کا ہوگا جیسے :۔

لیس البرّ ان تولّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البرّ من اٰمن باللہ ۔ (پ البقرہ ۱۷۷)

یعنی ولکنّ البرّ برّ من اٰمن باللہ

۲۔ یا حذف موصوف کا ہوگا جیسے :۔

واٰتینا ثمود النّاقۃ مبصرۃ ۔ (پ بنی اسرائیل ۵۹)

یعنی اٰیۃً مبصرۃً یہ نہیں کہ وہ اونٹنی بینا تھی نابینا نہیں تھی ۔

واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم ای حبّ العجل (پ البقرہ ۹۳)

ضعف الحیات وضعف الممات ۔ (پ بنی اسرائیل ۷۵) ای ضعف عذاب الحیاۃ

۳۔ یا حذف جار ہوتا ہے جیسے :۔

واختار موسیٰ قومہ ای من قومہ ۔

۴۔ یا حذف فعل ہوتا ہے :۔

مانعبدھم الّا لیقرّبونا الی اللہ زلفیٰ (ای یقولون) الزمر ۳

۵۔ یا حذف مفعول ہوتا ہے جیسے :۔

انّ الذین اتخذوا العجل سینالھم (ای اتخذوا العجل الٰھاً) اعراف ۷

یاحذف معطوف ہوتا ہے جیسے :۔

تاتوننا عن الیمین (ای وعن الشمال) وغیر ذلک۔ (پ۲۳ الصافات ۲۸)

ابدال

۱۔ کبھی ایک فعل کو دوسرے فعل کی جگہ کسی غرض کے لیے نقل کر کے لاتے ہیں جیسے :۔

اھذا الذی یذکر الھتکم۔ ای یسب الھتکم۔ (پ۱۷ انبیاء ۳۶)

یسب کی جگہ یذکر لایا گیا ہے اسی قبیل سے یہ قول بھی ہے کہ "فلاں کے دشمنوں کے ساتھ یہ کیا گیا" اصل میں یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ کیا گیا۔ ادب کی بنا پر اس کا نام نہیں لیا گیا۔

ثقلت فی السموات والارض۔ ای خفیت (پ۹ الاعراف ۱۸۷)

۲۔ کبھی شبہ فعل میں ابدال ہوتا ہے جیسے :۔

فظلت اعناقھم لھا خاضعین۔ (پ۱۹ الشعراء ۴)

حالانکہ بجائے خاضعین کے خاضعات کہنا چاہیے تھا کیونکہ اعناق مؤنث ہے مگر جب اعناق سے مراد جزو بول کر کل لیا گیا یعنی "وہ لوگ" تو ان کے لیے خاضعین جمع مذکر کا صیغہ لانا بلاغت کے مطابق ہو گیا۔

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا :۔

کانت من القٰنتین یعنی ان میں مردوں جیسی صفات تھیں۔ (پ۲۸ التحریم ۱۲)

۳۔ اور ابدال کبھی حرف کا ہوتا ہے جیسے :۔

ولاصلبنکم فی جذوع النخل (ای علیٰ جذوع النخل) (پ۱۶ طٰہٰ ۷۱)

فسیروا فی الارض (ای علی الارض)

اس میں نکتہ یہ ہے کہ حروف میں مجاز اکثر تضمین کے لیے ہوتا ہے کہ ایک لفظ میں دوسرے لفظ کے معنی ضمناً آجاویں۔

۴۔ اسی طرح کبھی مستقبل کو ضروری الوقوع ہونے کے سبب ماضی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں

ونفخ فی الصور۔ وسیق الذین کفروا الیٰ جھنم زمرًا۔ (پ۲۴ الزمر ۷۱)

۵. اور کبھی حالتِ قبیحہ کو جملہ دعائیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

قتل الانسان ما اکفرہ تبت یدا ابی لھب وتب۔ (پ عبس ۱۷)

۶. اور کبھی کسی بات کو مخاطب کے علم کے موافق ظنی و تخمینی الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں جیسے:۔

مأىۃ الف او یزیدون (پ۲۳ الصافات ۱۴۷)

انا او ایاکم لعلیٰ ھدیً او فی ضلل مبین۔ (پ۲۲ السبا ۲۴)

۷. ولا ھم منا یصحبون (ای لا ینصرون) (پ۱۷ الانبیاء ۴۳)

چونکہ نصرت بغیر اجتماع اور صحبت کے ممکن نہیں اس لیے لا ینصرون کی جگہ لا یصحبون فرمادیا۔

۸. کبھی جملہ کو بجائے جملہ کے لاتے ہیں جیسے:۔

وان تخالطوھم فاخوانکم (ای وان تخالطوھم لا بأس بذٰلک) البقرہ ۲۲۰

ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل (ای ان یسرق فلا عجب فقد سرق الیٰ اخرہ۔

۹. کبھی اصل کلام میں تنکیر ہوتی ہے مگر لام یا اضافت لے آتے ہیں اور تنکیر بدستور باقی رہتی ہے جیسے

قیلہ یارب ای قیلٍ لہ یارب اختصار کی وجہ سے قیلہ فرمادیا گیا۔

لحق الیقین ای حقٌ یقینٌ بوجہ اختصار اضافت کردی گئی۔

۱۰. کبھی مذکر کے بجائے مؤنث و بالعکس۔ اور مفرد کی جگہ تثنیہ و جمع بالعکس لے آتے ہیں جیسے:۔

فلما را الشمس بازغۃً قال ھذا ربی۔ (پ الانعام ۷۸)

نیز فرمایا گیا:۔

وخضتم کالذی خاضوا۔ (پ۱۰ التوبہ ۶۹)

اسی طرح احادیث میں کثرت سے یہ جملہ آتا ہے۔ اللہ ورسولہ اعلم۔

۱۱. کبھی مخاطب کی جگہ غائب و بالعکس آتا ہے جیسے:۔

حتیٰ اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم۔ (پ یونس ۲۲)

۱۲. اور کبھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ آتا ہے:۔ وبالعکس

ھو الذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبھا۔ ای تمشوا۔ الملک ۱۵

اور کبھی اعراب میں بجائے " و " کے " ی " بھی آتی ہے۔ جیسے:۔

والمقیمین الصلوٰۃ والموتون الزکوٰۃ بجائے مقیمون لایا گیا ہے۔ (پ۶ النساء ۱۶۲)

لیکن آج کل کے بعض علماء سیبویہ وغیرہ کے قواعد صرف و نحو کو اتنا صحیح سمجھتے ہیں کہ آیت کو کھینچ تان کر اُن کے مطابق کرنا ضروری جانتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اہل زبان کا محاورہ اسی طرح ہے اور یہ صحیح ہے۔ علاوہ ازیں قواعد کی صحت کا مدار قرآن پہ ہے نہ کہ قرآن کا مدار صرف و نحو پہ۔ نیز قرآن عرب اوّل کی لغت پہ نازل ہوا۔ اس میں یہ تقیدیں کم ہیں ان ھذان لسٰحران اسی لغت پر ہے۔ جس کی تاویل کی ضرورت نہیں کی۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۶۳)

اختلاف معمولین

بعض جگہ ایک معمول کے ساتھ ایک فعل کا تعلق ہوتا ہے اور دوسرے معمول کے ساتھ دوسرے فعل کا۔ اور یہ دوسرا فعل چونکہ محذوف ہوتا ہے اس لیے بظاہر دونوں مختلف معمول ایک ہی فعل کے ماتحت دکھائی دیتے ہیں اور ان کے معنی کرنے میں اُلجھن پیش آجاتی ہے۔ اختلاف معمولین کی صورت میں ضروری ہوتا ہے کہ دوسرے معمول کا فعل محذوف مان لیا جائے جیسے کسی کا قول:

علفتھا تبناً وماءً بارداً۔

لعنی "میں لے اس کو بھوسہ اور پانی کھلا دیا"

حالانکہ کھلانے کا فعل ماءً (پانی) کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا۔ پانی پلایا جاتا ہے، نہ کہ کھلایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس اشکال کو دور کرنے کے لیے ماءً بارداً کا فعل اشربتُ محذوف مانا جائے گا اور تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ علفتھا تبناً واشربتھا "ماءً بارداً" (میں نے اس سواری کو بھوسہ کھلایا اور پانی پلایا) اس طرح ایک فعل کے ساتھ دو مختلف معمولوں کا لانا اگرچہ ترکیب نحوی کے لحاظ سے دقت طلب ہوتا ہے لیکن محاورہ اور بلاغت کے لحاظ سے اس کا مقام بلند اور پسندیدہ ہے۔

قرآن کریم میں اس کی مثال یہ ہے:۔

ولہ ما سکن فی اللیل و النّہار۔ (پ الانعام ۱۳)

سکون رات کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ دن کے ساتھ بھی۔ اس لیے سکن کا تعلق فی اللیل کے ساتھ تو درست ہے لیکن "و النّہار" کے ساتھ اس کا تعلق درست نہیں ہے. کیونکہ دن حرکت کے لیے ہے نہ کہ سکون کے لیے. اس اشکال کو بھی اسی طرح دُور کیا جاتے گا کہ "و النّہار" کا فعل محذوف مان لیا جاتے اور کہا جائے ولہ ما سکن فی اللیل و "ونشر" فی النّہار۔

دوسری مثال:

یوم یاتی بعض ایات ربّك لا ینفع نفسًا ایمانہا لم تکن امنت من قبل او کسبت فی ایمانہا خیرًا. (پ سورۃ انعام ۱۵۸)

یعنی، جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی، کام نہ آوے گا کسی کے اس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی.

اس آیت کو اگر اپنے ظاہری معنی پر چھوڑ دیں تو اس سے معتزلہ کا یہ مذہب ثابت ہوتا ہے کہ عملِ صالح کے بغیر ایمان معتبر اور نافع نہیں ہے کیونکہ آیت کا خلاصہ اس طرح ہوتا ہے کہ:۔

یوم یاتی بعض ایٰت ربّك لا ینفع نفسًا ایمانہا، او امنت و لم تکسب فی ایمانہا خیرًا۔

جو شخص طلوعِ شمس سے پہلے ایمان نہیں لایا اس کو بعد طلوعِ شمس ایمان لانا مفید نہ ہو گا. یا ایمان تو طلوع سے قبل لے آیا لیکن عمل صالح نہ کیے تھے تو اس کو بھی محض ایمان بلا عمل نافع نہ ہو گا. (کذا قرّر الزمخشری) اور یہی معتزلہ کا مذہب ہے.

لیکن ابن المنیر نے اس کا جواب دیتے ہوئے عبارت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ:۔

لا ینفع نفسًا ایمانہا او کسبہا خیرا لم تکن امنت من قبل او لم تکن کسبت فی ایمانہا خیرا۔

یعنی جو شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا تو اس وقت اس کا ایمان مفید نہ ہو گا اور جس نے پہلے سے عملِ صالح نہیں کیے اب اس کے عملِ صالح معتبر نہ ہوں گے یعنی توبہ قبول نہ ہو گی. اس

تقریر کی بنا پر عمل صالح کی نفی ہوئی نہ کہ اصل ایمان کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لا ینفع نفسًا ایمانہا کے بعد او کسبہا کا لفظ محذوف مانا جائے آیت کی اس تقریر کے مطابق معتزلہ کا مذہب ثابت نہ ہوا. اور اشکال رفع ہو گیا۔[1] اس آیت کے اور بھی متعدد جوابات ہیں روح المعانی میں دیکھ لیے جائیں.

اختلاف معمولین کی ایک اور مثال

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم، قل فمن یملک من اللہ شیئًا ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم و امہ و من فی الارض جمیعًا۔ (پ ۶ المائدہ ۱۷)

ترجمہ. بیشک وہ لوگ کافر ہوئے جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح بن مریم ہی ہے آپ کہیں کہ پھر اللہ کا کوئی کیا کر سکتا ہے اگر وہ مسیح کی موت کا ارادہ فرما لے اور اس کی ماں پر تو وہ موت وارد کر ہی چکا اور پھر جو لوگ ہی زمین پر ہیں ان سب کو موت دے دے (کون اس کا ہاتھ روک سکے گا)

اس آیت میں ان اراد ان یھلک کے تین معمول ہیں:-

۱. مسیح ۲. اس کی ماں ۳. دنیا کے تمام زندہ لوگ

مسیح پر جو کہ ابھی تک موت نہیں آئی وہ اس فعل (ان یھلک) کے تحت ہو سکتا ہے لیکن وامہ پر اس کا عمل نہ ہو گا کیونکہ وہ تو فوت ہو چکی اب اس کے لیے دوسرا فعل محذوف ماننا پڑے گا اور وہ (وقد اھلک) ہو گا یہاں ماں کا ذکر استشہاداً لایا جا رہا ہے کہ جب اللہ نے مسیح کی والدہ پر موت وارد کی تھی اس وقت مسیح نے اس کا کیا کر لیا تھا. اگر وہ خدا ہوتا تو کیا اپنی والدہ سے موت کو نہ روک سکتا تھا.

علامہ ابو السعود (ھ) لکھتے ہیں:-

---

[1] حذف، ابدال اور اختلاف معمولین کے تین مباحث بیشتر حضرت خواجہ عبد اللہ نقشبندی سے ماخوذ ہیں. فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء

وتخصیص امه بالذکر مع اندراجها فی ضمن من فی الارض لزیادہ تاکید عجز المسیح
ولعل نظمها فی سلك من فرض ارادۃ اھلاکھم مع تحقق ھلاکھا قبل ذلك
لتاکید التبکیت.... کانه قیل قل فمن یملك من اللہ شیئاً ان اراد ان یھلك المسیح
وامه ومن فی الارض وقد اھلك امه فھل مانعه احد وکذا حال من
عداھا من الموجودین [1]

ترجمہ. گویا یوں کہا گیا آپ کہہ دیں اللہ کے ہاں کون کس چیز کا مالک ہے اگر وہ حضرت مسیح
کو اور اس کی والدہ کو اور تمام زمین کے رہنے والوں کو موت دینا چاہے تو کون اسے
روک سکتا ہے اور وہ اس کی والدہ کو تو وفات دے ہی چکا ہے کون ہے اسے روکنے والا.
سو امه کا ذکر استشہاداً ہے. شیخ الاسلام علامہ ابو السعود (۹۸۴ھ) کی اس بات کی علامہ آلوسی نے
روح المعانی میں اس طرح تائید کی ہے :۔

ولعل نظمها فی سلك من فرض اھلاکھم مع تحقق ھلاکھا قبل لتاکید التبکیت و
زیادۃ تقریر مضمون الکلام بجعل حالها انموذجا لحال بقیة من فرض بھلاکه [2]

ترجمہ. اور ہو سکتا ہے کہ حضرت مریم کو اس لڑی میں ذکر کرنا جن کی وفات فرض کی جارہی
ہے حالانکہ ان پر تو موت ہو چکی. تاکید تبکیت کے لیے ہو یہ حضرت عیسیٰ کے اس وقت
(موت کے وقت) بے بس ہونے کی تاکید کے طور پر ہے اور مضمون کلام کو مزید پختہ
کرنے کے لیے ہے مریم کا حال ان لوگوں کے لیے جن کی موت ابھی آنے والی ہے بطور
نمونہ ذکر کیا گیا ہے۔

مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت مریم پر ہم موت مسلط کر چکے حضرت مسیح اور دوسری سب
مخلوق پر بھی اسے مسلط کر دینا اسی طرح ہمارے قبضہ میں ہے. [3]

تاکید تبکیت کی اپنے ہاں کی ایک مثال

دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے ایک نے طیش میں آکر دوسرے کو کہا آسامنے آ تجھے دیکھتا

[1] تفسیر ابی السعود جلد ۳ صفحہ ۲۰ [2] روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۹۹ [3] معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۸۸

ہوں اور اپنے باپ کو بھی بلالے۔ اب کوئی تمہیں میری گرفت سے نہ نکال سکے گا۔ وہ اس طرح اپنی قوت اور قدرت کا رعب ڈال رہا تھا معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اس کا باپ بیس سال پہلے مر چکا ہوا ہے لیکن اس شخص کا اس پر ڈالنا اس کے والد کو زندہ ثابت کرنے کے لیے نہ تھا اسے عاجز ثابت کرنے کے لیے تھا اگر وہ زندہ بھی ہوتا۔

علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) علامہ ابوالسعود سے پہلے بھی یہ بات کہہ چکے ہیں:۔

فاعلم الله تعالیٰ ان المسیح لوکان الٰھاً لقدر علی دفع ما نزل به اولغیره و قدامات امه ولم یتمکن من دفع الموت عنها۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۶ ص۱۱۹)

ترجمہ: سو اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ مسیح اگر معبود ہونے کے لائق ہوتا تو اس پر یا اس کے دوسروں پر جو تکلیفیں آئیں وہ ان کے دفع کرنے پر ضرور قادر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ماں پر موت اُتاری اور وہ اسے اس سے نہ روک سکا۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ مفعول معہ کا اپنے ماقبل کے ساتھ فعل میں شریک ہونا ضروری نہیں امہ کا ان اراد ان یھلک کے تحت ہونا ضروری نہیں۔ اس کے لیے یہ دوسرا فعل متقدر مانا جا سکتا ہے وقد اھلک امه ــ ابوالسعود جلد۳ ص۲۰

مفعول معہ کی چند اور مثالیں

① ایک نہر میں پانی کی بلندی بتانے کے لیے ایک لکڑی گڑی تھی۔ نہر میں پانی آیا اور اس لکڑی کے سر تک آگیا۔ ایسے موقع پر کہنے والے نے کہا۔ استوی الماء والخشبة پانی لکڑی کے سرے تک آگیا۔ استوی کا عمل صرف پانی پر ہوا لکڑی پر نہیں مفعول معہ کا اپنے ماقبل کے ساتھ فعل میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے۔

② ایک شخص کہتا ہے میں نے نیل کے کنارے کنارے سیر کی۔

سِرت والنیل یہاں والنیل مفعول معہ واقع ہوا ہے پانی کا کام سیر کرنا نہیں چلنا ہے یہ کہنا ہوتا تو یوں کہا جاتا۔ سرت وجری النیل۔ یہ واؤ عاطفہ ہے اور جمع کے لیے ہے۔

③ کہتا ہے تم اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ اس طرح مل کر رہو جیسے گردے تلی کے ساتھ ملے ہوتے

ہیں اس موقع پر عرب یوں کہیں گے ۔

کونوا انتم وبنی ابیکم مکان الکلیتین من الطحال.

اس میں بنی ابیکم مفعول معہ ہے اور یہ فعل امر کونوا کے تحت نہیں۔

④ سورج نکلنے کے وقت زید مرگیا اسے عربی میں اس طرح کہیں گے مات زید وطلوع الشمس یہاں طلوع الشمس مفعول معہ ہے۔ سو اس جملے کا یہ معنی غلط ہوگا کہ زید مرگیا اور طلوع الشمس بھی مرگیا۔ مفعول معہ کا فعل میں اپنے ماقبل کے ساتھ شریک ہونا ضروری نہیں۔ یہ مثالیں امام سیوطی نے پیش کی ہیں۔

سو قرآن کریم کی آیت مذکورہ سورۃ مائدہ میں وامّہ — المسیح بن مریم کے ساتھ ان اراد ان یھلک میں شریک نہیں۔ یہ تاکید تبکیت کے لیے ہے کہ مسیح بن مریم کے ساتھ ان کی والدہ اور تمام دنیا والے بھی کھڑے ہو جائیں تو اس سے موت کو نہ روک سکیں گے۔ آپ علاماتِ قیامت میں سے ہیں وانہ لعلم للساعۃ (پ۲۵ الزخرف) نزول فرمانے پر ان پر موت آئے گی اور کوئی طاقت ان سے اس کو نہ روک سکے گی۔ مفسرین نے اس آیت کو اسی طرح سمجھا ہے اور یہ آیت صریح طور پر بتلا رہی ہے کہ اس کے نزول کے وقت حضرت عیسیٰ زندہ تھے اور ان پر ابھی موت نہ آئی تھی۔

قادیانی جو حیاتِ مسیح کے منکر ہیں کبھی اس پر آجاتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہلاکت کی نفی ہے جس سے مراد ذلت کی موت ہے۔ ایسا نہیں یہاں اہلاک سے مراد مطلق اماتت ہے۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں :-

المراد باھلاک الاماتۃ والاعدام مطلقاً لاعن سخط وغضب۔[1]

ترجمہ۔ اہلاک سے مراد موت دینا اور پھانسی دینا دونوں ہو سکتے ہیں لیکن اہلاک سے مراد ناراضگی اور ذلت کی موت نہیں۔

وفات کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں موت کی کوئی دو قسمیں نہیں۔[2] واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

---

[1] روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۹۹ [2] علامہ خازن نے فلما توفیتنی کے تحت لکھا ہے المراد بہ وفاۃ الرفع لا الموت (تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۵۰۸) قادیانیوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ علامہ خازن عربی نہ جانتے تھے اور انہیں توفیتنی کے صحیح معنی معلوم نہ ہو سکے وہ یونہی لفظ کو اس کے مادہ سے پہچانتے تھے۔ نعوذ باللہ من الجھل وسوء الفھم۔

لاجناح علیکم کا ایک استعمال

اس کا اردو ترجمہ یہ ہے "تم پر کوئی گناہ نہیں" بظاہر یہ الفاظ صرف جواز کا پتہ دیتے ہیں لیکن قرآن پاک میں یہ الفاظ درجہ واجب کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ حج اور عمرہ میں کوہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی (دوڑنا) واجب ہے مگر قرآن کریم اسے ان الفاظ میں لاتا ہے۔ یہاں انسانی فکر اور گہرائی میں اترتی ہے اور ایک حکم کی مختلف جہات میں نظر جاتی ہے کہ ایک جہت سے یہ سمجھانا مقصود ہو کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور دوسری جہت سے وہ ایک حکم ہو جو اصل میں واجب کے درجے میں ہو۔

کرنے اور نہ کرنے کے کام امر اور نہی میں دائر ہیں واجب امر کے تحت چلتا ہے اسے بطور رخصت بیان نہیں کیا جاتا۔ رخصت نہی کے تحت ایک پہلو نے جواز ہے ایک استثناء ہے جو ایک "منع" میں لایا جا رہا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ لہسن کھا کر مسجد میں نہ آیا کرو پھر کہا جائے کہ اگر کھانا ہی ہو تو پکا کر کھاؤ کچا نہیں تاکہ اس کی بو دوسروں کو بری نہ لگے سو یہ ایک رخصت ہے جو نہی کے بعد سامنے آتی ہے۔ یا کہا جائے کہ امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھا کرو ہاں سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو یہاں کوئی نہ کہے گا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ نہی سے جب استثناء ہو تو وہ مفید اباحت ہوتا ہے نہ کہ مفید وجوب۔

اسلام نے جاہلیت کے مقابل بتوں اور پتھروں کو کوئی درجہ تعظیم نہیں دیا۔ کوہ صفا اور کوہ مروہ اور حجر اسود بھی تو آخر پتھر ہی ہیں۔ پھر ان کی تعظیم کس پہلو سے روا رکھی گئی۔ صفا اور مروہ کو شعائر اللہ میں قرار دیا گیا اور شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ قلوب ٹھہرائی گئی؟

صفا اور مروہ بایں طور تو شعائر اللہ میں سے ہیں کہ ان کے پاس ایک وقت اللہ کی قدرت بے حجاب ظاہر ہوئی جب حضرت ہاجرہ یہاں دوڑ رہی تھیں اور اسماعیل کی ایڑیوں کے پاس زمزم کا چشمہ پھوٹ رہا تھا۔ اس پس منظر میں یہ پہاڑیاں بے شک شعائر اللہ میں سے ہیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ یہ خود پتھر ہیں اور کسی کو نفع و نقصان نہیں دے سکتے۔

اب شعائر اللہ ہونے کے اعتبار سے بے شک ان دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا ضروری قرار پایا لیکن ان ذہنوں کو بھی جو اپنے ہاں پتھروں کو کوئی عزت دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس کے لیے تیار کرنا ضروری تھا۔ سو بتلایا گیا ہے کہ اللہ کے حکم کے تحت ان دو پہاڑیوں کو سعی کا اوّل اور آخر بنانا اس میں ہرگز ہرگز کوئی وجہ شرک نہیں۔ یہ صرف حکم خداوندی کی تعمیل ہے اور حجرِ اسود کو بھی اس لیے بوسہ دینا ہے کہ حضورؐ نے اسے بوسہ دیا تھا۔ اب جو سعی کا حکم دیا گیا ہے اسے حدیث میں تو ضروری ٹھہرایا گیا لیکن مسلمان جو جاہلیت کی سیر اسے طبعاً نفور تھے انہیں یوں سمجھایا گیا۔

فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما۔ (پ۲ البقرہ ۱۵۸)

ترجمہ۔ سو جو حج یا عمرہ کرے اسے ان دونوں پہاڑوں کے ساتھ گھومنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگنے کی تلقین کی گئی وہاں بھی یہ تعبیر اختیار کی۔ حالانکہ اللہ رب العزت سے اس کے فضل کی طلب کسی کے ہاں بھی کوئی مکروہ عمل نہ تھا اس میں بتا دیا گیا کہ قرآن کریم کے محاورے میں لا جناح علیکم کسی ایسی بات پر ہی نہیں آتا جس سے اس کی کراہت اور ناپسندیدگی اٹھائی مقصود ہو۔ ارشاد ہوتا ہے :-

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام۔ (پ۲ البقرہ ۱۹۸)

ترجمہ۔ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل چاہو۔ سو جب تم عرفات سے چلو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔

حج اور عمرہ ہمارے ملتِ ابراہیمی ہونے کے نشان ہیں اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وابستہ رکھنے کے لیے حضرت ابراہیمؑ کے بعض وقائع دینی کا ان اعمال میں مشمول و معمول ہونا ضروری تھا۔ اس لیے طوافِ کعبہ، رمی جمار، کوہِ صفا او رمروہ میں سعی، مشعر الحرام کے پاس اللہ کی یاد اور پیٹ بھر کا زمزم پینا ان تمام اعمال کو اسلام میں عبادت میں جگہ دی گئی۔

صفا اور مروہ میں دوڑنا ان پتھروں کی تعظیم کے لیے نہیں

نشانِ منزل اور محل تعظیم ہونے میں جوہری فرق ہے۔ کہ صفا اور مروہ سعی کے لیے نشانِ منزل تو ہیں مگر محل تعظیم نہیں مسلمان اگر انہیں محل تعظیم سمجھتے تو ان پر کبھی نہ چڑھتے۔ حالانکہ سعی کا آغاز کوہ صفا پر چڑھ کر کیا جاتا ہے اور مروہ پر چڑھ کر ہی ایک چکر پورا ہوتا ہے

حجرِ اسود کی کتنی تعظیم ہے کہ لوگ ٹوٹ ٹوٹ کر طواف کرتے ہوئے اسے بوسہ دے رہے ہیں لیکن حضرت عمرؓ اسے مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے تو نہ کسی کو کوئی نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ ہم تجھے بوسہ اس لیے دے رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا ہے۔

جن مسلمانوں کو شروع سے پتھروں سے دور رکھا گیا تھا انہیں پتھروں کے درمیان دوڑانے کے لیے پہلے یہی انداز سامنے لانا ضروری تھا۔ لا جناح علیہ ان یطوف بھما اور جب اس گمان کے بادل چھٹ گئے تو اس سعی کو واجب کا درجہ دیا گیا جس کے بغیر نہ عمرہ مکمل ہوتا ہے نہ حج۔

اس ایک پس منظر کے سوا قرآن پاک میں لا جناح علیکم اپنے اصل معنی میں بھی استعمال رہا۔

(۱) جو عورت طلاق مغلظہ سے خاوند سے جدا ہو چکی اور پھر دوسرے خاوند سے بھی اس کا نبھاہ نہ ہو سکا اب پہلے خاوند کی طلاق مغلظہ اس کے لیے اس سے نکاح کرنے میں مانع نہ ہو گی اسے اسی پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ۔ (پ۲ البقرہ ۲۳۰)

ترجمہ۔ سب ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اگر وہ سمجھیں کہ ہم اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے تو وہ آپس میں رجوع (نکاح) کر لیں۔

(۲) جاہلیت میں ایک یہ ذہن تھا کہ عورت کو نکاح کے بعد گھر لانا ضروری ہے اس حال میں اسے طلاق نہیں دی جا سکتی۔ اس کے ازالہ کے لیے فرمایا:۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن۔ (پ۲ البقرہ ۲۳۶)

ترجمہ تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو گھر لانے سے پہلے ہی طلاق دے دو۔

(۴) قرآن مجید میں ماؤں کو حکم دیا گیا کہ اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں. خاوند بیوی میں اگر طلاق ہو جائے تو پھر بھی بچے کی بہبود کے لیے یہ حکم باقی رکھا جا سکتا ہے :۔

وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما اتیتم بالمعروف ۔ (پ۲ البقرہ ۲۳۳)

ترجمہ. اگر تم اپنے بچوں کو دودھ پلانا چاہو تو تم پر گناہ نہیں اگر تم سونپ دو جو دینا کیا ہے اچھے طریق سے.

قرآن کریم میں یہاں فلا جناح علیکم کو اپنے اصل معنی میں رکھا گیا ہے. عمرہ اور حج کے مسائل میں اصل حکم کے ساتھ جو دوسرے مسائل اٹھ سکتے تھے انہیں حل کرتے ہوئے اصل حکم وارد کیا گیا ہے اس میں اس باریک بات پر توجہ دلائی گئی کہ بعض دفعہ ایک حکم میں کئی جہات پیشِ نظر ہوتی ہیں کسی جہت میں نقطہ اباحت اٹھایا جاتا ہے اور کسی دوسری جہت سے اسے واجب ٹھہرایا جاتا ہے. سو قرآن کریم کی اصطلاح کو جاننا بھی ضروری ہے جس کے تحت عمرہ اور حج کرنے والے کے لیے سعی واجب ہونے کے باوجود لا جناح علیہ کی تعبیر اختیار کی گئی.

فی کو لام کے معنی میں نہ لینے کی غلطی

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امیین Uneducated میں اپنے رسول کو بھیجا ان امیین سے مراد مکہ کے لوگ ہیں جہاں پڑھنے لکھنے کا کوئی رواج نہ تھا نہ وہاں کوئی تعلیم گاہیں موجود تھیں بخلاف شام یمن شام اور مصر کے. اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان میں بھی ہے جو ابھی ان امیین سے نہیں ملے وہ لوگ آئندہ آنے والے ہیں ان کے لیے قرآن کریم میں یہ الفاظ اختیار کیے گئے :۔

واخرین منھم لما یلحقوا بھم ۔ (پ۲۸ الجمعہ ۴)

ترجمہ. اور کچھ لوگ اور بھی ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے

واخرین کا عطف امیین پر ہے پہلے ھوالذی بعث فی الامیین کے الفاظ ہیں. حاصل آیت کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت امیین میں بھی ہے اور آخرین میں بھی. اب ظاہر ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم تو انہی (امیین) میں پیدا ہوئے نہ کہ آخرین میں، سو معلوم رہے کہ لفظ فی کبھی لام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی ان کے واسطے نہ کہ ان میں، سو آنحضرتؐ کی بعثت امیین کے لیے بھی ہے اور آخرین کے لیے بھی۔ یہ نہیں کہ آپ آخرین میں بھی مبعوث ہوئے اور ان میں موجود رہے۔
حضرت مفتی اعظم لکھتے ہیں:۔

ان میں بھیجنے سے مراد اُن کے لیے بھیجنا ہے کیونکہ فی عربی زبان میں لام کے معنی کے لیے بھی آتا ہے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات آئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب وفات پائیں گے تو کہاں دفن ہوں گے؟ آپ نے فرمایا:۔

یدفن معی فی قبری۔[2]

ترجمہ: آپ میرے ساتھ میری قبر میں دفن کیے جائیں گے۔

یہاں قبر اگر مقبرہ کے معنی میں نہیں تو فی عند کے معنی میں لیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فی جس طرح لام کے معنی میں بھی آتا ہے عند کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ای فی مقبرتی وعبر عنها بالقبر لقرب قبره بقبره فکانهما فی قبر واحد فاقوم انا وعیسٰی فی قبر واحد) ای من مقبره واحده ففی القاموس ان فی تاتی بمعنی من وکذا فی المغنی۔[3]

آنحضرتؐ نے فرمایا میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ ایک ہی مٹی میں دفن ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ قبریں ان حضرات کی تین ہیں حضرت عیسیٰ کے دفن ہونے پر یہ چار ہو جائیں گی مگر ان سب کو غایت قرب کے باعث ایک قبر بمعنی ایک مقبرہ کہا جا سکتا ہے۔

قادیانی سورۃ جمعہ کی اس آیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امیین اور آخرین دونوں میں بھیجا۔ امیین میں آپ اصالۃً تشریف لائے اور آخرین میں آپ کی بعثت اصالۃً نہیں ایک مثالی صورت میں ہوئی اور یہ غلام احمد کی بعثت ہے
وہ اس الحاد کا شکار کیوں ہوئے؟ صرف اس لیے کہ وہ نہ سمجھ سکے کہ فی کا لفظ کبھی لام کے

---

[1] معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۴۳۶ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰ [3] مرقات جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۳

معنی میں آتا ہے۔ حضور امیین میں خود تشریف فرما ہوئے اور آپ کی بعثت آخرین کے لیے بھی ہے۔ اور آپ تمام بنی نوع انسان کے لیے وہ امیین ہوں یا آخرین، عربی ہوں یا عجمی پیغمبر ٹھہرے نبوت اور رسالت ان سب میں آپ کی ہی رہے گی۔ قیامت تک آپ کا کلمہ ہی پڑھا جائے گا اور آپ کی امت ہی قیامت تک جانے والی امت ہے نہ کوئی نبی پیدا ہوگا نہ کسی اور نبی کی امت بنے گی۔ اس پہلی امت کا دور قیامت سے پہلے کبھی ختم نہ ہوگا آپ نے فرمایا۔

انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

فی کے اور قرآنی اطلاقات

ولاصلبنکم فی جذوع النخل۔ (پ ۱۶ طٰہٰ)

یہاں فی علیٰ کے معنی میں ہے۔

فسیروا فی الارض

یہاں بھی فی علیٰ کے معنی میں ہے۔

حروف ذراسی مناسبت سے مجازاً دوسرے حروف کا معنی اختیار کر لیتے ہیں اس میں کسی تعجب میں نہ پڑنا چاہیئے۔

ماضی اور مضارع کے مورد

ما ادراک اور ما یدریک میں ماضی اور مضارع کے سوا اور کیا فرق ہے؟ قرآن کریم نے اپنے استعمال میں یہاں بھی ایک باریک فرق روا رکھا ہے۔

محدث جلیل حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) فرماتے ہیں۔

ماکان فی القرآن وما ادراک فقد اعلمه وما قال وما یدریک فانه لم یعلمه[1]

ترجمہ: قرآن میں جو ماضی کے ساتھ آپ سے علم کی نفی کی گئی اس کا علم آپ کو دے دیا گیا اور جہاں اس کی نفی مضارع کے ساتھ ہے اس بات کا علم آپ کو بعد میں بھی نہ دیا گیا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۷

لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا وما ادراک مالیلۃ القدر تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آپ کو لیلۃ القدر پر مطلع فرمادیا تھا۔

وما ادراک مایوم الفصل سے پتہ چلا کہ فیصلے کے دن کے حالات بھی اللہ تعالیٰ نے بعد میں آپ پہ کھول دیئے ہوں گے۔

لیکن خاص جو قیامت کی گھڑی ہے اللہ تعالیٰ نے اس نقطہ وقت سے کسی کو مطلع نہیں فرمایا نہ کسی فرشتہ کو نہ کسی پیغمبر کو۔ اس کے لیے قرآن پاک میں وما ادراک نہیں وما یدریک کی تعبیر اختیار کی گئی۔

یسئلک الناس عن الساعۃ قل انما علمھا عند اللہ وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا (پ۲۲ الاحزاب ۶۳)

ترجمہ. لوگ آپ سے قیامت کی گھڑی کا پوچھتے ہیں آپ کہہ دیں کہ اس علم بس اللہ کو ہی ہے اور آپ کیا جانیں ہوسکتا ہے کہ یہ قریب ہی ہو۔

قرآن میں آئے لفظ لعلّ کی حقیقت

مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ لعلّ قرآن شریف میں اس واسطے آیا ہے کہ قرآن شریف ہمارے محاورہ پر نازل ہوا ہے جس جگہ انسان لعلّ کا لفظ بولتا ہے ایسے ہی مقامات میں اللہ تعالیٰ نے بھی لعلّ فرمایا ہے اس کی ترتیب یہ ہے کہ مسبب کا ترتب اسباب پر تین قسم کا ہے ایک کلی جیسے احراق (جلانا) کا ترتب نار پر۔ دوسرے اکثری جیسا ترتب شفا کا دوا پر۔ تیسرا اتفاقی جیسے شکار کا جال پر۔ اور لعلّ کا لفظ انسان کے کلام میں وہاں آتا ہے جہاں کسی مسبب کا ترتب اپنے سبب پر اکثری ہو یعنی اس سے قطع نظر کہ متکلم کو عواقب (انجام) کا علم ہے یعنی صرف ذات مسبب کی طرف نظر کر کے اس لفظ کا اطلاق کردیا۔[1]

اس سے پہلے اس اصطلاح پر کلام ہوچکا ہے۔[2]

---

[1] الکلام الحسن جلد ۱ صکا   [2] اصطلاحات صہ

تراجمِ قرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

قرآن کریم وہی ہے جو عربی میں ہے، ترجمہ قرآن ترجمہ ہے قرآن نہیں ہے. قرآن سے عربیت جُدا نہیں کی جا سکتی. ترجمہ کے الفاظ قرآن نہیں ان میں ہرگز کوئی شانِ اعجاز نہیں. تاہم یہ ضروری ہے .. ابتدائی معلومات کے لیے غیر عربی قوموں میں قرآن کے ترجمہ کی اشد ضرورت ہے. علماء ہند اس میں سبقت لے گئے اور انہوں نے قرآن کریم کے فارسی اور اردو ترجمے کیے. لیکن عربی کو ساتھ قائم رکھا. برصغیر پاک و ہند میں فکری صلابت کی ضرورت زیادہ گیارہویں صدی میں محسوس ہوئی اور بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۴۶ھ) نے فتح الرحمٰن کے نام سے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا. یہ علماء ہند کا عملاً فتوے تھا کہ ترجمہ قرآن جائز ہے. کسی نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے اس فتوے کا انکار نہیں کیا. پھر ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اس راہ پر چلے اور انہوں نے قرآن کریم کے اردو ترجمے کیے اور ایک علمی ضرورت کو پورا کیا.

وہ لوگ ملتِ اسلامی کے لیے نہایت خطرناک ہیں جو علماء پاک و ہند کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ ابتداءً ترجمہ قرآن کے خلاف تھے اور پھر انہوں نے مجبوراً اس کے جواز کا فتوے دیا. بات یوں نہیں علماء ہند اجماعاً ترجمہ قرآن کے حق میں رہے ہیں لیکن یہ ان انسانی الفاظ کو تقدس کا وہ درجہ نہیں دیتے تھے جو عربی کو حاصل ہے اور قرآن وہی ہے جو عربی میں ہے. مسیحی قومیں چاہتی تھیں کہ مسلمان ترجمہ قرآن کو وہی درجہ دیں جو انہوں نے ترجمہ بائبل کو دے رکھا ہے وہ اسے ہی کتاب مقدس کہتے ہیں.

ہاں عرب علماء کے ہاں یہ مسئلہ بہت زیر بحث رہا کہ قرآن کا ترجمہ کیا جائے یا نہ. اور وہ ابھی تک اس مسئلہ میں متفق الرائے نہیں ہو سکے. بتتمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن کی یہ عبارت ہم پہلے کہیں نقل کر آئے ہیں :-

وبالجملة علماء الهند مجمعون علی جواز تراجم القران فی هذا العصر و
علماء مصر ومشیخة الازهر افردوا هذه المسئلة بالتالیفات ولم
ینفضهم فیهم الی الان امرها۔[1]

ترجمہ: حاصل اینکہ علماء ہند ترجمہ قرآن جائز قرار دینے پر سب متفق رہے ہیں
اور علماء مصر اور ازہر کے مشائخ نے اس مسئلہ پر کئی کتابیں لکھی ہیں اور بات
اب تک طے نہیں ہو سکی۔

ترجمۃ القرآن کے زیر عنوان ہم کچھ بحث کر آئے ہیں وہاں ہم نے اردو کے بیس تراجم
کے نام دیئے ہیں تاکہ طلبہ اس باب میں اس محنت پر مطلع ہو جائیں جو مختلف مکاتب فکر کے
علماء نے اس باب میں کی ہے۔ ترجمہ کی صحت ترکیب اور الفاظ کی صحت نزاکت پر ہم نے وہاں
بحث نہیں کی۔ طلبہ کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ غلط ترجمہ کس طرح ہوتا ہے اور اس سے کیا غلط
نتائج نکل سکتے ہیں اور اس ضمن میں ہم بعض تراجم کے حوالے بھی دیں گے تاکہ طلبہ کو صحیح اور غیر
محتاط تراجم میں فرق کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے اور وہ آگے تفسیر میں صحیح طور پر چل سکیں
جب مترجم معنی بگاڑ سکتے ہیں تو تفسیروں میں کیا کچھ نہ ہو سکے گا۔ یہ ہم سب کے سوچنے کی
بات ہے۔

ترجمہ میں غلطی کر جانے کی مثالیں

(۱) اللہ یستھزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون۔ (پ۱ البقرہ ۱۵)
ترجمہ: اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے اور کھینچتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں
اور وہ عقل کے اندھے ہو رہے ہیں۔
یہاں تین جملے ہیں درمیانے جملے پر غور کریں:
" اور اللہ انہیں کھینچتا ہے ان کی سرکشی میں" یعنی انہیں ڈھیل دیتا ہے ان کی
سرکشی میں۔

---

[1] یتیمۃ البیان ص۲۷

وہ اپنی گمراہی کا موجب تو خود ہوتے کہ مسلمانوں سے استہزاء کیا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اس سرکشی میں اور مہلت دی لیکن وہ عقل کے اندھے ہی رہے سرکشی سے واپس نہ ہوتے توبہ نہ کر پائے۔

خیر و شر دونوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ہدایت اور گمراہی دونوں اس کی قدر کے فیصلے سے ہیں یہ مذہب اہل سنت کا ہے۔ معتزلہ اور نیچری اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں اللہ خالق کل شیء ایک خدا کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں۔ یہ آیت اہل سنت کے عقیدے کو بیان کر رہی ہے۔ معتزلہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ فی طغیانھم کو یعمھون کے متعلق کر جاتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں عقل کے اندھے ہو رہے ہیں۔ فی طغیانھم اصل میں یمدھم کے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی سرکشی میں اور مہلت دے رہے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اس آیت کے پہلے جملے میں لفظ استہزاء پر غور کیجئے اس کے عربی میں معنی ہنسی کرنے کے ہیں اور اردو میں اسے مذاق کرنے کے معنی میں لیتے ہیں اب جب اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ ہنسی کرنا۔ ۲۔ مذاق کرنا۔ تو اردو میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ استہزاء نہ لایا جا سکے گا گو عربی میں اسے ہنسی کرنا سے ذکر کر دیں گے اور جب لوگوں کے لیے یہ لفظ آئے تو ان کے لیے استہزاء کا لفظ لایا جا سکے گا۔ اب اس آیت کے دو ترجمے ملاحظہ ہوں:

۱۔ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ:

"اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں۔

۲۔ ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

"اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔"

اللہ کے لیے لفظ استہزاء اختیار کرنے پر یہ مفسر یہ استدلال کرتا ہے:

سزائے جرم کو جرم کے لفظ سے تعبیر فرمایا فصاحت و بلاغت کے طور پر

ان کا جُرم کیا تھا؟ استہزاء اس کی سزا کیا ملی؟ بقول مفسر استہزاء جو خود ایک جُرم ہے ـــــ اس کی اللہ کی طرف نسبت کیوں کی؟ مشاکلت کے طور پر۔

اب اگر کوئی مترجم مکروا و مکراللہ میں بھی بطور مشاکلت اللہ کے لیے یہ لفظ لے آئے تو چاہیئے کہ وہاں بھی اسے بطور مشاکلت (فصاحت و بلاغت) قائم رکھا جائے۔ مولانا محمد جوناگڑھی تو لفظ یعمھون کو لے اُڑے اور ترجمہ قرآن میں اسے بالکل چھوڑ دیا۔ ہو سکتا ہے ان کے قرآن میں یہ سہو قرآن سے رہ گیا ہو۔

(۴) اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔

۱۔ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ:

"بتلا ہم کو سیدھی راہ، ان لوگوں کی جن پر تُو نے فضل فرمایا جن پہ نہ تیرا غصّہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے اس راستے پر چلانے کی دُعا مانگی گئی ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے۔ وہ انعام یافتہ لوگ کون تھے؟ وہ وہ تھے جن پر نہ خدا کا غضب بھڑکا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

ایک دوسرا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

"ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ راستہ ان کا جن پر تُو نے احسان کیا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بھکے ہوؤں کا۔"

غیر المغضوب علیھم پہلے جُملے الذین انعمت علیھم کا بدل ہے یا ان کی صفت ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا یہ صراط کی صفت نہیں کہ یوں کہا جائے "نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بھکے ہوؤں کا۔

یہی ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی نے کیا ہے۔

حضرت مولانا سید عبدالحیؒ نے مولانا محمد جوناگڑھی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے سو ہمیں ان پر اعتراض نہیں لیکن ہم اس بات پر اظہارِ افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکے کہ مولانا احمد رضا خاں نے کنز الایمان میں ان علمائے اہلحدیث کی کیوں پیروی کی ہے۔

③ قرآن کریم نے ان حاجیوں کو جو عمرہ اور حج جمع کریں (حج تمتع کریں یا حج قران) شکرانے کا ایک جانور اللہ کی راہ میں دینے کا حکم دیا ہے انہوں نے ایک سفر میں حج اور عمرہ کو جمع کیا۔

فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة کاملة۔ (پ۲ البقرہ ۱۹۶)

ترجمہ۔ سو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اُٹھائے اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جائے یہ پُورے دس ہوئے۔

ترجمہ کے الفاظ (جب اپنے گھر پلٹ کر جائے) قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ یہ مترجم نے اپنی طرف سے ڈالے ہیں۔ مترجم یہاں فقہ حنفی کی تردید کرنا چاہتا ہے۔ فقہ حنفی میں سبعة اذا رجعتم کا معنی یہ دیا گیا ہے جب وہ واپس لوٹے۔

سو یہ سات روزے واپسی کے سفر میں بھی رکھے جا سکتے ہیں گھر پہنچنا ضروری نہیں مگر اہلحدیث حضرات کے نزدیک یہ سات روزے گھر پہنچنے پر ہی رکھنے ہوں گے معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں یہاں فقہ حنفی کے خلاف کیوں چل رہے ہیں انہوں نے گھر پلٹنے کا ترجمہ کیا ہے۔

(نوٹ) حج کے موقعہ پہ جو جانور بطور شکرانہ اللہ کی راہ میں ذبح کیا جاتا ہے یہ وہ قربانی نہیں جو پُوری دُنیا کے اسلام میں حضرت ابراہیم کی سنّت کے طور پر کی جاتی ہے نہ اسے قربانی کہنا درست ہے۔ یہ دمِ شکر ہے جو ایک سفر میں عمرہ اور حج ملنے پر اللہ کی راہ میں کیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں اسے قربانی سے کیوں موسوم کر دیا گیا ہے۔

④ ولقد اتیناك سبعًا من المثانی والقرآن العظیم۔ (پ۱۴ الحجر ۸۷)

ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی: یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں کہ دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی دے رکھا ہے۔

یہاں "بھی" کا لفظ بتلاتا ہے کہ مترجم سورۂ فاتحہ کو قرآن کے علاوہ ایک دوسری وحی سمجھتا ہے۔ یہ سورۃ فاتحہ کے قرآن ہونے کا انکار ہے۔ قرآن کے کسی دوسرے مترجم نے یہاں بھی کا لفظ نہیں لکھا۔ یہاں سورۂ فاتحہ کو ہی قرآن عظیم کہا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں اس پر کھلی شہادت

موجود ہے۔ قرآن کے کسی حصے کا انکار بھی مسلمان کے لیے زیبا نہیں۔

⑤ مرزا بشیر الدین محمود نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:۔

والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک ج وبالاخرۃ هم یوقنون ۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور وہ جو ایمان لائے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اُتارا گیا اور اس پر جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پہ ایمان رکھتے ہیں۔

یہاں صرف دو طرح کی وحی مذکور ہے۔ ۱۔ قرآن کی اور ۲۔ قرآن سے پہلے کی۔ جیسے تورات انجیل وغیرہ۔ آگے ج کا وقف صاف نظر آرہا ہے۔ اگلا مضمون یہ ہے کہ وہ آخرت پہ یقین رکھتے ہیں جو چیز نظر آسکے اس پر اس کے آنے سے پہلے یقین ہوتا ہے۔ سو آخرت پر مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ وہ خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ وحی کی دونوں قسموں کے لیے تو ایمان کا لفظ فرمایا اور آخرت کے لیے یقین کا ــــ مرزا بشیر الدین نے وحی کی یہ تیسری قسم صرف اس لیے نکالی ہے کہ وہ اسے اپنے باپ کی وحی کہہ سکیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر مختلف تراجم کا تقابلی مطالعہ نہیں ہم طلبہ کو صرف یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ صحیح ترجمہ کرنا کتنا مشکل کام ہے اور یہ مختلف تراجم ہی ہیں جو مختلف نظریات کو جنم دیتے ہیں اور پھر ہر شخص کسی نہ کسی نظریے یا فرقے کی تائید میں قرآنی آیات کو پیش کرتا جاتا ہے۔

یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ اختلاف ترجمہ میں نہیں تفسیروں میں ہے اگر ترجمہ قرآن میں اختلاف نہ ہوتا تو تفسیروں میں بھی اختلاف نہ ہوتے۔ یہ جو تفسیریں ہیں وہ بھی اپنے اپنے حالات میں اپنے اپنے نظریات کے تحت لکھی گئی ہیں۔ طلبہ کو چاہیئے کہ وہ تفسیروں کے مطالعہ میں دین کے اصل ماخذ پر نظر رکھیں اور تحقیق کریں کہ کون سی بات اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور کون سی بات ہے جسے وقت کے طالع آزماؤں نے اپنی طرف سے خدا کے ذمہ لگا دیا ہے۔

اس پر ہم تراجم القرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ آگے تفسیر القرآن کا موضوع آرہا ہے ہم تفسیروں میں بھی کسی خاص تفسیر کو نشانہ نہ بنائیں گے۔

تفسیر القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد :

قرآن پاک کے علوم و مقاصد صرف اس کے منطوق اور ظاہر میں منحصر نہیں اگر ایسا ہوتا تو تلاوت اور عبادت کے بعد اس کے بیان و تبیان اور پھر اس میں تدبر کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ حالانکہ قرآن عزیز خود اس ضرورت کا اعلان کرتا ہے۔

(۱) وانزلنا الیک الذّکر لتبیّن للنّاس مانزّل الیھم ولعلّھم یتفکّرون۔

(پ۱۴ النحل ۴۴)

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ پر یہ ذکر اس لیے اتارا کہ آپ بیان فرماویں[۱] لوگوں کے سامنے۔ ان آیات کو جو اُن کی طرف نازل کی گئی ہیں اور یہ کہ وہ اس میں غور کریں۔

(۲) وما انزلنا علیک الکتٰب الّا لتبیّن لھم الذی اختلفوا فیہ وھدًی ورحمۃً لقوم یومنون۔ (پ النحل ۶۴)

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ پر کتاب اسی لیے اُتاری ہے کہ آپ بیان کردیں ان کے سامنے۔ وہ بات جس میں اُن کا اختلاف ہے اور یہ کتاب سیدھی راہ بتانے کے لیے ہم نے نازل کی ہے۔ اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے۔

(۳) لا تحرّک بہ لسانک لتعجل بہ ○ ان علینا جمعہ وقرانہ ○ ثم انّ علینا بیانہ۔ (پ۲۹ القیامہ ۱۹)

ترجمہ۔ آپ قرآن کو جلدی لینے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کو

---

[۱] قال الحافظ ابن تیمیہ رح یجب ان یعلم ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم بین لاصحابہ معانی القرآن کما بین لھم الفاظہ فقولہ تعالیٰ لتبیّن للناس مانزل الیھم یتناول ھذا وھذا۔ (رسالہ اصول تفسیر للحافظ ابن تیمیہ رح ص۵)

جمع کرنا اور پھر آپ کی زبان سے پڑھانا یہ ہمارے ذمہ ہے پھر جب ہم (فرشتہ کی زبان سے) پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ رہیں پھر اس کا (آپ کے ذریعہ) بیان کرا دینا یہ بھی بے شک ہمارے ذمہ ہے۔

(۴) لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ (پ۴ آل عمران ۱۶۴)

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان کیا جو بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے (نوعِ انسانی سے) جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے دلوں کو بھی پاک کرتا ہے اور انہیں قرآن کریم کی تعلیم بھی دیتا ہے اور اس کی حکمت بھی سکھلاتا ہے یہ لوگ اس سے پہلے واقعی کھلی گمراہی میں تھے۔

(۵) ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ (پ۲۸ الجمعہ ۲)

ترجمہ۔ وہی ذات ہے جس نے اِن اَن پڑھوں میں ایک رسول اسی نوعِ انسانی میں سے مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے خدا کی آیات تلاوت بھی کرتا ہے اُن کے دلوں کو پاک بھی کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھلاتا بھی ہے بے شک اس سے پہلے وہ صریح بھول میں پڑے تھے۔

ان پانچ آیاتِ کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن عزیز کی فقط تلاوت اور عبادت ہی اس کا مقصد نزول نہیں بلکہ منصبِ رسالت میں یہ جزو بھی شامل ہے کہ آپ قرآن پاک کو بیان کریں اور سمجھائیں اس کی باقاعدہ تعلیم دیں۔ اصحابِ صفہ ایک مدرسہ میں بیٹھیں اور آپ انہیں قرآن کریم کے مطالب پڑھائیں۔

عہدِ رسالت میں کتاب اللہ کی مراد بتلانے کی جب بھی ضرورت پیش آتی یا کسی لفظ میں تبادرِ عام اور محاورہ کے لحاظ سے صحابہؓ کو کوئی اشکال پیش آتا تو آنحضرتؐ ان خاص علوم و معارف

کی روشنی میں جو رب العزت نے آپ کے قلب مبارک میں وحی غیر متلو کے طور پر اتار رکھے تھے اسے حل فرما دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خاص "ارائت ربانی" کی روشنی میں ہی حکم فرماتے تھے اور بیان کرتے تھے۔

انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ (پ۵ النساء ۱۰۵)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب سچی تاکہ آپ لوگوں میں اس کے علم کے مطابق فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا رکھا ہے۔

قرآن صرف اپنے ظاہر میں محدود نہیں کہ صرف اس کی تلاوت اور عبادت کافی ہو۔ ہر ظہر کے ساتھ ایک بطن ہے جس کی تفسیر و تشریح اپنے پیرایہ میں درکار ہے۔ قرآنی علوم و مقاصد ظاہراً واضح ہوتے تو پھر قرآن عزیز میں تفکر و تدبر کی بھی ہرگز حاجت نہ تھی۔ حالانکہ قرآن کریم تدبر اور تفکر کی دعوت دیتا ہے:۔

① کتٰبٌ انزلناہ الیک مبارکٌ لیدبروا اٰیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب۔ (پ۲۳ ص ۲۹)

ترجمہ۔ ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے یہ برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور سمجھ والے اسے سمجھیں۔

② افلا یتدبرون القراٰن ام علیٰ قلوب اقفالھا۔ (پ۲۶ محمد ۲۴)

ترجمہ۔ کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا دلوں پر اُن کے تالے پڑے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک کو سمجھنا اگر صرف لغت کے ذریعہ کافی ہوتا اور اس کے مقاصد صرف ظاہری تعبیر میں واضح ہوتے تو صحابہ کرامؓ جو اہل زبان تھے اور عربیت اپنی پوری وضاحت کے ساتھ ان کے گھر کی باندی تھی تو اُن کے لیے قرآن پاک کی صرف تلاوت اور عبارت ضرور کافی سمجھی جاتی حالانکہ بعض صحابہؓ نے قرآن پاک پر بڑی بڑی مدتیں صرف کیں۔ حضرت امام مالکؒ کی بلاغات میں ہے:۔

ان عبد اللہ بن عمر مکث علیٰ سورۃ البقرۃ ثمانی سنین یتعلمھا۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ آٹھ سال صرف سورۂ بقرہ کو ہی سیکھتے رہے

---

[1] موطا امام مالک ص۷۰ طبع ہند

ظاہر ہے کہ اس سے مراد ظاہری اخذ و حفظ نہیں بلکہ اس کاوش میں متعدد قرآنی علوم و معارف آپ کے سامنے تھے۔ تابعی کبیر مفسر جلیل حضرت مجاہد (متوفی ۱۰۰ھ) کہتے ہیں:۔

عرضت القران علی ابن عباس ثلثین مرۃ۔[1]

ترجمہ: میں نے اپنے استاد حضرت ابن عباسؓ کے سامنے تیس مرتبہ قرآن کریم بیان کیا ہے۔

حضرت مجاہدؒ کے جمع کردہ تفسیری نوٹ تفسیر مجاہد کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

سیدنا حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں:۔

کان رجل اذا قرء البقرۃ وال عمران جلّ فی اعیننا۔[2]

ترجمہ: جب کوئی شخص سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا تو ہماری نظروں میں وہ بڑا ہو جاتا تھا۔

مشہور تابعی حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمیں قرآن پڑھایا جیسے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہما رضی اللہ عنہم اجمعین انہوں نے ہمیں بتلایا کہ:۔

انھم کانوا اذا تعلموا من النبی عشر اٰیات لم یتجاوزوھا حتی یعلموا ما فیھا من العلم والعمل قالوا فتعلمنا القران والعمل جمیعًا ولھذا کانوا یبقون مدۃ فی حفظ السورۃ۔[3]

ترجمہ: جب وہ آنحضرتؐ سے دس آیتیں حاصل کر لیتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک جان نہ لیتے کہ ان میں علم اور عمل کا کیا تقاضا ہے انہوں نے بتایا کہ اس طرح ہم نے قرآن اس کا علم اور عمل سب اکٹھے سیکھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک ایک سورت کے حفظ میں اتنی مدت لگے رہتے تھے۔

ان حقائق سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ قرآن پاک اپنے ابتداء نزول سے ہی اس پیرایہ میں تھا کہ آنحضرتؐ اسے پیش فرمانے کے ساتھ اس کی شرح و تفصیل بھی بیان کرتے۔ حضور اکرمؐ کی

---

[1] الاتقان وکذلک فی تہذیب التہذیب جلد ۱ صہ ۴۳ [2] مسند امام احمد جلد صہ [3] الاتقان عن الحافظ ابن تیمیہؒ

وفات کے بعد خاص خاص صحابہؓ تفسیر قرآن کا مرجع بنے جن میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوموسےٰ اشعری، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں سب سے زیادہ جن بزرگوں پر تفسیر کا مدار رہا وہ حضرات عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) ہیں. حضرت ابن عباسؓ کے راویوں میں ثقہ ترین راوی علی بن ابی طلحہ الہاشمیؒ (۱۴۳ھ) ہیں ان سے امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں روایات لی ہیں بعض محققین نے کہا ہے کہ علی بن ابی طلحہؒ نے خود حضرت ابن عباسؓ سے کچھ نہیں سنا بلکہ ان کے اور حضرت ابن عباسؓ کے مابین مجاہدؒ (۱۰۰ھ) یا سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) واسطہ ہیں اور وہ دونوں ثقہ ہیں. حضرت ابن عباسؓ سے تفسیری روایات کا سلسلہ کلبی عن ابی صالح عن ابن عباسؓ محدثین کے نزدیک ضعیف سمجھا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بعد تفسیر قرآن کے دو مرکز تھے۔ ۱. مکہ معظمہ اور ۲. کوفہ. مکہ معظمہ میں حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ (۱۰۰ھ) سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) عکرمہ (۱۰۷ھ) طاؤس بن کیسانؒ (۱۰۵ھ) اور حضرت عطا بن ابی رباحؒ (۱۱۵ھ) (یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اُستاد تھے) تفسیر کا درس دیتے تھے۔ اور کوفہ کا تفسیری درس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ حضرت علقمہ بن قیسؒ، اسود بن یزیدؒ اور ان کے تلامذہ علامہ شعبیؒ اور حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے دم سے آباد تھا. ابوالعالیہ رفیع بن مہرانؒ (۹۰ھ) ضحاک بن مزاحمؒ (۱۰۲ھ) قتادہ بن دعامہؒ (۱۱۷ھ) اور حضرت امام حسن بصریؒ (۱۲۱ھ) کے اسمائے گرامی بھی اس طبقہ مفسرین میں بہت اہم اور معروف ہیں.

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

> تابعین نے تفسیر کا علم بھی اسی طرح صحابہ کرامؓ سے حاصل کیا ہے جس طرح علم سنت ان سے پایا ہے تابعینؒ حضرات جس طرح استنباط و استدلال کی راہ سے بعض سُنّتوں پر گفتگو کرتے ہیں اسی طرح وہ تفسیر میں بھی بعض اوقات استنباط و استدلال کی راہ اختیار کرتے ہیں.

تابعین مفسرین کے بعد ان کے شاگردوں نے تفسیر کی طرف توجہ کی یہ حضرات صرف صحابہؓ

وتابعین کی تفسیرات آگے نقل کرتے تھے۔ اس دور کا تفسیری موضوع یہی ہوتا تھا کہ کون سی بات صحابہؓ اوران کے شاگردوں سے منقول ہے اور کون سی نہیں۔ ان ایام میں تفسیر کا یہی تحقیقی انداز تھا۔ تبع تابعین کے طبقہ مفسرین میں سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) امام شعبہؒ (۱۶۰ھ) وکیع بن جراحؒ (۱۹۷ھ) یزید بن ہارونؒ (۲۱۷ھ) عبدالرزاق بن ہمامؒ (۲۱۱ھ) آدم بن ابی ایاسؒ (ھ) اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) یحییٰ بن سعیدؒ (۱۹۸ھ) اور روح بن عبادہؒ (۲۰۵ھ) خاص طور پر ممتاز ہیں ان میں سے کئی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد بھی ہیں۔ اس طبقہ طبع تابعین کے بعد علم تفسیر کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی۔

تیسری صدی ہجری میں امام ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے اپنی مشہور ضخیم تفسیر لکھی۔ یہ عباسی حکومت کا زمانہ تھا اور اسی دور میں تفسیر کی باقاعدہ کتابیں لکھی جانی شروع ہوئیں۔ امام طبری نے پہلے یہ کتاب تین سو جلدوں میں لکھی اور پھر اس کی تیس جلدوں میں تلخیص کی۔ یہ تفسیر محدثین کی طرز پہ ہے اور سلسلہ اسناد تقریباً ہر روایت کے ساتھ مذکور ہے۔ علمائے محققین جس طرح مرویاتِ حدیث میں اسناد کی تحقیق کرتے ہیں اسی طرح تفسیر ابن جریر میں بھی صحیح وضعیف کی باقاعدہ تحقیق ہوتی ہے بعد کی بیشتر تفسیروں کا ماخذ یہی ہے۔

تفسیر ابن عباسؓ

بعض حضرات تفسیر ابن عباسؓ کو سب سے پہلی تفسیر قرار دیتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کوئی تفسیر نہیں لکھی ان کی مرویات تفسیریہ کو مختلف کتابوں اور روایتوں سے جمع کرکے تنویر المقباس کے نام سے مرتب کیا گیا ہے ان روایات اور تفسیرات کی جانچ پڑتال ہو سکتی ہے اس کتاب کو حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر سمجھ لینا صحیح نہیں۔ ہاں اسے ترک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

علم تفسیر سے مراد

تفسیر کا لفظ فسر سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی بات کو کھول دینے کے ہیں۔ اصل عبارت متن کہلاتی ہے اور اس کے کھولنے اور بیان کرنے کو تفسیر کہتے ہیں۔

ابوحیان اُندلسی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں :۔

التفسیر علم یبحث عن کیفیۃ النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتھا و احکامھا الافرادیۃ والترکیبیۃ ومعانیھا التی تحمل علیھا حالۃ الترکیب وتتمات لذلک۔[۱]

ترجمہ: یہ ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت ۔ ان کے مدلولات (معنی مراد) ۔ ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان کے وہ معانی جن پر انہیں ترکیب میں محمول کیا جا سکے اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔

کیفیت نطق میں علم قرأت نزول کے سات پیرائے (سبعۃ احرف) وغیرہ جملہ مباحث آ گئے ۔ ان کے مدلولات کی بحث میں علم لغت، قواعد عربیت، معانی و بیان اور ادب کے جملہ پیرائے آ گئے۔ الفاظ کے افرادی احکام میں پورا علم صرف اور ترکیبی احکام میں پورا علم نحو آ گیا اور ان علوم کے تتموں میں ناسخ و منسوخ کی بحث ظاہر نص عام و خاص، محکم و متشابہ اور قصص و احکام کے جملہ مباحث آ گئے۔

تتمات سے گویا وہ علوم مراد ہیں جو اس کی تفہیم کو مکمل کریں۔ اس میں اسباب نزول کی معرفت ناسخ و منسوخ کا بیان درجات نصوص (عبارۃ النص دلالۃ النص اشارۃ النص اقتضاء النص وغیرہ کے مراتب مختلفہ) کی تعیین ظاہر و خفی کی تشریح، متشابہات کی توضیح مبہمات کی تفصیل اور احکامات کی تنقیح وغیرہ سب امور داخل ہیں۔ متقدمین کی اصطلاح میں زیادہ تر انہی باتوں کے جاننے کو علم تفسیر کہا جاتا تھا اور ان تفسیری علوم کا مدار صحابہؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی روایات پر تھا۔ امام ابوالمنصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ تفسیر میں ایک معنی پر یقین کر لینا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ یقین کا یہ درجہ روایات صحیحہ پر اعتماد کرنے کے بغیر کسی طرح ممکن نہیں۔

علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے علم تفسیر کی اس طرح تعریف کی ہے :۔

علم التفسیر علم یبحث فیہ عن معنی نظم القرآن بحسب القوانین العربیۃ والقواعد الشرعیۃ بقدر الطاقۃ البشریۃ۔[۲]

---

[۱] ماخوذ از الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ [۲] ایضاً

ترجمہ: علم تفسیر وہ علم ہے جس میں نظم قرآنی (آیات کی باہمی ترتیب اور ترکیب الفاظ) سے قواعدِ عربیہ اور قواعدِ شرعیہ کے مطابق بشری حد تک بحث کی جاتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ تفسیر میں ان تین چیزوں کی رعایت ازحد ضروری ہے۔

① ہر ہر کلمہ کے متعلق یہ جاننا کہ اس کا لغوی معنی کیا ہے اور یہ کہ اس کے مجازی استعمال کی وسعت کہاں تک ہے۔

② سیاق و سباق پر پوری نظر رکھنا تاکہ کلام اوّل آخر سے مربوط رہے کسی مرحلہ پہ بے معنی نہ ہونے پائے۔

③ نزولِ وحی کے وقت جو لوگ موجود تھے انہوں نے اس سے کیا سمجھا تھا کوئی تشریح حضورؐ کے بیان اور صحابہؓ کی تفسیر کے خلاف نہ ہو۔

شرطِ اول کا لحاظ نہ رہے تو یہ تاویل قریب ہے۔ دوسری شرط فوت ہو تو یہ تاویل بعید ہے اور تیسری بھی محفوظ نہ رہے تو یہ تفسیر نہیں تحریف ہوگی۔

طلبہ حضرات سمجھ گئے ہوں گے کہ تفسیر سے کیا مراد ہے عرب کہتے ہیں اسفر الصبح صبح روشن ہوگئی۔ بات واضح ہو جائے تو یہ اس کی تفسیر ہے۔ قرآن کریم کی بات کھلنے کو تفسیر کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں فسر اور تفسیر کا استعمال

والصّبح اذا اسفر۔ (پ ۲۹ المدثر ۳۴)

ترجمہ: اور قسم ہے صبح کی جب وہ اچھی طرح کھل جائے۔

جوں جوں دن آگے بڑھتا ہے روشنی اور تیز ہوتی جاتی ہے نصف النہار پر پہنچ کر پھر اس کا ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے۔

تفسیر اور تاویل

اصل بات کھلے تو یہ تفسیر ہے اور کوئی اور مضمون ادھر لوٹے تو یہ تاویل ہے۔ تفسیر فسر سے

ہے اور تاویل اَوْل سے ہے جس کے لغوی معنی رجوع کے ہیں. قرآن پاک اپنی بلاغت میں بہت سے مضامین کو چھوتا ہے اور یہ مضامین بھی اس کی طرف لوٹتے ہیں. معانی کی وسعت ان کو شامل ہوتی ہے یہ تاویل مقبول ہے اور اگر یہ تفسیر سے ٹکرائے تو یہ تاویل مردود ہے. قرآن کریم نے احسن تفسیر اور احسن تاویل سے دونوں کو ساتھ لیا ہے۔

ولا یاتونک بمثل الا جئنٰک بالحق واحسن تفسیرا. (پ۱۹ الفرقان ۳۳)

ترجمہ. اور نہیں وہ لاتے تمہارے پاس کوئی مثل مگر یہ کہ ہم لے آتے میں تمہارے پاس سچائی اور اس سے بہتر بات کھول کر.

فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر واحسن تاویلا. (پ۵ النساء ۵۹)

ترجمہ. سو تم لوٹاؤ اس قضیئے کو اللہ کی (کتاب کی) طرف اور رسول کی طرف (آپ کی سنت کی طرف) اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور مراد کو پہنچنے کی بہترین راہ ہے

ضرورتِ پیش آمدہ میں جہاں قرآن کریم کی نص نہیں ملتی نہ اس خاص جزئیہ میں کوئی واضح حدیث موجود ہو تو اپنی اس ضرورت کو قرآن و حدیث کی طرف لوٹاؤ. قرآن و حدیث کے بیان کردہ مسائل میں اگر اس ضرورت پیش آمدہ پر کچھ دلالت اور رہنمائی ملے تو قرآن و حدیث کی طرف لوٹنا ہے لیکن از راہِ تاویل نہ کہ از راہِ تفسیر۔ قرآن کریم میں یہاں احسنِ تاویل اسی کو کہا گیا ہے. خدا کی طرف سے حضورؐ کی جو رہنمائی ہوتی تھی وہ وحی متلو اور اس کی تفسیر (وحی غیر متلو) ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو تاویل پر نہیں لگایا. حضورؐ جس راہ پر چلے وہ سنت ہے. آپ نے قرآن کریم کی روشنی میں امت کو سنّت اور تاویل پر لگایا. آپ نے ایک پیشگوئی میں کہا تھا تم میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو تاویل قرآن (مراداتِ قرآن) کی حفاظت کے لیے اسی طرح جہاد کریں گے جس طرح میں الفاظِ قرآن پر قوموں سے مقابلہ کرتا رہا. اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں سنّت سے امّت کو روشنی بخشی آپ نے مراداتِ قرآن کی وسعت میں تاویل کو بھی پذیرائی عطا فرمائی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی کی رائے

آپ مفردات میں لکھتے ہیں کہ تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ اور مفردات میں ہوتا ہے ان کی باہمی تالیف اور ترکیب اس کا موضوع نہیں ہم علامہ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ الفاظ اور مفردات کو کلام نہیں کہتے کلام ان کی تالیف اور ترکیب سے بنتا ہے اور تفسیر کلام کی ہوتی ہے مفردات کی نہیں علامہ کے ہاں معانی اور جملوں میں لفظ تاویل مراد کو واضح کرتا ہے۔

علامہ ابونصر قشیری کی رائے

علامہ قشیری کہتے ہیں کہ تفسیر کا تعلق قرآن کریم کے بیان پر روایت اور حضورؐ کی واضح ہدایت سے ہے اور تاویل اپنی وسعت میں اجتہاد اور لطائف و معارف کے استنباط کو بھی شامل ہے متقدمین کی اصطلاح میں تفسیر واقعی ایک مختصر پیرایہ بیان کا نام تھا اور تاویل بیان کا ایک وسیع دائرہ تھا لیکن متاخرین میں تاویل کا لفظ صرف عن الظاہر کے معنی میں زیادہ استعمال ہونے لگا ظاہر ہے کہ یہ معنی عوامی سطح پر کچھ اچھے نہیں سمجھے جاتے ہر لفظ اور جملے کا واضح معنی وہی ہوتا ہے جو ظاہر الفاظ میں سمجھ میں آئے۔

تاویل کا ایک اپنا دائرہ ہے لیکن تاویل اگر صرف عن الظاہر کے معنی میں ہو تو یہ تاویل باطل ہوگی اور جو اصل الفاظ اور واقعات کو کھولے وہ ویعلمک من تاویل الاحادیث (۱۲ یوسف ۲) کے قبیل سے ہوگی۔ جس کی غایت اصل بات کو پہنچنا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ متاخرین پہلے دور کی تفسیر اور تاویل دونوں کو تفسیر کے لفظ میں لاتے رہے ہیں اور تاویل کے جو معنی متقدمین میں لیے جاتے تھے اسے بیان کرنے کے لیے وہ اس کے ساتھ لفظ اعتبار (جو فاعتبروا یا اولی الابصار سے ماخوذ ہے) ساتھ لانے لگے۔ اسی کو اعتبار کہتے ہیں۔

لفظ تفسیر متاخرین کے ہاں

اب یہ ایک اصطلاح ہے اور اس میں عربی لغت اور قواعد عربیت کے علاوہ آیات کے

کی اور مدنی ہونے کی بحث سبب نزولِ آیات ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ عام و خاص مجمل و مفصل وغیرہ جملہ پہلوؤں پر بحث ہوتی ہے اور ان سب امور کو لفظ تفسیر سے بیان کیا جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ قرآن کریم کے ان مضامین کو عصرِ حاضر کے تقاضوں پر کس طرح منطبق کیا جائے تو اس کے لیے جو وسعت بھی اختیار کی جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ ان مباحثِ لطیفہ کا اصل تفسیر سے کہیں ٹکراؤ پیدا نہ ہوتا ہو۔

الاعتبار والتاویل

جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں تاویل کے معنی "رجوع کرنے اور لوٹانے" کے ہیں الفاظ جتنے معانی کے محتمل ہو سکیں ان میں سے بذریعہ قرائن کسی ایک معنی کی طرف رجوع کرنا تاویل کہلاتا ہے اس میں ضروری ہے کہ تاویل کا مصداق اصول اسلام اور تفسیر سلف سے کسی انداز میں بھی متصادم نہ ہو اس قسم کی تاویل مقبول ہے۔ ارشادِ نبوت کی رُو سے قرآن کے لیے ایک ظہر ہے اور ایک بطن اس بطن سے علمائے محققین اور فضلائے عارفین نے ایسے ایسے حقائق دریافت کیے ہیں اور ایسے ایسے عجائب و غرائب معلوم کیے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک حقیقت قرآن عزیز کی شانِ اعجاز اور حضورؐ ختمی مرتبت کی عظمت و صداقت کی ایک کھلی بُرہان ہے۔ قرآن حقائق و معارف کا ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اور اس کے عجائب کبھی ختم ہونے کے نہیں۔ لاکھوں اور کروڑوں موتی اس میں سے دریافت ہو چکے ہیں اور ابھی تک اس کی اتھاہ گہرائیوں کی کوئی تحدید نہیں۔ کلام مخلوق کسی انداز میں بھی کلام خالق کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

فظهره التلاوة وبطنه التاويل فجالسوا به العلماء وجانبوا به السفهاء۔[1]

ترجمہ قرآن کا ظاہر اس کی تلاوت ہے اس کا باطن اس کے مطالب ہیں اس کے لیے علماء کے پاس بیٹھو اور بے وقوفوں سے کنارہ کش رہو۔

یہ امر پیشِ نظر ہے کہ ایسے حقائق "الاعتبار والتاویل" کے نام سے پیش ہوتے ہیں اور

---

[1]

ان میں سے کسی ایک موقع پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا تعالیٰ کی مراد اس مقام پر یقیناً یہی ہے یہ درجہ صرف تفسیر کو حاصل ہے جس کا مدار آثار سلف پر ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابن عباسؓ کے لیے خاص طور پر یہ دعا فرمائی تھی:۔

اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔

ترجمہ۔ اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی صحیح مراد سمجھا۔

ظاہر ہے کہ یہاں تاویل سے مراد اصل بات کو پہنچنا ہے نہ کہ اس کے معنی ظاہر کو چھوڑنا حضرت علامہ خازن (۷۴۱ھ) لکھتے ہیں:۔

اما التاویل وھو صرف الآیۃ علی طریق الاستنباط الیٰ معنی یلیق بھما محتمل لما قبلھا وبعدھا وغیرہ مخالف الکتاب والسنۃ فقد رخص فیہ اھل العلم فان الصحابۃ قد فسروا القرآن واختلفوا فی تفسیرہ علی وجوہ ولیس کل ما قالوہ سمعوہ من النبیؐ ولکن علی قدر ما فھموا من القرآن تکلموا فی معانیہ وقد دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابن عباس فقال اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔[1]

ترجمہ یعنی وہ تاویل جس میں قرآن پاک کی آیت کو استنباط اور استدلال کے طریقے سے کسی ایسے معنی کی طرف لوٹایا جائے جس کی وہ آیت اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے محتمل ہے اور گنجائش رکھتی ہے تو اس قسم کی تاویل کی اہل العلم نے اجازت دی ہے صحابہ کرامؓ جب تفسیر کرتے تھے تو اس میں ہر ایک بات تو حضورؐ سے سُنی ہوئی نہ ہوتی تھی بلکہ وہ اپنے اپنے فہم کی روشنی میں ان مطالب ومعانی میں کلام فرماتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے اس قسم کی تاویل مقبول کے لیے حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دُعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور اسے تاویلِ کتاب کا علم عطا فرمایا۔

---

[1] تفسیر خازن جلد ا ص

ہاں جو تاویل ظاہر الفاظ قرآن سے ماخوذ نہ ہو اور الفاظ قرآن اس کے کسی طرح محتمل نہ ہوں یا وہ تاویل اسلام کے کسی بنیادی اصول سے متصادم ہو یا قرآن پاک کی دوسری نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہو تو یہ تاویل "تاویل باطل" ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ایسی تاویل باطل کو تحریف کہا جاتا ہے۔

تفسیر بالرائے

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:۔

من قال فی کتاب اللہ برأیہ فاصاب فقد اخطاء[1]

ترجمہ: جو شخص اپنی خواہش کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے تو اگر وہ بات صحیح بھی کہہ جائے تو اس نے صحیح طریقہ تفسیر سے انحراف کیا۔

بعض روایات میں یہاں تک وعید وارد ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

آٹھویں صدی ہجری کے مفسر جلیل حضرت علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی ارشاد فرماتے ہیں:۔

والنہی عن القول فی القراٰن بالرای انما ورد فی حق من یتاول القراٰن علی مراد نفسہ وماھو تابع لھواہ وھٰذا لا یخلو اما ان یکون عن علم اولا فان کان عن علم کمن یحتج ببعض اٰیات القراٰن علی تصحیح بدعۃ وھو یعلم ان المراد من الاٰیۃ غیر ذلک لکن غرضہ ان یلبس علی خصمہ بما یقوی حجتہ علی بدعتہ کما یستعملہ الباطنیۃ والخوارج وغیرھم من اھل البدع فی المقاصد الفاسدۃ لیغرّوا بذلک الناس وان کان القول فی القراٰن بغیر علم لکن عن جھل وذلک بان تکون الاٰیۃ محتملۃ لوجوہ فیفسر ھا بغیر ما تحتملہ من المعانی

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۹

والوجوه فهذان قسمان مذمومان وکلاهما داخل فی النهی والوعید الوارد فی ذلک[1]

ترجمہ۔ تفسیر بالرائے کی یہ نہی اس شخص کے حق میں وارد ہے جو قرآن پاک کو اپنی خواہش اور نفسانی مراد کے مطابق پھیرتا ہے پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ علم کے سہارے جیسے وہ لوگ جو اپنی بدعات کی تائید کے لیے بعض آیات قرآن کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ آیت کی مراد یہ نہیں لیکن ان کا مقصد اپنے مخالف کو مغالطہ دینا اور اپنی من گھڑت بات کو ثابت کرنا ہوتا ہے یہ عادت فرقہ باطنیہ خوارج اور دوسرے بدعتی فرقوں کی ہے اس کا مقصد لوگوں کو محض دھوکا دینا ہے۔ ۲۔ دوسری صورت تفسیر بالرای کی "علم کے بغیر" ہے مثلاً ایک آیت کئی مطالب کی محتمل ہے لیکن کوئی شخص اس کی ایسی تفسیر کرتا ہے جس کی اس آیت میں کوئی گنجائش نہیں۔ تفسیر بالرائے کی یہ دونوں قسمیں مذموم ہیں اور دونوں اس نہی اور وعید میں داخل ہیں۔ جو اس باب میں شارع علیہ السلام سے وارد ہے۔

ہاں قرآن پاک کے ایسے حقائق و معارف بیان کرنا جن میں اپنی کسی مراد نفس اور کسی من گھڑت موقف کی تائید کرنا پیش نظر نہ ہو اور آیت کے الفاظ بھی ان مطالب و معانی کی گنجائش رکھتے ہوں تو باوجودیکہ وہ امور اور بیانات پہلے سے منقول نہ ہوں انہیں استنباط اور استدلال کے انداز میں پیش کرنا تفسیر بالرائے میں داخل نہیں اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ قرآن پاک کو استنباط اور استدلال کے طریق سے کبھی بیان نہ فرماتے اور فہم کے اختلاف سے ان میں کبھی تفسیر کا اختلاف نہ ہوتا۔

حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان التفسیر اذا لم یوجب تغییرًا لمسألة او تبدیلاً فی عقیدة السلف فلیس تفسیرًا بالرای فاذا اوجب تغییرًا لمسألة متواترةٍ اوتبدیلاً

---

[1] مقدمہ تفسیر ص۲ مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مصر

لعقیدہ مجتمع علیہا فذلک ھو التفسیر بالرای وھذا الذی
یستوجب صاحبہ النار[1]

ترجمہ: تفسیر جب کسی مسئلہ کو نہ بدلے اور نہ عقیدہ سلف میں کوئی تبدیلی کرے تو وہ تفسیر بالرائے نہیں ہاں جب کسی متواتر مسئلے کو بدلے یا کسی اجماعی عقیدے کو تبدیل کرے تو وہ ضرور تفسیر بالرائے ہے اور ایسا کرنے والا بیشک دوزخ کی آگ کا مستوجب ہے۔

حضرت علامہ طاہر گجراتیؒ (۹۸۶ھ) اپنی مایہ ناز کتاب مجمع البحار میں لکھتے ہیں:۔

حدیث من قال فی کتاب اللہ برایہ فاصاب فقد اخطاء لا یجوز ان یراد ان لا یتکلم احد فی القرآن الا بما سمعہ فان الصحابۃ قد فسروہ واختلفوا فیہ علی وجوہ ولیس کلما قالوہ سمعوہ منہ ولانہ لا یفید حینئذ دعائہ اللہم فقہہ فی الدین وعلمہ التاویل فالنہی لوجہین احدھما ان یکون لہ رای والیہ میل من طبعہ و ھواہ فیتاول علی وفقہ لیحتج علی تصحیح غرضہ وقد یکون لہ غرض صحیح کمن یدعوا الی مجاھدہ القلب لقاسی ویستدل بقول اذھب الی فرعون انہ طغٰی ویشیر الی قلبہ ویستعمل لوعاظ تحسیناً وترغیباً وھو ممنوع[2]

ترجمہ: حدیث من قال فی کتاب اللہ برائہٖ کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص قرآن کے متعلق سوائے سُنے ہوئے کے اور کچھ نہ کہے کیونکہ صحابہؓ نے قرآن کریم کی تفسیر بیان کی اور اس میں اختلاف بھی کیا اور تفسیر میں وہ جب کبھی کچھ کہتے ایسا نہ تھا کہ وہ ہر بات انہوں نے حضورؐ سے سُنی ہوئی ہو اور اس لیے بھی تفسیر بالرائے کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اس صورت میں حضورؐ کی اس دُعا کا مطلب کہ "یا اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کریم کی مُرادات سمجھا" کچھ

---

[1] فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۱۵۱

باقی نہیں رہتا پس رائے سے تفسیر کرنے کی ممانعت دو صورتوں میں ہے ایک یہ کہ کسی شخص کی کوئی رائے پہلے سے قائم ہے۔ اور اس کی طرف اس کا طبعی میلان ہے اور وہی اس کی غرض ہے اور وہ تفسیر اس لیے کر رہا ہے کہ اپنی غرض کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلیل لائے اور کبھی تفسیر بالرائے کرنے والے کی غرض صحیح بھی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص مجاہدہ قلبی کی دعوت دیتے ہوئے اذھب الی فرعون انہ طغیٰ سے استدلال کرنے لگے کہ فرعون طاغی سے مراد سخت ہوا دل ہے واعظ لوگ ایسی باتیں بہت کہتے ہیں ایسی تفسیر بالرای صحیح غرض کے لیے بھی منع ہے۔

تفسیر بالرائے کی چند مثالیں

قرآن عزیز میں متعدد مقامات پر ارشاد ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کہ اللہ کی اطاعت اور اس خاص رسول کی اطاعت کرو " اب ایک شخص اس کے یہ معنی بیان کرتا ہے کہ اطاعت رسول سے مرکز ملت (مسلمانوں کی قومی اسمبلی) کی اطاعت مراد ہے۔ حضور رسالت مآب کی اطاعت ہرگز مراد نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ الفاظ قرآن ان معنی کے ہرگز محتمل نہیں اور نہ ان آیات کا سیاق و سباق ایسے من گھڑت معنی کی گنجائش پیش کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے مقصود بھی " اطاعت رسول فرض ہونے " کے قطعی عقیدے کا ابطال ہے تو ایسی تفسیر جو محض مراد نفس اور ذاتی خواہش کے تابع ہو۔ یقیناً تفسیر بالرائے ہے اور ایسے ہی غلط مفسرین کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وعید وارد ہے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیں۔ اسی طرح قرآن عزیز نے ایک مقام پر رب العزت کے ایک عالم ارواح کا خطاب کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں کل ارواح بنی آدم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا :۔

یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیاتی۔ (پ۸ الاعراف)

ترجمہ اے اولادِ آدم اگر تمہارے پاس رسول آئیں تم میں سے جو سنائیں تم کو میری آیتیں تو جو ڈرے اور نیکی کرے اسے کوئی خوف نہ ہوگا۔

اس سے دو رکوع پہلے حضرت آدمؑ اور حواؑ کے جنت سے نکلنے کا بیان ہے جب وہ عارضی طور پر نعیم جنت سے دُور کیے گئے تو ان کی مخلصانہ توبہ و انابت پر نظر کرتے ہوئے مناسب ہوا کہ کل اولادِ آدم کو ان کی آبائی وراثت واپس دلانے کے لیے کچھ بشارات دے دی جائیں اور کچھ ہدایات کر دی جائیں۔ چنانچہ ربّ العزت نے فرمایا کہ وہ سلسلہ رسالت قائم کر کے اولادِ آدم کو اپنی مرضیات سے مطلع فرمائے گا "قرآن پاک کے بعض مقامات بعض دوسرے مقامات کی تفسیر کرتے ہیں" ایک دوسرے موقع پر بھی رب العزت نے اس ارسال ہدایت کا ذکر فرمایا ہے اور وہاں بھی اسے ہبوط آدم کے واقعہ سے وابستہ کیا ہے :۔

قلنا اهبطوا منها جميعا فاما ياتينكم مني هدًى ۔ (پ البقرہ)

ترجمہ: تم سب جنت سے نیچے اُترو پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔

دونوں آیتیں ایک دوسری کی تفسیر ہیں اور واضح طور پر بتلا رہی ہیں کہ ارسال ہدایت کا یہ وعدہ ہبوطِ آدم کے متصل بعد وجود میں آیا ابن جریر ابو سیار سلمی سے نقل کرتے ہیں۔ کہ اما یاتینکم رسل منکم کا خطاب کل اولادِ آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔

اب جو شخص اس آیت کریمہ کو اپنے محل سے جُدا کر کے سیاق وسباق سے بے نیاز کر کے اور قرآن عزیز نے خود جو اس کی تفسیر فرمائی اسے یکسر نظر انداز کر کے اسے اپنی مرادِ نفس کے مطابق ڈھالتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں امّت محمدیہ کو سلسلہ نبوت کے جاری رہنے کی خبر دی جا رہی ہے تو یہ تفسیر بالرائے نہ صرف اس کی خواہش کے تابع ہے بلکہ قرآن وسنّت کی سینکڑوں نصوص قطعیہ اس سے متصادم ہو رہی ہیں۔ قرآن کے ایسے محرفین کے متعلق ہی حضور ختمی مرتبتؐ فرماتے ہیں کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیں۔ اس سے بڑھ کر تفسیر بالرائے کی اور کون سی مثال ہوگی۔

ایک اور مثال

سورہ مریم میں ہے کہ حضرت جبریلؑ جب مریم طاہرہؑ کے پاس آئے اور کہا :۔

قال انما انا رسول ربك لاهب لك غلامًا زكيا۔ (پ۱۶ مریم)

ترجمہ میں بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا تاکہ دے جاؤں تجھے ایک لڑکا۔

اس آیت کریمہ میں یہ بات واضح ہے کہ حضرت جبریل خود مختار نہ تھے بلکہ وہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے تھے اور اسی کے مامور تھے اور لڑکے کی بشارت بھی وہ اسی کی طرف سے دے رہے تھے۔

قرآن عزیز میں یہی مضمون دوسری جگہ اس طرح وارد ہے۔

یامریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم۔ (پ۳ آل عمران)

ترجمہ اے مریم اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی اس کا نام عیسیٰ بن مریم ہوگا

اب اگر کوئی شخص پہلی آیت کا یہ مطلب بیان کرے کہ حضرت جبریلؑ میں دوسروں کو اولاد دینے کی طاقت ہے اور یہ کہ وہ اس میں پوری طرح خود مختار تھے۔ دوسروں کا نفع و نقصان ان مقربان بارگاہ ایزدی کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص قرآن کو مراد نفس اور اپنی خواہش کے تابع کر رہا ہے اور اسے لیسے معنی پہنا رہا ہے کہ خود قرآن عزیز میں ہی اس کی واضح طور پر تردید موجود ہے۔ ایسی تفسیر کو تفسیر بالرای کہتے ہیں اور اسی قسم کے غلط مفسرین کے متعلق حضورؐ کی یہ وعید وارد ہے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیں۔

صوفیہ کرام کے لطائف و اشارات اور ملحدوں کی تفسیر میں فرق

صوفیہ کرام یا اہل ولایت قرآن کریم کی کسی آیت میں اگر کوئی معنی لطیف اور دقیق دیکھتے ہیں تو اس سے ان آیات کے ظاہر معنی مراد کا انکار نہیں ہوتا نہ وہ کسی طرح شریعت سے تصادم چاہتے ہیں باطنیہ اور ملاحدہ قرآن کے ظاہر معنی مراد کا انکار چاہتے ہیں اور اپنے معنی مقصود کو قرآن پاک کی مراد بتاتے ہیں یہ سراسر تفسیر بالرای ہے۔ روح المعانی میں ہے۔

واما کلام الصوفیہ فی القرآن فھو من باب الاشارات تنکشف علی ارباب السلوک ویمکن التطبیق بینھا وبین الظواھر المرادۃ وذلک من کمال الایمان ومحض العرفان لا انھم اعتقدوا ان الظواھر غیر المراد

اصلاً وانما المراد الباطن فقط اذ ذٰلک اعتقاد الباطنیۃ الملاحدۃ توصلوا بہ الیٰ نفی الشریعۃ بالکلیہ[1]

ترجمہ۔ اور صوفیہ کرام جو تفسیر میں اپنی بات کہتے ہیں وہ اشارات کا ایک باب ہے جو اہلِ سلوک پر کھلتا ہے ان کے بیان کردہ اشارات اور ظاہر مراد آیات میں تطبیق دی جا سکتی ہے اور ایسی بات کہنا کمال ایمان اور صحیح عرفان کے باعث ہے یہ نہیں کہ وہ صوفیہ اعتقاد کیے بیٹھے ہوں کہ یہاں ظاہر معنی مراد نہیں ہیں قرآن میں صرف وہ باطنی اشارات ہی مراد ہیں یہ تو باطنیہ ملاحدہ کا اعتقاد ہے جن کے رستے وہ شریعت کی بالکلیہ نفی کرنے کے درپے ہوئے ہیں۔

ہاں یہ کہنا کہ قرآن کریم میں ظہر و بطن دونوں ہیں شریعت ظواہر احکام پر مبنی ہے اور قرآن کریم کے اشارات بھی برحق ہیں جن سے قرآن پاک کے رموز کھلتے ہیں تو یہ تفسیر بالرای نہیں ہے۔

تفسیر بالرای کے مختلف وُجوہ

(۱) وہ علوم جن کا جاننا علم تفسیر کے لیے ضروری ہے وہ نہ جانتا ہو جیسے آج کل کے اخبار نویسوں اور لیڈروں کی تفسیریں ہیں۔

(۲) متشابہات جن کے معنی مراد اللہ ہی کو معلوم ہیں ان کی قطعی انداز میں تفسیر کرنا اور معنی مراد کا تعین کرنا جیسے اللہ کی ذات کو نور قرار دینا اور آیت اللہ نور السمٰوات سے استدلال کرنا حالانکہ یہ آیت آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ (تفسیر کبیر)

(۳) اپنی رائے پہلے سے قائم کر رکھی ہو اور اسے ثابت کرنے کے لیے قرآن سے آیات و مقامات تلاش کرنا اور ان سے اپنی بات ثابت کرنا جیسا کہ قادیانیوں کا طریقہ ہے۔

(۴) کسی آیت میں مختلف پہلوؤں کی گنجائش ہو ان میں سے کسی ایک کو یقینی پیرایہ میں لانا اور اسے ایسی مراد بتلانا کہ اس کے خلاف بات نہ ہو سکے۔

(۵) اپنی خواہش اور ضرورت کے لیے کسی آیت سے تائید لینا۔[2]

---

[1] روح المعانی جلد [2] ملخصاً ما فی الاتقان جلد ۲ صـ ۱۸۳

قرآن کریم ایک متشابہ کلام ہے[1] اس کے مضامین جگہ جگہ مختلف پیرایوں میں پھیلائے گئے ہیں قرآن کریم کا ہر ہر مضمون کئی کئی جگہوں پر ملتا ہے۔ اب ایک آیت میں اگر کئی پہلو ہیں اور ہم کوئی ایک پہلو لے لیں اور وہ ہمیں قرآن پاک کے کسی دوسرے مقام پر مطلق نظر نہ آئے اور اس آیت میں لپیٹے دوسرے پہلو اور مقامات سے بھی تائید یافتہ ہوں تو اب اس ایک پہلو پر اصرار ایک انسان کو تفسیر بالرای کی غلط محنت میں داخل کر دیتا ہے قرآن کا معنی مراد کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آسمانی حق ہے اور حق ناقابلِ تقسیم ہے اس میں اپنے لیے حق نکالنا ایک بڑی جسارت اور جرأت ہے۔ یہ تغیر ہے جس کے مرتکب کو جہنم میں ٹھکانہ کرنے کی وعید سنائی گئی ہے۔

قرآن کریم کی آیات کی ایک تقسیم

وہ آیات جن میں اعتقاد یا کسی عمل کا ایسا حکم ہو کہ وہ سنتے ہی ہر کسی کو سمجھ میں آسکے جیسے:۔

(۱) فاعلم انه لا اله الا الله۔ (پ۲۶ محمد ۱۹)

(۲) محمد رسول الله والذین معه۔ (پ۲۶ الفتح ۲۹)

(۳) قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ۔ (پ۱۶ الکهف ۱۱۰)

(۴) ولکن رسول الله وخاتم النبیّین۔ (پ۲۲ الاحزاب ۴۰)

(۵) قل اطیعوا الله واطیعوا الرسول۔ (پ۵ النساء)

(۶) واقیموا الصلوٰة وآتوا الزکوٰة۔ (پ۱ البقرہ ۴۳)

(۷) فمن شهد منکم الشهر فلیصمه۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۵)

(۸) ولله علی النّاس حجّ البیت۔ (پ۴ آل عمران ۹۷)

(۹) قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا الله۔ (پ۲۰ النمل ۶۵)

(۱۰) والسابقون الاوّلون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه۔ (پ۱۱ التوبہ ۱۰۰)

اس قسم کی واضح آیات میں کسی خاص تفسیر کی ضرورت نہیں جس نے بھی ان پہ کچھ لکھا اس

---

[1] الله نزل احسن الحدیث کتاباً متشابهاً مثانی۔ (پ۲۳ الزمر ۲۳)

کے ظاہر معنی کی حمایت میں ہی لکھا۔ دین کی عمومی سمجھ کے لیے ان کا ترجمہ جان لینا کافی ہے۔

دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جو آیات وکلیات اور اشباہ امثال کے درجہ میں ہیں ان کی گہرائی میں اُترنا اسی طرح ہے جس طرح کنویں کے اندر اُتر کر وہاں سے پانی لانا اسے استنباط اور استخراج کہتے ہیں یہ عام آدمیوں کے بس کی بات نہیں مجتہدین اس گہرائی میں اُترتے ہیں قرآن ہے تو سب کے لیے مگر اس کی بیان کردہ امثال کو ان عالموں کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں پاتا۔

وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

ترجمہ۔ اور یہ امثال ہیں قرآن کی جنہیں ہم سب لوگوں کے لیے بیان کر رہے ہیں مگر سمجھتے انہیں صرف (اونچے درجے کے) عالم ہیں۔

ان کلیات سے احکامِ فقہی کا استنباط احادیث کی روشنی میں قرآن کے مجملات کا بیان، تخصیص عام، تقیید مطلق، حقیقۃ شرعیہ اور حقیقتِ لغویہ کے موارد کو پہچاننا تخاطب شرعی تخاطب لغوی اور تخاطب عرفی کے فروق کو جاننا سب اسی ذیل میں آتا ہے ان آیات کی مراد پا لینے کو کبھی تاویل بھی کہتے ہیں یہ تاویل صرف عن الظاہر کے معنوں میں نہیں ہے مجتہد قرآن پاک کی اس قسم کی آیات کی تشریح میں علم عربیت، احادیث و آثار اور وقت کے تقاضوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

تیسری قسم کی آیات متشابہات ہیں ان کا بیان بڑا نازک اور موضوع احتیاط کا ہوتا ہے ان میں سلف کا مسلک یہ ہے کہ تاویل سے بچو اس کے ظاہر الفاظ پر ایمان لاؤ ان کے مرادات اللہ کے سپرد کرو اور ان کی مزید پڑتال کو بدعت سمجھو۔ سلف جس درجے میں انہیں بیان کر گئے بس وہیں تک رہو۔

وما يعلم تاويله الا الله والراسخون فى العلم يقولون امنا به كل من عند ربنا وما يذكر الا اولوا الالباب۔ (پ۳ آل عمران ۷)

ترجمہ۔ اور اس کی مراد کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور جو علم میں پختہ لوگ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے دونوں طرح کی آیات خدا کی طرف سے ہیں۔ لیکن اسے عقلمند لوگوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ پاتا۔

چوتھی قسم کی آیات میں اقوام سابقہ کی تاریخ کے اہم پہلو، سابق پیغمبروں کے قصص و واقعات آخرت کی مجازات اور جنت اور دوزخ کے احوال ہیں ان سے انسان کی اخلاقی تعلیم کی تکمیل ہوتی ہے یہ آیات عام فہم ہیں اور انہیں عوام کے نصیحت پکڑنے کے لیے آسان رکھا گیا ہے۔

نوٹ جس آیت کی تاویل کی جائے ضروری ہے کہ اسے اس سے پہلی آیت کے ساتھ موافق رکھا جائے۔ بعد کی آیت سے بھی اس کی مطابقت ہو اور وہ اصولاً کتاب و سنت سے کہیں نہ ٹکرائے اور اس سے قرآن کریم کی معجزانہ بلاغت میں کوئی نقص واقع نہ ہونے پائے۔

التاویل صرف الآیۃ الی معنی موافق لما قبلها وما بعدها تحتمله الآیۃ غیر مخالف للکتاب والسنۃ [۱]

ترجمہ: تاویل آیت میں آیت کو اس بات کی طرف پھیرنا ہے جو اس سے پہلے بیان ہوئی اور جو بات بعد میں آرہی ہے یہ آیت اس کو بھی جگہ دے اور کتاب و سنت کے بھی کہیں خلاف نہ ہو۔

اس سے پہلے ہم تاویل پر تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔

نوٹ: ضروریاتِ دین میں تاویل کسی پہلو سے قابلِ قبول نہیں۔ انہیں اپنے ظاہر پہ رکھا جائے گا جو ان میں تاویل کرے اور ان کے معنی ظاہر سے پھیرے وہ راہ سے بھٹکا ہوا ملحد ہے قرآن کریم میں ان ملحدین کی خبر دی گئی ہے۔

ان الذین یلحدون فی ایاتنا لا یخفون علینا۔ (پ فصلت ۴۰ حم سجدہ)

ترجمہ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھے چلتے ہیں وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے کیا وہ جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے اب تم جو چاہو کرتے رہو۔

صحیح مفسر ہونے کی شرطیں

علامہ سیوطیؒ ایک طبقہ علماء سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا صرف اسی کے لیے جائز ہے جو ان پندرہ علوم میں جامعیت رکھتا ہو۔

① عربی زبان کا علم ② علم نحو ③ علم تصریف
④ علم اشتقاق ⑤ علم معانی ⑥ علم بیان وبدیع
⑦ علم قرأت ⑧ علم اصولِ دین ⑨ علم اسباب النزول
⑩ علم اصول فقہ ⑪ قصص کا علم ⑫ معرفت ناسخ ومنسوخ
⑬ فقہ ⑭ علم حدیث ⑮ علم موہبت ربانی

علم موہبت سے مراد وہ علم ہے جو اسلامی علوم پر عمل پیرا ہونے والے خوش قسمت کو موہبت اور بخشش کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ آپ نے فرمایا:-

جو شخص اپنے علم کے مقتضا پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک اور ایسا علم عطا فرماتے ہیں جو اسے پہلے سے حاصل نہیں ہوتا۔

جو شخص ان پندرہ علوم میں شانِ جامعیت سے ممتاز اور ان کی علمی وسعتوں میں سباق الغایات نہ ہو اسے کوئی حق نہیں کہ وہ مفسر بن بیٹھے جب تک ان علوم میں پوری مہارت نہ ہو تفسیر لکھنے کا قصد بھی نہ کرنا چاہیئے۔

عوام کے لیے راہِ ہدایت

بے دینی کے اس دور میں مادیت کی بادِ صرصر نے علمِ حقیقت کے چراغ مدھم کر رکھے ہیں علم کے طول وعرض میں تو ترقی ہے لیکن اس کی گہرائیوں میں ناقابلِ تلافی حد تک کمی ہو رہی ہے۔ عوام ان پانزدہ علوم بلکہ ان کے مبادیات سے بھی اس قدر بے خبر ہیں کہ وہ ایک عمومی شہرت کے سوا ان کے مصداق کا تعین نہیں کر سکتے کہ کون اس مرتبہ علمی پر فائز ہے اور کون نہیں۔ ان عوام کے لیے راہِ ہدایت یہی ہے کہ وہ ایک مفسر کے لیے دیانت اور تدین کی شرط کو سب شرطوں سے مقدم سمجھیں۔ مفسر ہونے کے ہر مدعی کی قبائے عمل پر نظر ڈالیں۔ اسلام میں غیر متدین شخص کی شہادت دنیوی امور میں بھی معتبر نہیں پس دینی امور بالخصوص کتاب اللہ کی ترجمانی میں اس کا اعتبار کیسے ہو سکتا ہے کتاب اللہ کا علم اگر اس کے اپنے علم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکا تو وہ دوسروں کے لیے ایک

انقلاب آفرین پیغام کیسے بن سکتا ہے پھر ایسے بے دین بسا اوقات اپنے اندازِ تحریر میں ایسے فنکار ہوتے ہیں کہ وہ بعض عمدہ اور صحیح خطاب کو بھی اپنے پیرایہ بیان میں نہایت مد نما کر کے پیش کرتے ہیں اور ان کے لیے ایسی تعبیر اختیار کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ ان حقائق سے نفرت ہونے لگے۔ اسی طرح بعض نہایت غلط نظریات کو ایسے ادبی اور نفسیاتی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ کہ تشکیک کے ان کانٹوں سے بچ نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے ایسے حالات میں عوام کا فرض ہے کہ ایسے غلط فکر خانہ ساز مفسرین کے دامنِ عمل پہ گہری نگاہ رکھیں یہ لوگ بزعم خود نئی روشنی کے علمبردار بنتے ہیں لیکن عمل کے اندھیروں میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ایسے لوگ علوم مذکورہ سے کلیتہً بے خبر اعمالِ اسلام سے بے پرواہ اور خود رائی اور پندارِ نفس کے مرض میں بُری طرح مبتلا ہیں مسلمانوں کو ان کے تراجم وتفاسیر پہ اعتبار نہ کرنا چاہیئے تفسیرِ قرآن کوئی بچوں کا کھیل نہیں اصول میں اس کے اپنے مراتب ہیں عبارۃ النص دلالۃ النص اشارۃ النص اقتضاء النص میں فرق کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔

اصولِ تفسیر

① قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کے لیے قرآن پاک کا اپنا ہی بیان کسی دوسرے مقام پہ مل جائے۔ اسے تفسیر القرآن بالقرآن کہتے ہیں۔ یفسر بعضہ بعضاً کا یہ پہلا اصول ہے۔

② حضور ختمی مرتبتؐ کے ارشاد یا عمل سے اس کی تفسیر یا توضیح مل جائے۔

③ صحابہ کرامؓ یا حضرات تابعینؒ نے علماً یا عملاً اس کی تشریح فرمادی ہو۔

④ ان اجلہ مفسرین لے جن کے علم اور تقوٰی پر سلف میں اعتماد رہا ہو وہ اسے بیان کریں اور جہاں رُکنا چاہیئے وہاں وہ رُکے ہوں۔

⑤ الفاظ آیات ان معانی کے محتمل ہوں اور ان کا اصول اسلام اور تفسیر سلف سے کہیں کوئی تصادم نہ ہوتا ہو۔

ان اصولوں کے مطابق صحیح تفسیر تک رسائی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ان پانزدہ علوم میں جو صحیح مفسر بننے کی شرائط کے طور پر اوپر مذکور ہوئے ان پر پوری مہارت اور غزارت ہو۔ اور پھر وہ تفسیر کرے۔

تفسیر کی ضرورت

قرآن کے بعد بیانِ قرآن بھی آسمانی رہنمائی اور آسمانی ہدایت سے ہی چلے گا اس پر ہم پہلے کچھ بحث کر آئے ہیں یہاں ہم اس کی تفصیل مزید کیے دیتے ہیں کہ ترجمہ قرآن ہوتے ہوئے یہاں تفسیر کی ضرورت کیا ہے کیا قرآن کریم خود ایک کھلی کتاب نہیں۔

قرآن عزیز جب "بلسان عربی مبین" اترا ہے اور اس کی عربی کوئی معمہ اور ابہام نہیں بلکہ عربی مبین ہے جو اپنی جگہ بڑی واضح اور بلیغ ہے تو پھر اس کی تفسیر کی کیا حاجت رہ جاتی ہے ہر زبان دان اسے بآسانی کیوں نہیں سمجھ پاتا؟

جواب: یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کریم کی زبان عربی مبین ہے مگر یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ قرآن کریم نے جہاں اپنے متعلق "عربی مبین" ہونے کا دعوےٰ کیا ہے وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ تنزیل کی صرف عبارت کافی نہیں بلکہ اس کے بیان و تفصیل کے لیے حضور ختمی مرتبتؐ کی راہنمائی کی بھی اشد ضرورت ہے۔ آنحضرتؐ قرآن کریم کی جو بھی تفصیل و تفسیر فرمائیں وہ سب کچھ رب العزت کا ہی اعلام و ارادت ہے یہ وحی غیر متلو ہے جو وحی متلو (الفاظ قرآن) کی تفصیل کرتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :-

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك اللہ۔

(پ۵ النساء ۱۰۵)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں میں اس علم کے مطابق فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے۔

جو کلام فصاحت اور بلاغت کی انتہا پر ہو اور بے شمار حقائق و مطالب چند مختصر عبارتوں میں سمو دیئے گئے ہوں تو بیان کا کمال اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ اپنے آئینہ میں بعض غیر محسوس اشیاء کی جھلک بھی دکھائے احکام کو بھی اس انداز میں پیش کرے کہ پیش آمدہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ان احکام کے اسباب و علل آئندہ کی ہر نئی ضرورت کو بھی پوری طرح حل کر سکیں ظاہر ہے کہ اس صورت میں عموم و خصوص کے امتیازات بھی ہوں گے۔ حقیقت و مجاز کی معرکہ آرائی

بھی ہوگی اور مجمل ومفصل کی نسبتیں بھی قائم ہوں گی پس اس اقرار سے چارہ نہیں کہ ایسے کلام کی توضیح وتفسیر کی اشد ضرورت ہے۔

قرآن عزیز کی آیات کچھ محکمات ہیں (جو اپنے معنی و موضوع میں اتنی پختہ اور واضح ہیں کہ ان میں کسی اور معنی کا احتمال نہیں) اور کچھ متشابہات ہیں (جہاں اشتباہات اور احتمالات کا بہت زیادہ دخل ہے) ان مواقع میں ایک فاضل مفسر کا فرض ہے کہ دونوں میں امتیاز پیدا کرے اور متشابہات کو بالاستقلال بیان کرنے اور ان سے استخراج و استدلال کرنے سے پوری طرح پرہیز کرے بیان کرنے کی ضرورت ہو تو انہیں محکمات کی طرف لوٹائے ان کے مطالب خدا کے سپرد کرے یا انہیں محکمات کے تابع کرکے بیان کرے کیونکہ اصل ان کی مراد صرف اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں :۔

هو الذی انزل علیك الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب واخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله ومایعلم تاویله الا الله. (پ۳ آل عمران)

ترجمہ: وہ اللہ ہے جس نے آپ پر یہ کتاب اتاری، اس میں وہ آیتیں بھی ہیں جو محکمات ہیں۔ یہ محکمات کتاب کی بنیاد ہیں اور ۲۔ متشابہات پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ پیدا کرنے اور مطلب برآری کے لیے متشابہات کے پیچھے ہو لیتے ہیں حالانکہ ان کی بالاصل مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رب العزت نے سارے قرآن کریم کو ہی محکمات کی صورت میں کیوں نہ اتارا۔ آیات متشابہات نے بہت سی اختلاف کی راہیں کھول رکھی ہیں۔ اگر کل آیات ہی محکمات ہوتیں تو امت کسی اختلاف کا شکار نہ ہوتی۔ آیات کی اس تقسیم میں آخر کون سی حکمت منطوی تھی؟

جواب: قرآن کریم بہتر انسانی زندگی کا آخری نصاب اور ایک جامع ضابطہ حیات ہے جب تک یہ دنیا آباد ہے کائنات اس کی شدید محتاج ہے جب اس میں ہر ضرورت کا حل اور ہر

طلب کا جواب ہے تو ظاہر ہے کہ معدود جزئیات ان تمام ضرورات کا احاطہ نہیں کرسکتیں پس لازمی طور پر ان مواقع میں جہاں قرآنی ہدایت ایک واضح جزئی کی شکل میں موجود نہیں. ہم قرآن عزیز کی عمومی ہدایت اور بیان سنت کی اصولی حیثیت کی طرف رجوع کریں گے اس صورت میں غیر منصوص کو منصوص کی طرف یا مجمل کو مفصل کی طرف لوٹانا ضروری ہوگا. یہی موضوع اجتہاد ہے جس سے قرآن پاک ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کا دعوٰے قائم کرتا ہے اجتہاد و استدلال کے اس طریق کو نظر انداز کر دیا جائے تو قرآنی ہدایت حالات پیش افتادہ میں محدود ہو کر رہ جائے گی.

خدا کی حکمت ہماری اس اساسی ضرورت کی طرف متوجہ ہوئی اور قرآن عزیز اپنے پہلے اظہار میں ہی محکمات اور متشابہات میں تقسیم ہو گیا تاکہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانے میں علمی تیقظ پیدا ہو قوتِ اجتہاد بیدار ہو اور امت کی مذکورہ بالا بنیادی ضرورت کی راہیں ابتدا سے ہی ہموار ہو جائیں اور اہلِ علم اپنے اپنے درجات میں امت کی رہنمائی کریں.

اگر "اس منقولی اجتہاد" (متشابہات کو محکمات کی طرف یا مجملات کو مفصلات کی طرف لوٹانے) کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی ضرورت کیا تھی. آیات سب محکمات قرار دینی چاہئیں تو کیا تفکر و تدبر کے "معقولی اجتہاد" کے متعلق بھی یہ سوال بعینہٖ پیدا نہیں ہوتا کہ قرآن پاک اپنی ہر بات میں اتنا واضح اور صاف کیوں نہیں کہ کسی قسم کے فکر و تدبر کی کوئی ضرورت ہی درپیش نہ ہو. نہایت افسوس ہے کہ منقولات میں غور و فکر تو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا اور جو فکر و تدبر ان سے پورا بے نیاز ہو اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے حالانکہ غور و فکر صرف وہی معتبر ہے جو بیان سنّت کی روشنی میں ہو.

خلاصہ اس کہ قرآن کریم کی کچھ آیات محکمات ہیں کچھ متشابہات کچھ عام ہیں جہاں احکام عمومی شان رکھتے ہیں اور کچھ خاص ہیں جو کسی خاص واقع یا جزئیہ پر مشتمل ہیں. اسی طرح بعض آیات مجمل ہیں کہ صرف وصف عنوانی کا بیان ہے اور بعض مفصل ہیں کہ ان میں طریقِ عمل کا پورا نقشہ موجود ہے. اسی طرح ناسخ و منسوخ کو بھی ایک مستقل موضوع کے ساتھ زیرِ بحث لایا جاتا ہے پھر عام آیات بھی بعض ایسی ہیں کہ ان سے بعض مخصوص افراد مستثنٰی ہیں اور کچھ اپنے عموم پر اپنی پوری عمومی شان سے باقی ہیں آیات قصص کی شان اور ہے اور آیاتِ احکام کا انداز اور پس ایک

ایسے علم سے چارہ نہیں جو ان تمام تقسیمات اور باہمی فرق بیان کرنے میں فہم قرآن کی شان پیدا کرے یہی علم علمِ تفسیر کہلاتا ہے اور انہی تفسیری اصولوں کی روشنی میں علمِ تفسیر کے مدون اور مرتب ذخیروں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں علمِ تفسیر کی ضرورت بکمال ہویدا ہے۔

تفسیر سلف میں اختلاف کی نوعیّت
اور
موارد نزول میں اختلاف کی حقیقت

ہمارے زمانے کے بعض وہ لوگ جو سلف صالحین کی تفسیر سے مستغنی اور نصوص قرآنیہ میں الحاد کی راہ چلنے کے عادی ہیں یہ پراپیگنڈہ عام کرتے ہیں کہ سلف صالحین کے تفسیری ذخائر آپس میں بہت مختلف ہیں ان میں سے کس کس پہ اعتماد کیا جائے۔

جواباً گذارش ہے کہ یہ دعوےٰ حقیقت کے مطابق نہیں سلف صالحین کا تفسیر میں بہت کم اختلاف ہے قرآن کا بیان جو "الاعتبار و التاویل" کے درجہ میں ہو اس میں تو بے شک بہت سے عنوان مختلف ہیں لیکن جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے ان میں سلف کا بہت کم اختلاف ہوا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

> سلف کے مابین تفسیر میں اختلاف کم ہوا ہے احکامؔ میں تفسیر سے زیادہ اختلاف ہے اور تفسیر میں بھی جو اختلاف صحیح طور پر ان سے مروی ہے وہ تنوع کا ہے نہ کہ تضاد کا۔[1]

عہ مگر ضروری احکام سب لوگوں کو معلوم ہیں بلکہ تواتر سے معلوم ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں جیسے نماز کی تعداد رکعات، اوقات رکوع، خود نمازوں کے اوقات، زکوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ کے احکام، رمضان کے روزے، حج میں طواف، وقوف، رمی الجمار وغیرہ اور صحابہؓ میں جو اختلاف نانا دادا بھائیوں اور مشرکہ وغیرہ کے بارے میں ہوا ہے تو اس سے فرائض (میراث) کے اکثر و بیشتر مسائل میں کوئی شک و اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔

[1] رسالہ اصول تفسیر للحافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

مثال کے طور پر صراطِ مستقیم کو لیجئے بعض سلف کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے اور بعض دوسرے بزرگوں کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے۔ صراطِ مستقیم کی یہ دونوں تفسیریں ظاہر میں مختلف معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں مختلف نہیں بلکہ متفق اور ایک ہیں دینِ اسلام " اتباع قرآن" ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسی طرح صراطِ مستقیم کی تفسیر سنت و جماعت کے طریقے سے بھی کی گئی ہے اسے خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے نام سے بھی پیش کیا گیا ہے۔ مگر یہ لفظ ایک ہی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان مفسروں میں کوئی اختلاف نہیں ہر ایک نے کسی ایک صفت کو بیان کر دیا ہے۔ قالہ الحافظ رحمۃ اللہ علیہ۔

انا اعطینٰک الکوثر میں بعض بزرگوں نے کوثر سے مراد قرآن کریم لیا ہے جو شانِ جامعیت اور کثرت کا حامل ہے اور بعض روایات کی رو سے یہ جنت کا ایک حوض ہے جس سے پینے والا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ ان میں بھی کوئی حقیقی اختلاف نہیں اور ایک معنی کا اقرار دوسرے معنی کا انکار نہیں۔ قرآن کی معنویت آخرت میں جو صورت محسوسہ اختیار کرے گی وہ جنت کا ایک حوض ہوگا جس سے وہ سعادت مند سیراب ہوں گے جو اس دنیا میں اس حوض سے جرعہ نوشی کرتے رہے۔ یعنی وہ قرآن کی دولت سے مستفید اور مستفیض ہوتے رہے ـــــ یہ اختلاف بھی تنوع کا اختلاف ہے تضاد کا نہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

قرآن کریم میں ہے :-

من اعرض عن ذکری فانہ لہ معیشۃً ضنکاً۔ (پ۱۶ طٰہٰ)

ترجمہ۔ جو میرے ذکر سے رُوگردانی کرے اس کے لیے ہے تنگ روزی۔

اس میں ذکر سے کیا مراد ہے ذکر کی اضافت خدا کی طرف ہے یہ " اضافت الی المفعول" ہو تو اس سے مراد وہ الفاظ ہوں گے جن سے کوئی شخص خدا کو یاد کرے مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ وغیرہ یہاں ذکر سے مراد خدا کا ذکر کیا جانا ہے اور اگر یہ " اضافت الی الفاعل" ہو تو ذکر خدا سے مراد خود خدا کی جانب سے ذکر ہوگا اور یہ ذکر خدا کا کلام ہے۔ اس صورت میں یہاں خدا کی اُتاری ہوئی ہدایت کو ہی خدا کا ذکر کہا جا رہا ہے۔ سیاق و سباق سے اس دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے آیت کے ماقبل میں خدا کی طرف سے ہدایت کے اُترنے کا بیان ہے اور مابعد میں بھی آیاتِ ربانیہ کے نزول

کا تذکرہ ہے۔ اب اس صورت میں تفسیر میں کچھ خفیف سا اختلاف ہے لیکن دو مفہوم اپنی جگہ تعلیمات اسلام کے عین مطابق ہیں ایسے مواقع میں راجح و مرجوح کی صورتیں تو پیدا ہو سکتی ہیں لیکن اس اختلاف سے کسی فرقہ بندی اور علیحدہ علیحدہ حکمت نظری کی راہیں ہرگز نہیں کھل سکتیں۔ راجح معنی کے پیش نظر اب یہاں "میرے ذکر" سے مراد "میری کتاب" "میری ہدایت" "قرآن" وغیرہ جو کچھ مراد لیا جائے سب اسماء کا مسمیٰ ایک ہی رہے گا اور یہ تفسیر کا اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سلف کسی مسمیٰ کا بیان ایسی عبارت سے کر جاتے ہیں جو بعینہ ذات مسمیٰ پر دلالت کرتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس عبارت سے ایک ایسی صفت کا بھی اظہار ہوتا ہے جو دوسرے اسم میں نہیں ہوتی جیسے کوئی کہے کہ "قدوس وہ ہے جو غفور رحیم ہے۔" اب قدوس کا لفظ عین ذات مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے لیکن اس میں ایک ایسی صفت کا اظہار بھی ہو رہا ہے جو غفور رحیم کے الفاظ سے ظاہر نہیں ایسے مواقع پر سلف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسمیٰ تو ایک ہی ہے گو دونوں صفتیں ایک نہ ہوں ایسے مقامات پر دونوں صفتوں کے ایک ہونے کا دعوے بے شک ایک زیادتی ہوگی لیکن یہ اختلاف تضاد کا اختلاف ہرگز نہیں۔ سلف کی روش پہچان کر ان کی صحیح مراد معلوم کرنی چاہیئے۔

اختلاف کی ایک اور قسم

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک مفسر کسی اسم عام یا حکم عام کے تحت مثال دینے کے لیے کسی ایک فرد یا کسی ایک نوع کو ذکر کر دیتا ہے اور دوسرا مفسر اسی اسم عام یا حکم عام کے تحت کسی دوسری جزئی یا کسی دوسری نوع کو نقل کر دیتا ہے۔ ہر دو صورتوں میں مفسرین کا مقصد ایک دوسرے سے اختلاف کرنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آیت کے عموم میں یہ یہ افراد اور یہ یہ انواع بھی داخل ہیں ظاہر ہے کہ یہ اختلاف تضاد کا اختلاف نہیں محض تنوع کا اختلاف ہے۔ ایسے اختلافات کو اُچھال کر عوام کو سلف کے تفسیری سرمایہ سے بدگمان کرنا صرف انہی لوگوں کا کام ہے جنہیں قسام ازل نے علم و فہم کا کوئی حصہ نہیں دیا اور وہ شاہراہ سلف میں شک کے کانٹے بچھا کر اپنے مخصوص ذہنی الحاد کے لیے راہیں ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ اس قسم کے اختلاف کی مثال میں یہ آیت کو پیش کرتے ہیں ،

ثم اورثنا الکتاب الذی اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرات. (پ۲۲ فاطر)

ترجمہ: پھر ہم نے کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں سے چُن لیا تھا پھر ان میں ایسے بھی ہوئے جو ظالم لنفسہ تھے ایسے بھی تھے جو مقتصد (میانہ رو) تھے اور ایسے بھی ہوئے جو نیکیوں میں آگے بڑھے ہوئے تھے سابق بالخیرات۔

اب ایک مفسر کہتا ہے کہ "سابق" سے مراد وہ ہے جو اوّل وقت نماز پڑھتا ہے "مقتصد" وہ ہے جو دورانِ وقت میں نماز پڑھتا ہے اور "ظالم لنفسہ" وہ ہے جو نمازِ عصر میں یہاں تک تاخیر کر دیتا ہے کہ دھوپ زرد پڑ جائے۔ دوسرا مفسر کہتا ہے کہ صدقہ دینے والا شخص جو واجبات کے ساتھ مستحبات بھی بجالاتا ہے وہ "سابق بالخیرات" کا مصداق ہے۔ سود کھانے والا یا زکوٰۃ روک لینے والا "ظالم لنفسہ" ہے اور "مقتصد" وہ ہے جو فرض زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور سود نہیں کھاتا۔

اب دیکھئے کہ دونوں مفسر آیت کے عموم میں ایک ایک نوع کا تذکرہ کر رہے ہیں ان کا مقصود باہمی اختلاف نہیں بلکہ یہ سمجھانا ہے کہ آیت کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے حسنات وطاعات یا ارتکاب محرمات میں سے کسی ایک نوع کا تذکرہ کر دینا محض تنوع کا اختلاف ہے تضاد کا نہیں آیت کریمہ اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ تمام متعلقہ جزئیات و انواع کو شامل ہے

مواردِ نزول میں اختلاف کی حقیقت

سلف کے تفسیری سرمایہ سے بدگمان کرنے والے یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ ایک ہی آیۃ کے متعلق ایک مفسر سبب نزول کوئی بیان کرتا ہے اور دوسرا اس کے شانِ نزول میں کچھ اور کہتا ہے اب ہم کس پر یقین کریں اور کس کا اعتبار کریں۔

جواباً گذارش ہے کہ اس غلط فہمی کا منشا اسباب نزول کے متعلق متقدمین کی اصطلاح

اور روش کو نہ پہچاننا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح مختلف ہے اور اس اصول سے انحراف نہیں کیا جا سکتا کہ ہر دور کے علمی سرمایہ کو سمجھنے کے لیے اسی دور کی اصطلاح اور روش کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

والذی یظھر من استقراء کلام الصحابة والتابعین انھم لا یستعملون نزلت فی کذا لمحض قصة کانت فی زمنه صلی اللہ علیه وسلم وھی سبب نزول الآیة بل ربما یذکرون بعض ما صدقت علیه الآیة مما کان فی زمنه صلی اللہ علیه وسلم او بعده صلی اللہ علیه وسلم یقولون " نزلت فی کذا " ولا یلزم ھناک انطباق جمیع القیود بل یکفی انطباق اصل الحکم وقد یقرر ون حادثة تحققت فی تلک الایام المبارکة واستنبط صلی اللہ علیه حکمها من آیة وتلاھا فی ذلک الباب ویقولون نزلت فی کذا[1]

ترجمہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے بیانات کا استقراء کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ " نزلت فی کذا (یہ آیت اس باب میں نازل ہوئی) کے الفاظ محض اس واقعہ کے لیے ذکر نہیں کرتے جو حضور اکرمؐ کے سامنے پیش آیا اور نزول آیت کا سبب بنا بلکہ وہ بسا اوقات ان مواقع میں بھی یہ الفاظ بول دیتے تھے جن پر وہ آیت (اپنی دلالت کے اعتبار سے) صادق آرہی ہو ایسے مواقع خواہ آنحضرتؐ کے سامنے کے ہوں یا آپ کے بعد کے۔ صحابہؓ و تابعین ایسے تمام موقعوں پر بھی " نزلت فی کذا " کے الفاظ بول دیتے تھے ان مواقع میں تمام قیود کا انطباق ضروری نہ تھا صرف " اصل حکم " کا انطباق ضروری سمجھا جاتا تھا اور پھر ایسا بھی ہوتا تھا کہ خود آنحضرتؐ کے سامنے کوئی واقعہ پیش آیا اور آنحضرتؐ نے اس خاص موقعہ کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا (گو وہ آیۃ

---

[1] الفوز الکبیر عربی صـ۲۲

پہلے سے نازل شدہ ہو) اور اس آیت کو تلاوت فرمادیا تو صحابہؓ ایسے مواقع کے لیے بھی "نزلت فی کذا" کے الفاظ بول دیتے تھے (گو وہ موقع اصل سبب نزول نہ ہو صرف آیت کے معنی ومفہوم کا ایک اور مصداق ہو)۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

جب سلف کہتے ہیں کہ یہ آیت فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے تو ان کی غرض کبھی یہ ہوتی ہے کہ آیت کا سبب نزول یہ ہے اور کبھی مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ وہ معاملہ اس کے حکم میں داخل ہے اگرچہ خود وہ معاملہ سبب نزول نہ بھی ہو۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ سلف میں سے ایک شخص جب یہ کہتا ہے کہ "آیت اس بارے میں نازل ہوئی" اور دوسرا شخص کسی اور بارے میں نزول بتاتا ہے تو اس سے لازم نہیں ہوتا کہ دونوں میں اختلاف ہے جب کہ آیت کے مفہوم میں دونوں قول داخل ہوں۔ اسی طرح جب ایک صحابی ایک سبب نزول بتاتا ہے اور دوسرا صحابی دوسرا سبب بیان کرتا ہے تو اسے بھی اختلاف پر محمول نہیں کرنا چاہیئے۔

شانِ نزُول ــــ موارِدِ نزُول

(خواہ اولین مواقع کے ہوں یا مصداق آیت ہونے کے اعتبار سے بعد کے ہوں) قرآن سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان آیتوں کے احکام انہی اشخاص سے مخصوص یا انہی پیش آمدہ جزئیات میں محدود ہیں جن کے باب میں وہ آیات نازل ہوئیں اور دوسرے افراد خواہ ویسے ہی اعمال کے مرتکب اور ان جیسی ہی جزئیات سے دوچار ہوں تو وہ ان آیات کے تحت نہیں

لہ جیسے کہ آیت تطہیر (پ ۲۲ احزاب) آنحضرتؐ نے اپنی بعض اولاد پر تلاوت فرمائی حالانکہ وہ اس سے کافی عرصہ پہلے سے نازل شدہ تھی اور اس کا مصداق اوّل حضور اکرمؐ کی ازواج مطہرات تھیں مگر آپ نے اپنی اولاد کے نفوس قدسیہ کو بھی اہلِ بیت میں داخل فرمادیا اور ان پر یہ آیت تلاوت فرمادی اب یہ تلاوت بھی چونکہ آنحضرتؐ سے ہی ثابت ہے اس لیے ایسے مواقع پر بھی "نزلت فی کذا" کے الفاظ متقدمین کی اصطلاح میں بہت ملتے ہیں۔

آتے اس قسم کی بات کوئی مسلمان بلکہ کوئی ہوشمند نہیں کر سکتا. نہایت لائق افسوس ہے کہ مشرکین عرب کی روش سے بچنے کی جب مسلمانوں کو نصیحت کی جائے تو بعض نادان یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ یہ آیات تو مشرکین سے متعلق ہیں ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ایسے خیالات مقاصدِ قرآن اور موارد نزول کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں اور ان کا منشا جہالت کے سوا کچھ نہیں علم تفسیر کا مشہور قاعدہ ہے:-

العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

ترجمہ. اعتبار عموم الفاظ کا ہے خصوص سبب کا نہیں [1]

جس آیت کا سبب نزول معلوم ومتعین ہو اگر وہ امر یا نہی کی آیت ہے تو اس کا حکم یقیناً ان سب لوگوں پہ جاری ہو گا جو اس شخص متعین سے ملتے جلتے ہیں. اسی طرح اگر آیت میں مدح و ذم کی بنا پر کوئی خبر دی گئی ہے تو وہ بھی اس شخص کے مشابہ تمام لوگوں کے حق میں عام ہے [2]

آنحضرتؐ نے بیان قرآن کی پُوری ذمہ داری ادا کی

آنحضرتؐ کے ذمہ جس طرح امت کو قرآن پہنچانا تھا اسی طرح آپ کے ذمہ قرآن کا بیان کرنا اور اس کا سمجھانا بھی تھا. آیت کریمہ ویعلمهم الكتاب والحكمة (پ آل عمران) اور آیت کریمہ لتبیّن للنّاس ما نزّل اليهم (پ۱۴ النحل ۴۴) میں حضورؐ کے اس فرض منصبی کا ذکر موجود ہے. آپ نے بیانِ قرآن کی یہ ذمہ داری ادا فرمائی اور صحابہؓ میں مفسرین کی ایک جماعت تیار کی جن میں حضرت ابی ابن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سرفہرست ہیں پھر ان کے بعد ان کے تلامذہ میں تابعین کا ایک طبقہ اٹھا جس نے جس طرح اکابر صحابہؓ سے قرآن کی تفسیر سُنی یا سمجھی تھی

---

[1] حضرت علامہ حافظ ابن دقیق العیدؒ اس مقام پر تنبیہ فرماتے ہیں. يجب ان يتنبه للفرق بين دلالة السياق والقرائن الدالة على تخصيص العموم وعلى مراد المتكلم وبين مجرد ورود العام على السبب ولا تجريهما مجرى واحدا فان مجرد ورود العام على السبب لا يقتضي التخصيص به. (احكام الاحكام جلد ۲ ص۲۲۵)

[2] اصولِ تفسیر ص۳۰ للحافظ ابن تیمیہؒ

اسے اپنے طور پر بیان کیا یہ اس پہلے دور کے مفسرین کرام ہیں.

ان میں علقمہ بن قیس (۶۱ھ) مسروق بن اجدع (۶۳ھ) سعید بن المسیب (۶۳ھ) ابوالعالیہ (۹۳ھ)، سعید بن جبیر (۹۴ھ) حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۰ھ) حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) ابوالاسود الدئلی (۱۰۱ھ) حضرت ضحاک (۱۰۲ھ) عکرمہ (۱۰۵ھ) طاؤس بن کیسان یمانی (۱۰۶ھ) قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) سالم بن عبداللہ (۱۰۶ھ) عطا بن ابی رباح (۱۱۴ھ) محمد بن کعب القرظی (۱۱۸ھ) اور زید بن اسلم (۱۳۶ھ) اٹھارہ حضرات سر فہرست ہیں۔

ان حضرات سے تفسیر قرآن کے اجزاء بصورت روایت چلے اور جس طرح مجتہدین فہم سنت میں محنت کرتے رہے محدثین نقل حدیث میں آگے چلتے رہے ان مفسرین حضرات کی تفسیرات بھی آگے روایۃً چلتی رہیں یہاں تک کہ حافظ عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۰ھ) اور نابغہ روزگار حافظ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے ان کا بیشتر تفسیری مواد اپنی تفسیروں میں سمو دیا.

عربی والوں کو ان تفسیری اجزاء کی کیا ضرورت تھی؟

علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:-

ان العرب لا تستوی فی المعرفة بجمیع ما فی القرآن من الغریب و المتشابه بلی ان بعضها یفضل فی ذٰلک علی بعض لان العرب لا یکفیهم فی معرفة معانی القرآن معرفتهم بلغته بل کانوا الی کثیر من الاحیان بحاجته الی توقیف من الرسول صلی اللہ علیه وسلم[1]

ترجمہ. قرآن میں جو غریب اور متشابہ الفاظ ہیں عرب ان سب کی پہچان میں ایک جیسے نہ تھے بلکہ ان میں سے بعض دوسرے بعضوں سے اس میں فائق تھے. عربوں کو قرآن کی معرفت میں صرف اس کی لغات نہ تھی بہت سے مواقع پر انہیں ضرورت پڑتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کیا منقول ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ تفسیر قرآن کریم میں لغت عربی کو ثانوی درجہ حاصل ہے اصل یہ ہے کہ حضور خاتم النبیینؐ نے کسی آیت کو کیسے سمجھا اور صحابہؓ نے اسے کس ذہن سے قبول کیا۔ امام عربیت شیخ عبدالقادر جرجانی (۸۱۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ومن عادة قوم من يتعاطى التفسير بغير علم ان توهموا ابدًا فى الالفاظ الموضوعة على المجاز والتمثيل انها على ظواهرها فيفسدوا المعنى بذلك ويبطلوا الغرض۔[1]

ترجمہ: کچھ لوگ عادی ہوئے کہ بغیر علم کے تفسیر کرنے لگے وہ الفاظ جو مجاز اور تمثیل کے پیرائے میں تھے انہوں نے انہیں ان کے ظاہر معنی پر محمول کیا اس طرح انہوں نے قرآن میں بگاڑ پیدا کیا اور جو ان آیات سے غرض تھی اس کی نفی کر دی۔

امام نحو علامہ اصمعی (۲۱۷ھ) قرآن کریم کی تفسیر میں صرف عربیت کافی نہ جانتے تھے ان کے ہاں تفسیر قرآن میں یہ دیکھنا ضروری تھا کہ اللہ اور اس کے رسول برحق کے ہاں اس بات سے کیا معنی مراد لیے گئے۔ آپ اکثر کہہ دیتے:۔

العرب تقول هذا هكذا ولا اعلم المراد منه فى الكتاب والسنة۔[2]

ترجمہ: عرب یہ یہ کہہ دیتے ہیں اور کتاب و سنت میں وہ بات مجھے کہیں کہی گئی نہیں ملتی۔

علامہ راغب اصفہانی مفردات کے شروع میں تفسیر جاننے کے لیے جن علوم کو ضروری سمجھتے ہیں ان میں ساتویں نمبر پر لکھتے ہیں:۔

والسابع معرفة الناسخ والمنسوخ والعموم والخصوص والاجماع والاختلاف المجمل والمفسر والقياسات الشرعية والمواضع التى يصح فيه القياس والتى لا يصح فيه۔[3]

ترجمہ: ساتویں بات ناسخ و منسوخ۔ عام و خاص۔ اتفاق و اختلاف۔ مجمل و مفسر اور قیاسات شرعیہ اور وہ مقامات جہاں قیاس ہو سکتا ہے اور جہاں نہیں ہو

---

[1] دلائل الاعجاز ص ۳۲۶ [2] وفیات الاعیان لابن خلکان ص ۲۸۹ [3] مقدمہ ص ۲۰۵

سکتا ان سب امور کی پہچان ہے۔

تیسری صدی کے نامور مفسرین

روح بن عبادہ البصری (۲۰۵ھ) ابوزکریا یحیٰی بن زیاد الفرا الدیلمی (۲۰۷ھ) امام کسائی کے شاگرد تھے۔ عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ) ابوالحسن سعید بن جعدۃ الاخفش (۲۱۵ھ) اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) عبد بن حمید (۲۴۹ھ) امام دارمی (۲۵۵ھ) محمد بن سحنون القیروانی (۲۵۶ھ) امام ابن ماجہ (۲۷۹ھ) بقی بن مخلد (۲۷۶ھ) ابن قتیبہ (۲۷۶ھ) اسماعیل بن اسحٰق القاضی (۲۸۲ھ) مالکی مسلک کے تھے۔ امام نسائی کے استاد تھے۔ علامہ مبرد کہتے تھے ھو اعلم بالتصریف منی۔ سہل بن عبداللہ تستری (۲۸۳ھ) ابوحنیفہ دینوری (۲۸۲ھ) ابوالعباس احمد بن یحیٰی ثعلب (۲۹۱ھ) اخفش اصغر کے استاد تھے۔ ابراہیم بن معقل بن حجاج (۲۹۵ھ) وغیرہم۔

چوتھی صدی کے نامور مفسرین

ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) ابن المنذر (۳۱۶ھ) سلیمان بن الاشعث ابوداؤد السجستانی (۳۱۶ھ) امام طحاوی (۳۲۱ھ) ابومنصور الماتریدی (۳۳۳ھ) امام طبرانی (۳۶۵ھ) حافظ ابومحمد الاصبہانی ابوالشیخ (۳۶۹ھ) امام ابوبکر الجصاص (۳۷۰ھ) ابوحفص بن شاہین (۳۸۵ھ) نصر بن محمد ابواللیث سمرقندی (۳۹۳ھ) ان کی تفسیر کا ترکی میں ترجمہ ہوا اس کی روایات کی تخریج قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) نے کی ہے۔ خلف بن احمد سیستانی (۳۵۵ھ) نے دوسرے علماء کو ساتھ ملا کر سو جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر لکھی۔ احمد بن علی الباغانی الاندلسی (۴۰۱ھ) ابوعبید الکاشانی (۴۰۱ھ)

پانچویں صدی کے نامور مفسرین

محمد بن حسن بن فورک (۴۰۶ھ) احمد بن موسیٰ بن مردویہ (۴۱۰ھ) ابواسحٰق احمد بن ابراہیم نیشاپوری الثعالبی (۴۲۷ھ) مکی بن ابی طالب القیسی القرطبی (۴۳۷ھ) امام بیہقی (۴۵۸ھ) علی بن احمد الواحدی (۴۶۸ھ) شہفور بن طاہر الاسفرائنی (۴۷۱ھ) عبداللہ بن محمد الاصفہانی الہروی (۴۸۱ھ)

علی بن محمد بن الحسین البزدوی (۴۸۲ھ) علی بن حسن نیشاپوری (۴۸۴ھ) محمد بن عبدالجبار السمعانی المروزی (۴۸۹ھ) اور ناصر خسرو (۴۸۱ھ) نے فارسی میں ایک مستقل تفسیر لکھی۔
علامہ شریف رضی (۴۰۶ھ) نے حقائق التاویل فی متشابہۃ التنزیل اور تلخیص البیان فی مجازات القرآن لکھیں۔

چھٹی صدی میں علامہ بغوی (۵۱۶ھ) نے معالم التنزیل۔ ابن عربی مالکی (۵۴۳ھ) نے احکام القرآن۔ شیخ ظہیر الدین نیشاپوری (۵۷۷ھ) نے البصائر اور امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) نے تفسیر کبیر لکھی۔ ابو جعفر محمد بن حسن الطبرسی (۵۶۱ھ) کی تفسیر مجمع البیان بھی اسی دور کی ہے۔ یہ شیعہ مسلک کے تھے۔
ساتویں صدی ہجری میں ابن حیان اندلسی (۶۵۴ھ) نے البحر المحیط۔ علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) نے الجامع لاحکام القرآن اور علامہ نسفی (۷۰۱ھ) نے مدارک التنزیل لکھی۔ شیخ عبدالعزیز بن احمد الدمیری الشافعی (۶۹۴ھ) نے عربی نظم میں قرآن کریم کی تفسیر ساڑھے تین ہزار اشعار میں لکھی۔ یہ استامبول سے ۱۴۰۰ھ میں شائع ہوچکی ہے۔
آٹھویں صدی میں فن قرأت کے مشہور امام برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری (۷۳۲ھ) نے پورے قرآن کریم کے شان نزول کو ایک طویل قصیدہ میں قلم بند کیا اس کا نام تقریب المامول فی ترتیب النزول ہے۔ علامہ سیوطی نے الاتقان میں اس کے بعض اشعار نقل کیے ہیں تفسیر ابن کثیر (۷۷۴ھ) اپنی نوع کی بے نظیر تفسیر بھی اسی عہد میں لکھی گئی۔ حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)
نویں صدی ہجری میں ہندوستان میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی ثم الدہلوی (۸۴۸ھ) نے بحر مواج کے نام سے ایک تفسیر دو جلدوں میں فارسی میں لکھی۔ شیخ علاء الدین علی بن محمد شاہرودی (۸۷۵ھ) نے سلطان روم کے حکم سے فارسی میں ایک تفسیر لکھی۔ علامہ ناصر الدین قرماس (۸۸۲ھ) نے فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن عربی نظم میں لکھی۔ ملا حسین بن علی الکاشفی (۹۰۶ھ) نے بھی تفسیر حسینی (فارسی) اسی دور میں لکھی۔ یہ تفسیر محدثین دہلی کے ہاں خاصی مقبول رہی ہے۔
دسویں صدی میں علامہ جلال الدین السیوطی (۹۱۱ھ) نے قرآن کریم کی محدثین کے انداز میں الدر المنثور کے نام سے ایک نہایت مبسوط تفسیر لکھی۔ علامہ جلال الدین محلی کی تفسیر کو مکمل کیا۔ یہ تفسیر جلالین ہے۔ امام سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن بھی لکھی۔ ایسی کتاب اب تک قرآن پر نہیں لکھی گئی۔ شیخ بدالدین

الغزی الدمشقی (۹۸۵ھ) نے نظم میں تفسیر قرآن لکھی۔ اس کی تکمیل پر جامع مسجد دمشق میں ایک بڑی مجلس کا اہتمام کیا گیا۔ ملا فتح اللہ کاشانی (۹۸۸ھ) نے تفسیر منہج الصادقین لکھی۔ اس کا ایک اختصار خلاصۃ المنہج کے نام سے کئی دفعہ شائع ہو چکا ہے۔ یہ اثنا عشری عقائد کی تفسیریں ہیں۔

گیارہویں صدی میں قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) نے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا ہے۔ شیخ زین الدین شیرازی نے تفسیر مرتضوی فارسی میں لکھی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) نے التعلیق الحاوی علی التفسیر البیضاوی لکھی۔ شیخ محمد علی بن محمد علوان (۱۰۵۷ھ) نے ضیاء السبیل الی معالم التنزیل لکھی۔ سید محمد بن حسین الیمنی (۱۰۶۷ھ) نے منتہی الکلام فی شرح آیات الاحکام لکھی۔ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷ھ) نے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا۔ مولانا یعقوب بنانی (۱۰۹۰ھ) (یہ الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری کے مصنف ہیں) نے بھی بیضاوی کا ایک حاشیہ لکھا۔ حافظ عصام الدین (۱۰۹۵ھ) نے بھی بیضاوی کا ایک مفصل حاشیہ تحریر فرمایا۔ شیخ شہاب الدین الخفاجی (۱۰۷۰ھ) نے بیضاوی کا مفصل حاشیہ لکھا۔ لاہور کے شیخ منور الدین (۱۰۱۱ھ) نے الدر النظیم فی ترتیب الآی وسور القرآن الکریم لکھی۔ تفسیر بحر مواج کا بھی فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ مولانا سید محمد رضوی (۱۰۵۴ھ) نے بادشاہ جہانگیر کے حکم سے قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ شیخ نعمت اللہ فیروز پوری نے بھی قرآن کریم کا فارسی ترجمہ کیا۔ اور علامہ معین الدین کاشمیری (۱۰۸۵ھ) نے اور علی بن محمد دمشقی (۱۱۴۰ھ) نے بھی قرآن کریم کے فارسی تراجم لکھے۔

بارہویں صدی میں شیخ جمال الدین ولد رکن الدین (۱۱۲۴ھ) نے تفسیر مدارک، تفسیر بیضاوی اور تفسیر حسینی پر حاشیے لکھے۔ شیخ احمد ملا جیون (۱۱۳۰ھ) نے تفسیرات احمدیہ۔ شیخ اسماعیل حقی (۱۱۲۷ھ) نے تفسیر روح البیان۔ سید عبدالغنی النابلسی الدمشقی (۱۱۴۳ھ) نے التحریر الحاوی فی شرح تفسیر البیضاوی لکھی۔ (ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الحدیث بھی آپ کی تالیف ہے) شیخ محمد ناصر الہ آبادی (۱۱۶۲ھ) نے تفسیر احکام القرآن لکھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر اور فتح الرحمٰن فارسی ترجمہ قرآن کریم لکھا۔ سلیمان بن عمر بن منصور الشافعی الازہری (۱۲۰۴ھ) نے تفسیر جلالین کا حاشیہ جمل لکھا۔ شیخ مخدوم عبداللہ سندھی نے تفسیر ہاشمی سندھی زبان میں لکھی۔ بارہویں صدی میں اردو نے بھی ایک زبان کی شکل اختیار کی اور شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی (۱۱۸۴ھ) نے پہلا اردو ترجمہ کیا۔

تفسیر اور اصولِ تفسیر کے ان مباحث کے بعد اب ان علمائے اعیان اور مفسرین کرام کی خدمات جلیلہ کا نہایت مختصر تعارف ہدیۂ قارئین ہے جن کے تفسیری ذخائر کسی نہ کسی بات میں علوم قرآنی کے ہر مخلص طالب علم کے لیے بجا طور پر مفید ہیں۔ ان تفسیروں کے مطالعہ سے تفسیر کا کوئی عالم مستغنی نہیں

① وہ تفاسیر جن کا مطالعہ ترکیب کلام ادب و عربیت اور نحوی مباحث کے لحاظ سے بہت مفید ہے۔

① تفسیر جلالین

علامہ جلال الدین محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی نے پندرہ پندرہ پاروں کی یہ تفسیر لکھی ہے۔

② انوار التنزیل معروف بہ تفسیر بیضاوی

قاضی ناصر الدین ابو عبد اللہ بن عمر بیضاوی (۷۹۱ھ) معانی اور بیان کے بھی امام ہیں۔

③ تفسیر کشاف

جار اللہ محمود بن عمر زمخشری (۵۱۸ھ) مفسر کے نظریہ اعتزال کی تردید اس کے حاشیہ انتصاف سے ہو جاتی ہے علامہ زمخشری عربیت اور لغت کے بھی امام ہیں۔

④ مدارک التنزیل

علامہ نسفی (۷۰۱ھ) عقائد کے باب میں بڑی معتمد تفسیر ہے۔

⑤ المفردات

علامہ راغب اصفہانی (۵۰۲ھ) لغات القرآن پر اس سے بڑھ کر کوئی معتمد اور مستند کتاب نہیں مصنف کی ایک کتاب تفصیل النشاتین بھی ہے۔

⑥ تفسیر ابُوالسعود

قرآن کریم کی نحوی ترکیبات میں بہت ہی مفید ہے۔

⑦ وہ تفاسیر جن کا مطالعہ فقہی مسائل اور استخراج احکام کے سلسلہ میں بہت مفید ہے :۔

① احکام القرآن

امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی (۳۷۰ھ) تین جلدوں میں ہے۔ مسائل کے ساتھ دلائل بھی دیئے گئے ہیں، حنفیہ کرام میں بہت معتمد ہے۔

② احکام القرآن

علامہ ابوبکر بن محمد بن العربی المالکی الاندلسی (۵۴۳ھ) دو جلدوں میں ہے بہت بلند پایہ کتاب ہے۔ ائمہ اربعہ کے مسالک منقول ہیں۔

③ تفسیرات احمدیہ

مُلّا احمد المعروف بہ مُلّا جیون استاد عالمگیر تالیف (۱۰۷۵ھ) یہی مفسر اصول کی کتاب نور الانوار کے مصنف ہیں۔

④ تفسیر مظہری

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی۔ (۱۲۲۵ھ) اپنے وقت کے امام بیہقی تھے۔

⑤ احکام القرآن

باہتمام حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ اسے مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مفتی جمیل احمد تھانوی اور مفتی عبدالشکور ترمذی نے منزل بہ منزل لکھا ہے۔

③ وہ تفاسیر جن کا روایتی پہلو بہت ممتاز ہے ان کے مصنف محدثین کے طرز پر چلتے ہیں۔

① تفسیر ابن جریر طبری (۳۱۰ھ)

یہ بہت مبسوط اور مفصل تفسیر ہے لغت اور ادبیت پر بھی تحقیقی نظر ہے۔

② معالم التنزیل

محی السنۃ حسین بن مسعود بغوی شافعی (۵۱۶ھ) مشہور محدث گزرے ہیں، ان کی یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں ابن کثیر کے حاشیہ پر طبع ہے۔

③ بحر محیط

اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن حیان اندلسی (۶۵۴ھ) محدثانہ طرز پر چلتے ہوئے غلط روایات کی خوب تردید کرتے ہیں ادیب اور متکلم بھی ہیں۔

④ تفسیر جامع لاحکام القرآن للقرطبی (۶۷۱ھ)

⑤ تفسیر ابن کثیر

حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ) اسی مصنف نے البدایہ والنہایہ تاریخ کی مشہور ترین کتاب بھی لکھی ہے۔

⑥ تفسیر مظہری

قاضی ثناء اللہ محدث پانی پتی روایت و درایت کا جامع امتزاج ہیں۔ (۱۲۲۵ھ)

⑦ تفسیر فتح القدیر (قاضی شوکانی) (۱۲۵۰ھ)

ان تفاسیر کی حدیثی روایات معتمد ہیں تاہم مسائل مختلف فیہ میں جرح و تعدیل اور اصل کتابوں کی طرف لوٹنا چاہیئے۔

④ وہ تفاسیر جو ایک موضوع پر نہیں کئی کئی موضوعات پر حاوی ہیں اور جامع ضخیم تفسیری ذخائر پر مشتمل ہیں۔

① تفسیر ابن جریر
② تفسیر بحر محیط
③ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ)
④ تفسیر قرطبی (الجامع لاحکام القرآن)
⑤ روح المعانی علامہ شہاب الدین محمود آلوسی (۱۲۹۱ھ) کی بے نظیر تفسیر ادبی روایتی فقہی اور اور کلامی ہر اعتبار سے ایک عظیم جامع تفسیری ذخیرہ ہے۔

⑤ اُردو تفاسیر

① تفسیر موضح القرآن

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی یہ عظیم قرآنی خدمت مابعد کی تمام اردو تفسیروں کی اصل ہے اپنے اختصار اور گہرائی میں اپنی مثال آپ ہے۔ ۱۲۳۰ھ

② تفسیر مواہب القرآن

حضرت مولانا امیر علی صاحبؒ جنہوں نے ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کے ترجمے کیے ہیں یہ اُن کی تالیف ہے۔ زیادہ تر ابن جریر اور ابن کثیر کے تراجم پر مشتمل ہے۔ ۱۳۳۷ھ

③ تفسیر فتح المنان

یہ تفسیر حقانی کے نام سے معروف ہے آٹھ جلدوں میں ہے مذاہب باطلہ خاص طور پر آریوں اور عیسائیوں کے عقائد و افکار کا تجزیہ کیا ہے۔ اس کے مصنف حضرت علامہ ابو محمد عبدالحق دہلویؒ ہیں جو اپنے زمانہ کے مشہور محقق ہیں۔ ۱۳۳۵ھ

④ تفسیر الاکسیر الاعظم قاضی احتشام الدین مرادآبادی (۱۳۱۴ھ) نو جلدوں میں لکھی۔

ہندوستان میں تیرہویں صدی میں اردو ایک باقاعدہ زبان بن چکی تھی اس میں متعدد تراجم قرآن اور کیے گئے تاہم علوم کے لیے ابھی تک عربی اور فارسی ہی تھی۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) نے عربی میں تفسیر مظہری لکھی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) نے تفسیر فتح العزیز فارسی میں لکھی۔ افسوس کہ اس تفسیر کا بہت سا حصہ اس وقت کے سیاسی انقلاب میں ضائع ہو گیا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۲۰۶ھ) نے بھی ایک تفسیر لکھی اور حکیم شریف الدین خاں دہلوی (۱۲۲۲ھ) نے بھی فارسی میں تفسیر قرآن لکھی۔ علامہ احمد بن محمد الصاوی المالکی (۱۲۴۱ھ) نے تفسیر جلالین کا ایک حاشیہ لکھا۔ قاضی محمد علی شوکانی زیدی (۱۲۵۰ھ) کی تفسیر فتح القدیر بھی اسی دور کی تالیف ہے۔ پھر اسی صدی میں علامہ ابوالثنا شہاب الدین محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) کی تفسیر روح المعانی لکھی گئی جو عالمی سطح پر علم تفسیر کا ایک شاہکار ہے جس کی سطح پر علوم کے سارے چشمے اچھل رہے ہیں۔ محمد تقی کرمانی الملقب مظفر علی شاہ (۱۲۱۵ھ) نے بحر الاسرار فارسی میں لکھی۔

نواب صدیق حسن (۱۳۰۷ھ) نے تفسیر فتح البیان لکھی جو مصر سے دس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ مولوی محمد حسن بن کرامت علی امروہوی (۱۳۲۳ھ) نے فارسی میں تفسیر معالم الاسرار لکھی سید قطب شہید (۱۳۸۵ھ) نے فی ظلال القرآن عربی میں لکھی۔ محمد امین بن مختار الشنقیطی (۱۳۹۳ھ) نے اضواء البیان دس جلدوں میں لکھی۔ شیخ طنطاوی جوہری (۱۳۵۸ھ) کی تفسیر جواہر القرآن۔ شیخ محمد مصطفیٰ المراغی (۱۳۶۲ھ) کی تفسیر مراغی اور مفتی محمد عبدہٗ کی تفسیر المنار (جو صرف بارہ پاروں کی ہے) بھی اہم تفسیریں ہیں

تیرہویں اور چودہویں صدی میں ہندوستان میں تفسیر پر جو کام ہوا وہ زیادہ اردو میں ہے۔ تفسیر کے طلبہ کے لیے ہم یہاں بعض تفسیروں کے نام لکھے دیتے ہیں تا ضرورت کے وقت وہ انہیں دیکھ سکیں۔

تیرہویں صدی میں اُردو میں تفسیرِ قرآن کی محنت

① شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) نے تفسیر موضح القرآن لکھی اور قرآن کریم کا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا۔

② شاہ رفیع الدین (۱۲۳۳ھ) نے قرآن کریم کا لفظی ترجمہ کیا اور الفاظ کی پوری رعایت کی ہے۔

(۳) قاضی سید نور الحق (۱۲۲۳ھ) نے نواب فیض اللہ خاں کی فرمائش پر ترجمہ کیا اور تفسیر لکھی۔
(۴) شاہ رؤف احمد رامپوری (۱۲۵۳ھ) خلیفہ شاہ غلام علی نے تفسیر رؤفی لکھی۔

(۵) سید ظہیر الدین بلگرامی (۱۲۹۰ھ) نے قرآن کریم پر ایک تفسیری حاشیہ لکھا۔
(۶) نواب قطب الدین (۱۲۸۹ھ) صاحب مظاہر حق نے اردو میں جامع التفاسیر چار جلدوں میں لکھی یہ بمبئی کے حیدری پریس سے شائع ہوئی۔
(۷) مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۹۰ھ) کے اردو ترجمے کا نام کوکب دری ہے۔
(۸) سید علی مجتہد بن سید دلدار علی (ھ) نے توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید لکھی۔
(۹) سید عمار علی رئیس سونی پت (۱۳۰۴ھ) نے تفسیر عمدۃ البیان لکھی۔
(۱۰) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) نے ترجمان القرآن بلطائف البیان چار جلدوں میں لکھی۔

چودہویں صدی میں اُردو میں تفسیر قرآن کی محنت

(۱) مولانا عبد الرحیم (۱۳۱۱ھ) نے اعظم التفاسیر سات جلدوں میں لکھی۔
(۲) مولانا فیروز دین ڈسکوی نے (۱۳۱۲ھ) ترجمہ اور حواشی ۱۲۲۲ صفحات میں لکھے۔
(۳) ڈاکٹر عبد الحکیم پٹیالوی نے ۱۳۱۸ھ میں تفسیر القرآن بالقرآن لکھی۔
(۴) مولانا فتح محمد جالندھری نے اپنے ترجمہ قرآن پر تفسیر نور ہدایت لکھی
(۵) تفسیر وحیدی مع ترجمہ ۱۳۲۳ھ میں لکھی گئی۔
(۶) مولوی حمید الدین میرٹھی (۱۳۳۱ھ) نے حدیث التفاسیر ۷۲۰ صفحوں میں لکھی۔
(۷) مولوی عبد المقتدر بدایونی (ھ) نے تفسیری حاشیہ آگرہ کے انوری پریس سے شائع کیا ہے۔ مؤلف نے ترجمہ مولوی عبد القادر کا لیا ہے۔
(۸) تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی۔ از مولانا ابو محمد عبد الحق دہلوی (۱۳۳۵ھ)
(۹) تفسیر بیان القرآن

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کی یہ عظیم دینی خدمت بارہا زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے تحقیق جامعیت اور قرآن کی ترجمانی میں اپنی مثال آپ ہے تفسیری تفصیلات سے بچتے ہوئے نفس قرآن کا بیان مصنف کا موضوع و مقصد ہے۔ اور بیان القرآن میں اسی کا نام ہے۔ (مرحوم ۱۳۶۲ھ)

(۱۰) تفسیر فوائد القرآن علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن ؒ کے ترجمہ قرآن پر نہایت تحقیقی اور فاضلانہ حاشیہ ہے جس میں مصنف نے سمندروں کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

(۱۱) تفسیر معارف القرآن

حضرت مولانا علامہ محمد ادریس کاندھلوی ؒ شیخ الحدیث و التفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور۔ اس کی پانچ جلدیں سورت تک مصنف علام کے قلم حقیقت رقم سے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد مالک نے مکمل کی ہے۔

(۱۲) تفسیر معارف القرآن ۱۳۹۶ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی عثمانی رح۔ آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ بارہا چھپ چکی ہے

(۱۳) تفسیر ماجدی

مولانا عبد الماجد دریاآدی ؒ کا یہ حاشیہ قرآن بہت سی تحقیقات مفیدہ پر مشتمل ہے مغربی مصنفین کے حوالجات اور یورپین معترضین کے جوابات اس تفسیر کے امتیازی ابواب ہیں۔ ۱۳۹۸ھ

(۱۴) تفسیر ثنائی

حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم کی یہ تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں بہت سی مفید بحثیں اس میں ملتی ہیں مصنف اہلحدیث (باصطلاح جدید) مسلک کے ہیں

(۱۵) تفسیر ترجمان القرآن

مولانا ابو الکلام آزاد ؒ۔ ادبی اور تاریخی پہلو میں بہت ممتاز ہے اور فکر و شعور کو بیدار کرتی ہے بعض مقامات جمہور علماء کے نزدیک محل کلام ہیں ۱۳۷۷ھ

(۱۶) تفسیر مواہب الرحمٰن۔ مولانا محمد امیر علی

اردو میں یہ سب سے بڑا تفسیری ذخیرہ ہے۔

یہ تفسیریں بھی اسی دور کی ہیں۔

(۱) تفسیر القرآن سرسید احمد خاں

سورۂ بنی اسرائیل تک چھ جلدیں شائع ہیں۔ یہ تفسیر مکمل نہ ہوئی تھی کہ مصنف کا انتقال ہو گیا۔ مولانا حالی اس تفسیر کی تعریف کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ "سرسید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں" (حیات جاوید حصہ اول ص۱۸۴ آگرہ)

(۲) تفسیر سروری مولوی سرور شاہ (قادیانی) طبع ۱۹۱۲ء

(۳) ترجمہ عبد اللہ چکڑالوی مع تفسیری نوٹ طبع ۱۳۲۶ھ سلیم پریس لاہور

(۴) تفسیر بیان للناس از خواجہ احمد الدین امرتسری سات جلدوں میں ہے۔

(۵) سید شریف حسین حیدری ترجمہ و تفسیر امامیہ کتب خانہ بمبئی

(۶) عام فہم تفسیر قرآن خواجہ حسن نظامی ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔

(۷) تفسیر بیان القرآن مولوی محمد علی لاہوری پیرو مرزا غلام احمد قادیانی

(۸) تفسیر صغیر و ترجمہ قرآن مرزا بشیر الدین محمود قادیانی

(۹) تفسیر معارف القرآن غلام احمد پرویز

یہاں تک ہم نے بلا امتیاز مسلک ان تالیفات کا ذکر کیا ہے جو قرآن پاک پر ترجمہ یا تفسیر کی صورت میں مختلف الخیال لوگوں نے لکھیں۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں شیعہ تفاسیر کا علیحدہ بھی ذکر کریں تاکہ شیعہ طلبہ اپنا مسلک معلوم کرنے میں کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔ ہم پہلے ان کی ان تفاسیر کا ذکر کریں گے جو عربی یا فارسی میں ہیں۔ ازاں بعد ان کی اردو تفاسیر کا بھی کچھ ذکر کیا جائے گا۔

شیعہ تفاسیر

① تفسیر امام حسن عسکری
منتخب آیات پر مختصر تفسیری کلام ہے۔ اہل سنّت اسے حضرت امام کی تصنیف تسلیم نہیں کرتے
یہ تفسیر تفسیر قمی کے حاشیہ پر شائع ہوئی ہے۔

② تفسیر علامہ فرات کوفی
فرات علامہ قمی کے دو واسطوں سے استاد ہیں تفسیر فرات قدیمی تفسیر ہے۔

③ تفسیر علامہ علی بن ابراہیم قمی۔
مصنف علامہ کلینی کے اساتذہ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔

④ تفسیر مجمع البیان
علامہ ابو علی طبرسی چھٹی صدی کے مقتدر عالم ہیں یہ تفسیر دس جلدوں میں ہے۔

⑤ تفسیر منہج الصادقین
اس مبسوط تفسیر کا اختصار خلاصۃ المنہج کے نام سے قرآنی حاشیہ کی صورت میں بھی چھپا ہے۔

⑥ تفسیر صافی
گیارہویں صدی کے مقتدر عالم ملا فیض کاشانی (۱۱۱۲ھ) کی تالیف۔ ہے۔

⑦ تفسیر نور الثقلین
عراق اور ایران میں بڑے اعتماد کی نظر سے دیکھی جاتی ہے احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے۔

⑧ تفسیر لوامع التنزیل
یہ ضخیم تفسیر فارسی میں ہے ہندوستان اور پاکستان میں رائج ہے۔

⑨ شریف رضی (۴۰۶ھ) کی تفسیر حقائق التاویل

⑩ ابو مسلم محمد بن علی بن ابی جعفر الطوسی (۴۶۰ھ) کی تفسیر تبیان۔

⑪ بکر فضل (۶۷۰ھ) صاحب لطائف التفسیر فارسی میں ہے۔

⑫ تفسیر عباسی سردار محمد عباس خان کابلی ۱۳۳۴ھ (فارسی میں ہے۔

شیعہ اُردو تفاسیر

① تفسیر عمدۃُ البیان

علامہ سید عمار علی کی یہ اردو تفسیر پہلے پندرہ پندرہ پاروں کی دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی اب یہ پھر دس دس پاروں کی تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

② تفسیر ملا مقبول دہلوی

قرآن کے حاشیہ پر ملا مقبول دہلوی نے قرآن کے متعلق شیعہ نقطہ نظر کو بہت نمایاں کیا ہے۔ اس سے شیعہ سُنی اختلافات بہت بڑھے ہیں۔ اس کا ضمیمہ بھی ایک مبسوط کتاب ہے اسے خلافِ قانون قرار دے دیا گیا ہوا ہے۔

قرآن پاک کے فارسی تراجم وتفاسیر

① تفسیر ابن جریر (۳۱۰ھ) کا منصور بن نوح سامانی (۳۵۰ھ) نے علماء کی ایک جماعت سے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔

② ناصر خسرو (۴۸۱ھ) نے قرآن کریم کی ایک مستقل فارسی تفسیر لکھی۔

③ شیخ ظہیر الدین نیشاپوری (۵۷۷ھ) نے البصائر کے نام سے فارسی میں ایک تفسیر لکھی۔

④ قاضی شہابُ الدین دولت آبادی (۸۴۰ھ) بحر مواج فارسی میں دو جلدوں میں لکھی۔

⑤ شیخ علاءُ الدین علی بن محمد شاہرودی (۸۷۵ھ) نے سلطانِ روم کے حکم سے فارسی میں تفسیر لکھی۔

⑥ ملا حسین بن علی الکاشفی (۹۰۶ھ) نے تفسیر حسینی لکھی۔ یہ تفسیر ہندوستان میں بھی کافی مقبول رہی ہے۔

⑦ مولانا سید محمد رضوی (۱۰۵۴ھ) نے بادشاہ جہانگیر کے حکم سے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا۔ اور تفسیری نوٹ لکھے۔

⑧ شیخ نعمتُ اللہ فیروزپوری (۱۰۷۲ھ) نے فارسی میں ترجمہ قرآن کیا اور علامہ معین الدین کشمیری (۱۰۸۵ھ) نے اس پر تفسیر لکھی۔

(۹) شیخ محمد بن جعفر گجراتی (۱۱۱۱ھ) نے ائمہ اہلبیت کی روایت سے قرآن کی ایک فارسی تفسیر لکھی۔

(۱۰) شیخ عبدالواحد بن کمال الدین (ھ) نے بھی فارسی میں ایک تفسیر لکھی۔

(۱۱) علی بن دمشقی (۱۲۰۰ھ) نے فارسی میں ترجمہ کیا اور منعم خان (۱۲۰۱ھ) نے اس پر تفسیر لکھی۔

(۱۲) ملا محمد سعید (۱۲۰۸ھ) نے بھی قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا اور مرلعنیوں کے لیے اس کا نام مفاتیح البرکات رکھا۔

(۱۳) مولانا محمد تقی کرمانی الملقب مظفر علی شاہ (۱۲۱۵ھ) نے فارسی میں تفسیر لکھی۔

(۱۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) نے تفسیر فتح العزیز فارسی میں لکھی۔ افسوس کہ اس کا بہت سا حصہ وقت کے سیاسی انقلابات میں ضائع ہوگیا۔

(۱۵) مولانا محمد سعید مدراسی (۱۲۷۲ھ) نے چار جلدوں میں فارسی میں تفسیر لکھی۔

(۱۶) مولانا محمد حسن بن کرامت علی امروہی (۱۳۲۳ھ) نے معالم الاسرار کے نام سے فارسی میں ایک تفسیر لکھی۔

(۱۷) تفسیر نور الثقلین چھ جلدوں میں ایران سے شائع ہوئی ہے۔

(۱۸) تفسیر لوامع التنزیل ضخیم فارسی تفسیر ہے۔

(۱۹) حکومت افغانستان کے حکم سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی اردو تفسیر کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ فارسی تفسیر تین جلدوں میں حکومت کے انتظام سے شائع کی گئی ہے۔

(۲۰) تفسیر زاہدی

مصنف پانچویں صدی کے ہیں۔ ابھی تک یہ تفسیر چھپ نہیں پائی۔ کراچی میں جامعہ احسن العلوم میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

قرآن کریم کے منظوم تراجم وتفاسیر

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد،

نظم اظہارِ خیال کا ایک دلآویز پیرایۂ بیان ہے اس میں صرف خیالات نہیں واقعات نہیں جذبات بھی بولتے ہیں مسلمانوں نے قرآن کریم سے صرف عقائد ونظریات اور احکام وواقعات تک واسطہ نہیں رکھا قرآن کریم کو اپنے جذبات میں بھی جگہ دی ہے اور عقائد وعملیات کا ساز اپنے احساساتِ لطیفہ پر بھی رکھا ہے۔ مسلمانوں کا یہ جذبہ جب عروج کو پہنچتا ہے تو مومن نماز میں محسوس کرنے لگتا ہے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہ ہو تو اس کا کم از کم یہ درجہ ضرور ہوتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے یہ بھی نہ ہو تو مسلمان کے اسلام میں کیا حسن رہا۔ اسی جذبہ احسان سے اسلام کا نور آتا ہے اور اسے ہی احسان کہتے ہیں۔

تاریخ میں مومنین کے ان جذبات کی تصویر کبھی یوں بھی دکھائی دی کہ مسلمانوں نے تاریخ کے مختلف موڑوں پر قرآن کریم کو منظوم ترجمہ وتفسیر میں اُتارا ہے۔ آج کی اس مجلس میں ہم ایسے چند نظم نگاروں کا تذکرہ کرتے ہیں جو قرآن کریم کو اس جذباتی انداز سے دل سے لگائے ہوئے تھے یہ حضرات حقیقت میں قرآن کو دل دیئے ہوئے تھے۔

ع   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(۱) مصر صدیوں سے اسلامی علوم کا گہوارہ چلا آرہا ہے اس میں ساتویں صدی میں ایک شافعی المذہب عالم شیخ عبدالعزیز بن احمد الدمیری (۶۹۴ھ) نے ساڑھے تین ہزار اشعار میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی یہ تفسیر استنبول سے ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوئی۔

(۲) پھر اگلی صدی میں فن قرأت کے مشہور امام علامہ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری (۷۳۲ھ) نے قرآن کریم کی ترتیب نزول کو ایک طویل قصیدہ میں قلم بند کیا ہے اس کا نام "تقریب المامول فی ترتیب النزول" ہے۔ اس کے بعض منتخب اشعار تفسیر اتقان میں بھی ملتے ہیں۔

(۳) پھر اگلی صدی میں علامہ ناصرالدین قرماس (۸۸۲ھ) نے فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن منظوم لکھی

(۴) پھر اگلی صدی میں شیخ بدرالدین محمد بن رضی الدین الغزی الدمشقی (۹۸۵ھ) نے ایک منظوم تفسیر لکھی۔ اس کی تکمیل پر جامع مسجد اموی (دمشق) میں ایک بڑی مجلس تنقید کا اہتمام کیا گیا اور اس میں مصنف مرحوم کی بہت زیادہ قدر افزائی کی گئی۔

آیئے اب ہم آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں:۔

(۵) شاہ غلام مرتضیٰ بن شاہ محمد تیمور اللہ آبادی نے (۱۱۹۴ھ) میں پورے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا۔

(۶) پھر مولوی ملی اللہ بن مفتی سید احمد علی الحسینی (۱۲۴۹ھ) نے فارسی نظم میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔

(۷) قاضی عبدالسلام بدایوقی (۱۲۵۷ھ) نے دو لاکھ اشعار میں اردو نظم میں تفسیر لکھی۔

(۸) ڈاکٹر عبدالخالق بھٹی والتھم سٹو ولندن منظوم ترجمہ قرآن (اردو میں) روزنامہ جنگ لندن میں ہفتہ وار شائع ہو رہا ہے۔

(۹) ابوزرعہ نے الفیہ فی غریب القرآن نظم کی۔ یہ ابوحیان اندلسی کی کتاب تحاف الاریب بما فی القرآن من الغریب کا پیرایہ نظم ہے اہل علم میں اس کی بہت قدر دانی رہی ہے۔

علاقائی زبانوں میں تفسیر قرآن

(۱۰) حافظ محمد بارک اللہ لکھوی نے (۱۳۱۱ھ) نے تفسیر محمدی پنجابی نظم میں سات جلدوں میں لکھی۔

(۱۱) حافظ محمد ادریس خاں (۱۳۵۸ھ) نے پشتو میں تفسیر کشاف لکھی۔

(۱۲) حضرت مولانا تاج محمود امروٹی (۱۳۴۸ھ) نے قرآن مجید کو سندھی میں ترجمہ کیا۔

(۱۳) تفسیر مظہری کا بنگلہ میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

ونںزل من القران ما هو شفاء ورحمته للمؤمنين ولا يزيد الظالمين الا خسارا

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر
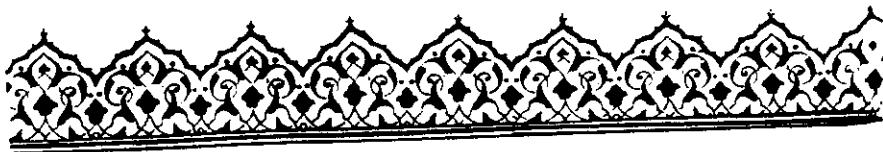
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی - اما بعد

یہ صحیح ہے کہ کتابیں علم کا خزانہ ہوتی ہیں اور انکا مقصد انسان کی علمی رہنمائی ہوتا ہے - قرآن کریم بھی بطور ایک کتاب کے اپنا ایک مقصد رکھتی ہے یہ اللہ کی کتاب ہے اور اس سے ڈر رکھنے والوں کیلئے ایک راہ عمل ہے - قرآن کریم میں اسکا تعارف ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب سے کرایا گیا ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ قرآن پاک عجیب شان اعجاز کا حامل ہے - اسکا معجزہ ہونا صرف اسی جہت سے نہیں کہ کوئی انسان ایسی کتاب نہیں لکھ سکتا بلکہ اسکے اعجاز کی اور بھی متعدد وجوہ ہیں -

(۱) اسکی ابدی حفاظت موعود ہے اور اسکی یہ شان اب تک اپنے اور ہر غیر کے سامنے ہے

(۲) اس سے دلوں پر سکون اترتا ہے اور یہ اسکی علمی رہنمائی کی علاوہ اسکی شان ہے اسے جتنی دفعہ پڑھاجائے طبیعت اکتاتی نہیں ہربار یہ ایک تازہ کلام معلوم ہوتا ہے

(۳) اسکے کمالات صرف اسکے مطالب میں نہیں اسکے قوالب بھی اپنے میں وہ شان رکھتے ہیں کہ اسکا بہتر سے بہتر ترجمہ اس شان کا متحمل نہیں ہوسکتا اسی لئے اسکے ترجمہ کو ترجمہ قرآن کہتے ہیں قرآن نہیں کہتے - قرآن وہی ہے جو عربی مبین میں ہے کسی کو اسکا ترجمہ آئے یا نہ آئے وہ عبادت میں اسے عربی میں ہی پڑھے گا اور اسی راہ سے اسکی اللہ کی حضور حاضری ہوگی

اس میں ایک ایسا خفی علم بھی ہے جو اسکے الفاظ میں نہایت باریک پیرائے میں لپٹا ہے - چونکہ یہ خدائی کلام ہے بندہ جب اسے اس جہت سے پڑھتا ہے تو اسکے الفاظ خدائی کلام کی صورت میں اثر دکھاتے ہین - خدائی کلام سے تسخیر اور تاثیر کیفیتیں ظاہر ہوتی ہے - دونوں خدائی فعل ہین جو پڑھنے والے کی زبان سے متصل صادر ہوتے ہیں اور

اپنا اثر دکھاتے ہیں - مندرجہ ذیل صورت عمل سامنے رکھئے اور یقین کیجئے کہ علم کتاب کی وسعتیں احاطہ انسانی میں نہیں آسکتیں

زمین سمٹتی ہے یا زمانہ سمٹتا ہے ؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ ملکہ سبا کا تخت آناًفاناً انکے سامنے آجائے ایسا تبھی ہوسکتا تھا کہ یا زمین سمٹ جائے اور وہ تخت بالکل قریب آجائے اور یہاں کے لوگ اسے اٹھاکر حضرت سلیمان کے سامنے رکھدیں - اور یا زمانہ سمٹ جائے کہ وہاں سے تخت آنے میں گو کئی ماہ لگ جائیں لیکن اس دوران زمین کی حرکت کو روک لیا جائے - ظاہر ہے کہ نہ زمین سمٹتی ہے نہ زماں - ہم دیکھتے ہین کہ وہ تخت آنکھ جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تھا - وہ تخت کیسے آیا ؟ یہ ایک ایسا مخفی علم ہے جو نہ مادہ پرستوں کے پاس ہے نہ سائنسدانوں کے پاس اور نہ قانون دانوں کے یہاں اسکی رسائی ہے - یہ علم کتاب کا کوئی ایسا پیرایہ ہے جس کے پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ اپنا حکم صادر کردیتا ہے اور جس کی شان کن کہکر پل بھر میں جہاں بنادیتا ہے اسکے کلام کی تاثیر سے تخت بلقیس سلیمان کے پاس آجاتا ہے یہ جو ہوا خدائی فعل سے ہوا اور اسکا فعل خود اسکے کلام کا اثر تھا

قرآن علم کتاب کے ساتھ اس قسم کے اور تصرفات کی بھی تصدیق کرتا ہے اور مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ علم کتاب کی ان تاثیرات پر یقین رکھیں - جن تو ایسے کام خدا کی دی ہوئی قوت سے بذریعہ پرواز بھی کرسکتے ہین لیکن انسان جو علم کتاب پاجائے لوگوں کو وہ خدا کی قدرت سامنے دکھلادیتا ہے - قرآن میں ہے

قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی عزیز (پ ۱۹ النمل ۳۹)

(ترجمہ) جنوں میں سے ایک دیو کہنے لگا میں وہ لائے دیتا ہوں تجھے پیشتر اسکے کہ تو اپنے مقام سے اٹھے اور میں بیشک ہوں اس پر زور آور اور امانتدار

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک

فلما راہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی (آیت نمبر۴۰)
(ترجمہ) وہ شخص بولا جس کے پاس کتاب کا ایک علم تھا میں وہ لائے دیتا ہوں تجھے پیشتر اسکے کہ پھر آئے تمہاری طرف تمہاری آنکھ پھر جب دیکھا اسکو دھرا ہوا اس کے پاس تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

قرآن کا اثر شفاء

علم من الکتاب کے اس اثر کے ساتھ قرآن کے اثر شفاء پر بھی غور فرمائیں ۔ قرآن بیشک کتاب ہدایت ہے اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے اور یہ ایک علمی رہنمائی ہے ۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ یہ رحمت بھی ہے اور اس میں شفاء بھی ہے اور شفا کی بھی روحانی بیماریوں سے تخصیص نہیں ۔ قرآن کریم اسے جامع پیرائے میں شفاء کہتا ہے اور یہ ہرپیانہ شفاء (روحانی ہو یا جسمانی) کا اعلان ہے
وننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمه للمومنین ولایزید الظالمین الا خسارا (پ ۱۵ بنی اسرائیل)
(ترجمہ) اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں جس سے روگ (بیماری) دفع ہوں اور وہ رحمت ہے مومنین کیلئے اور گناہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے
شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں
دلوں سے عقائد باطلہ اخلاق ذمیمہ اور شکوک وشبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اسکی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیساکہ روح المعانی اور زاد المعاد وغیرہ میں اسکا فلسفہ اور تجربہ بیان کیاگیا ہے (فوائد القرآن ص ۳۷٦

بشارت شفاء سے صحابہ نے کیا سمجھا؟

صحابہ کرام نے قرآن کریم کی اس شفاء کی بشارت سے کیا سمجھا ؟ حضرت ابوسعید

الخدریؓ کے سامنے سانپ کے ڈسنے کا ایک کیس آیا آپ نے سورہ فاتحہ پڑھکر اس پر پھونکی اسے صحت ہوگئی بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ لایا گیا آپ نے بھی اسکی تصویب فرمائی (دیکھئے صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۹) نیز صحابہ کرام سانپ بچھو یا اس طرح کے جانور کے کاٹے ہوئے شخص پر اسی طرح مجنون اور مرگی والے پر یہ سورت پڑھکر دم کرتے تھے تو مریض تندرست ہوجاتا تھا (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۵۲)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام قرآن کو بدنی اعتبار سے بھی ایک نسخہ شفاء سمجھتے تھے اور قرآن پاک سے بھی علم کتاب کی ایک نہایت دوررس خفی تاثیر کا پتہ چلتا ہے

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو شدید قسم کا سردرد تھا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے فرمایا

امسحه بيمينك سبع مرات وقل اعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما اجد (مسند امام احمد ج ۱۷ ص ۱۷۷ مبوب)

(ترجمہ) اپنا دایاں ہاتھ اپنے سر پر سات دفعہ پھیر اور یہ کلمات پڑھ ... میں نے پڑھے اور اللہ نے میرا درد دور کردیا آپ کہتے ہیں کہ پھر میں ہمیشہ اپنے گھر والوں کو اور دوسروں کو اسکا سبق دیتا رہا ہوں

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ سے بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ

مکہ مکرمہ میں رہائش کے دوران مجھ پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ میں بیمار ہوگیا اور طبیب وعلاج کچھ میسر نہ آیا چنانچہ آب زمزم پر سورہ فاتحہ دم کرکے اس سے علاج کیا کرتا اور بار بار اس پر (سورہ فاتحہ) پڑھتا پھر اسے پی لیتا مجھے اس سے شفائے کامل نصیب ہوئی اسکے بعد تو میں زیادہ تر امراض میں اسی سے علاج کرنے لگا اور خوب فائدہ حاصل کیا (زاد المعاد ج ۳ ص ۳۲۳ اردو)

اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسلام میں دوسرے طرق علاج سے صرف نظر کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئی دفعہ مختلف امراض کیلئے مختلف نسخے تجویز فرمائے۔ بعض ایم بی بی ایس (M.B.B.S) ڈاکٹروں نے بھی

طب نبوی کے ان نسخوں سے فائدہ پانے کی شہادت دی ہے۔ ہم اس وقت صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس طرح علاج کے کئی طریقے ہیں۔ ایلو پیتھی۔ یونانی۔ ویدک۔ ہومیو پیتھی۔ سوئیوں کے ذریعہ چینی علاج۔ اسی طرح علاج بالقرآن بھی ایک روحانی طریق علاج ہے جسے صحابہ کرام نے مختلف مواقع پر اختیار فرمایا اور پھر سب لوگوں نے اسکی جلی تاثیر دیکھی۔ اسکا عمل بیشک خفی ہے کہ قرآن کریم کی آیات یا برکت کے کلمات کس مخفی پیرائے میں اپنا عمل کرتے ہیں لیکن اسکی تاثیر جلی ہے اور ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ بعض غیر مسلم بھی مسلمانوں کی طرف علاج بالقرآن کیلئے رجوع کرتے ہیں

خاوند بیوی میں تفریق پیدا کرنے کا سفلی عمل

قرآن کریم نے ایک ایسے سفلی عمل کی بھی خبر دی ہے جس کے ذریعہ بد طینت لوگ دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں قرآن نے جادو کے اس عمل کو کفر ٹھہرایا ہے۔ جب اس کارخانہ اسباب میں ایسے علم کو بھی ایک راہ ملی ہوئی ہے جس کے ذریعہ بدکار لوگ خاوند اور بیوی میں تفریق پیدا کر سکیں تو نیک انسانون کے پاس بھی تو کوئی ایسا نوری علم ہونا چاہئے جس کے ذریعہ وہ انسانوں میں شفا اور رحمت کے پھریرے پھرا سکیں۔ نیک مسلمانوں کے پاس ایسا روحانی عمل علاج بالقرآن ہے جس سے نورانیت پھیلتی ہے اور سفلی عمل کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں

حضرت امام محمد روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس آئے آپ بیمار تھیں اور ایک یہودی عورت آپ کو دم کر رہی تھی آپ نے فرمایا

فقال ارقیها بکتاب الله قال محمد وبهذا ناخذ لاباس بالرقی بما کان فی القرآن وما کان من ذکر الله (موطا امام محمد ص ۳۷۳)

(ترجمہ) میں اسے (یعنی حضرت عائشہؓ کو) قرآن پڑھ کر دم کرتا ہوں امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا فتوی یہی ہے کہ قرآن اور جو کلام اللہ کے ذکر پر مشتمل ہو اس سے دم کرنے

میں کوئی حرج نہیں ہے
امام محمد نے اس حدیث پر جو دم کے جواز کا فتوی دیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کتاب اللہ سے مراد قرآن ہے تورات نہیں ورنہ ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس یہودی عورت سے کہا کہ اور دموں کو چھوڑ تورات سے دم کر۔ امام محمد کا یہاں صراحت سے قرآن کا لفظ لکھنا بتلاتا ہے کہ انکے ہاں حضرت ابوبکرؓ علاج بالقرآن کا یہ سبق دے رہے تھے اور آپ خود دم کررہے تھے

سانپ کے ڈسے کا قرآن سے علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ ایک سفر پر نکلے وہ ایک قبیلے کے ہاں گئے انہوں نے انکو مہمان نہ بنایا (اس بے قدری کا نتیجہ یہ نکلا) کہ انکے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا اور کسی طرح اسکا علاج نہ ہوپایا انہوں نے اب ان قافلہ والوں سے پوچھا کیا تمہارے ہاں اسکا کوئی چارا ہوسکے گا صحابہ نے کہا ہاں لیکن اس پر انہیں فیس ادا کرنی ہوگی اسی بکریوں پر بات طے پاگئی انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اسے آرام آگیا انہوں نے طے کردہ فیس ادا کی دم کرنے والے نے کہا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر باہم تقسیم نہیں کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے پوچھا تو آپ نے انہیں اسکے بانٹ لینے کی اجازت مرحمت فرمادی (دیکھئے صحیح بخاری ج ۱ ۳۰۴ - ج ۲ ص ۸۵۵)
امام بخاری نے ان روایات پر اس طرح باب باندھے ہیں - باب الرقی بالقرآن والمعوذات - باب الرقی بفاتحه الکتاب - باب الشرط فی الرقیه بقطیع من الغنم - باب رقیه العین - باب رقیه الحیه والعقرب - باب رقیه النبی - باب النفث فی الرقیه وغیرها من الابواب۔
ان سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے علاوہ بدنی شفا کی بھی تاثیر رکھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام قرآن کریم اور دوسرے متبرک کلمات سے مریضوں کا علاج کرتے رہے ہیں - صحیح مسلم ج ۲

ص ۲۲۴ پر باب بندھا ہے جواز اخذ الاجرہ علی الرقیہ بالقرآن والاذکار اور اس میں وہ حدیث موجود ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے والے سے خود اپنے لئے بھی حصہ مانگا۔ اس سے پتہ چلا کہ دم اور تعویذ پر لیا مال اسی طرح پاک وحلال ہے جس طرح ڈاکٹروں اور حکیموں کیلئے علاج کرنے پر اجرت لینی جائز ہے دم اور تعویذ بھی تو آخر ایک طریق علاج ہے۔

علی الاطلاق قرآن سے علاج

حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
خیر الدواء القرآن (سنن ابن ماجہ ص ۲۵۰) (ترجمہ) بہترین دوا قرآن ہے
اس میں دوسرے طریق علاج سے ہٹانا مقصود نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کئی مواقع پر مختلف ادویات تجویز فرمائیں لیکن خیر الدواء قرآن کریم کو فرمایا جو سینکڑوں روحانی اور بدنی امراض کا روحانی علاج ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا
علیکم بالشفاء من العسل والقرآن (رواہ ابن ماجہ)
اس میں آپ نے دوا اور دم دونوں سے علاج کی تعلیم دی ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں
اعظم رقیہا قرآن عظیم است وافضل آن سورہ فاتحہ است وقرات معوذتین وآیہ الکرسی وآیا تیکہ مشتمل اند بر معنی استعاذہ (اشعۃ اللمعات)
(ترجمہ) سب سے بڑا دم قرآن کریم ہے اور اس میں افضل سورہ فاتحہ اور آخری دو سورتیں اور آیت الکرسی ہیں اور وہ آیات بھی جو استعاذہ کے معنی پر مشتمل ہیں
ایک مرتبہ حضرت ابوھریرہؓ بیمار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عیادت کیلئے تشریف لائے آپ نے فرمایا
الا ارقیک برقیہ جاء نی بہا جبرئیل (سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱)
(ترجمہ) کیا میں تجھے وہ دم نہ کروں جو جبرئیل میرے پاس لائے ہیں
آپ نے کہا ہاں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیوں نہیں۔ آپ نے پھر تین بار

یہ کلمات پڑھے

بسم الله ارقیک والله یشفیک من کل داء فیک من شر النفثت فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد

حضرت شیخ عبدالغنی المجددی انجاح الحاجہ میں لکھتے ہیں

خیر الدواء القرآن کونه خیر الدواء للتنزیل وننزل من القرآن ماهو شفاء ورحمه للمومنین بل فی کل سوره او آیه شفاء ورحمه مملو ومشحون کما قال المخبر الصادق فی فضائل الفاتحه انها دواء من کل داء علی ان فی کل لفظ وحرف منه شفاء لکل داء ظاهرا وباطنا حسیا او معنویا تعجز فی تحریر فضائلها الاقلام (حاشیہ سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) بہترین دوا قرآن ہے اسکا خیر الدواء ہونا قرآن کریم کی آیت شفاء کے بالکل مطابق ہے بلکہ اسکی تو ہر سورت میں اور ایک ایک آیت میں شفاء ہے اور بھرپور رحمت ہے جیسا سچ خبر دینے والے ہمارے آقا نے سورہ فاتحہ کے فضائل میں فرمایا ہے کہ یہ ہر مرض کا علاج ہے بلکہ اسکے ہر لفظ اور ہر حرف میں شفا ہے ہر مرض کی خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی - حسی ہوں یا معنوی - قلم اسکے فضائل لکھنے سے عاجز آرہے ہیں

جن مریضوں پر جادو کا عمل ہو یا ان پر جنات کا اثر ہو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر تھا اور پھونک لگانے والیوں نے اس پر جادو کی گرہیں باندھیں تھیں اللہ تعالی نے ان اثرات کے ازالہ کیلئے معوذتین (قل اعوذ برب الفلق - اور قل اعوذ برب الناس) اتاریں اس سے معلوم ہوا کہ جو امراض جادو کے عمل سے ہوں علاج بالقرآن سے انکا ازالہ بھی ہوسکتا ہے - یہود جادو کے عمل میں بہت طاق تھے

حضرت کعب بن احبارؓ انہی سے نکل کر صف اسلام میں آئے تھے اسلئے انکے خلاف انکی جادو کی کوششیں بہت سخت تھیں انکا اپنا عمل بھی بہت تیز تھا سو یہود کا ان پر کچھ اثر

نہ ہوسکا وہ آپ کی شکل مسخ کرنے کے درپے تھے ۔ آپ فرماتے ہیں
لولا کلمات اقولھن لجعلتنی الیھود حمارا (موطا امام مالک ص)
(ترجمہ) اگر وہ کلمے میرے پاس نہ ہوتے جنہیں میں پڑھتا ہوں تو یہود مجھے گدھے کی صورت میں ڈھال دیتے
پھر آپ نے وہ کلمات بیان بھی کردئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے سے بڑے جادو کا علاج بھی اللہ تعالیٰ کے پاک کلمات سے ہوسکتا ہے
حضرت یحی بن سعید کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات ایک بڑا دیو نظر آیا گویا اسکے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر آپ کو کچھ کلمات بتلائے کہ انکے پڑھنے سے اس جن کا یہ شعلہ بجھ جائے گا وہ کلمات یہ تھے

اعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات التى لايجاوزهن بر ولافجر من شر ماينزل من السماء ومن شر مايعرج فيها وشر ماذراء من الارض وشر مايخرج منها ومن فتن الليل والنهار ومن طوارق الليل والنهار الا طارقا يطرق بخير يارحمن (رواه مالک ص۳۷۷)
(ترجمہ) میں اللہ کریم کی پناہ میں آتا ہوں اور اللہ کے ان کامل کلمات کی جن سے کسی نیک وبد کو مخلصی نہیں اس شر سے جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور اس سے جو زمین نے اگلایا اور اس سے جو زمین نے اگلا اور رات اور دن کے فتنوں سے مگر وہی وارد جو خیر سے گذر جائے اے رحم کرنے والے
سنن نسائی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ نے یہ کلمات پڑھے تو وہ دیو گر گیا اور آگ کا شعلہ بجھ گیا
اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے پاک اور طیب کلمات کو جادو اور جنات کے اثرات دفع کرنے میں خاص دخل ہے

دم اور دوا کا مقابلہ

باطنی انداز میں آنے والے سفلی اثرات وہ جادو سے ہوں یا جنات سے - یا اچانک ہونے والے خطرناک واقعات جیسے سانپ کا یا بچھو کا ڈسنا یا اچانک کسی وبا کا آنا ان سب کے دفاع میں پاک کلمات کی روحانی تاثیر اور علاج بالقرآن زیادہ مفید ہے

رہے وہ امراض جو اخلاط فاسدہ کے سبب سے یا غذا کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں انکا ازالہ مناسب دواوں سے کیا جائے گو ان میں بھی برکات الہیہ اور کلمات قدسیہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے البتہ ان روحانی اعمال کیلئے کچھ شرائط ہیں جنکی پاسداری ضروری ہے -.شیخ المحدثین حضرت علامہ بدر الدین العینی (۸۵۵ ھ) لکھتے ہیں

ان الرقی یکره منها ماکان بغیر اللسان العربی وبغیر اسماء الله تعالی وصفاته وکلامه فی کتبه المنزله وان یعتقد ان الرقیه نافعه لامحاله فیتکل علیها وایاها (عمدہ القاری ج ۱۱ ص ۲۴۲)

(ترجمہ) دم وہی مکروہ ہے جو عربی الفاظ کے بغیر ہو اور اللہ تعالی کے ناموں اور اسکی صفات اور اسکے کلام سے جو اسکی نازل کردہ کتابوں میں ہے نہ ہو اور یہ کہ وہ اعتقاد رکھے کہ دم ضرور ہی اثر دکھائے گا اور وہ اس پر بھروسہ کیئے رہے

علامہ عبدالروف مناوی جامع صغیر کی شرح میں لکھتے ہیں

لکن مع الاخلاص وفراغ القلب من الاغیار واقباله علی الله بکلیته وعدم تناول الحرام وعدم آثام واستیلاء الغفله علی القلب فقراءه من هذا حاله مبری الامراض وان اعیت الاطباء (فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۴ ص ۵۶۲)

(ترجمہ) شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو یعنی دل کو غیروں سے فارغ اور خالی کرکے اللہ تعالی کی طرف پورے طور پر توجہ کے ساتھ ہو حرام کا تناول اور معاصی میں ابتلاء نہ ہو اور قلب پر غفلت کا غلبہ نہ ہو جس کا یہ حال ہوگا اسکی قرات جملہ امراض سے شفاء بخشنے والی ہے اگرچہ ان امراض کے علاج سے اطباء عاجز آچکے ہوں

پہنے کپڑوں میں باریک روحانی اثرات

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بسا اوقات علاج بالقرآن کرنے والے مرض کی صحیح تشخیص کیلئے پہنا کپڑا جو بدن سے لگا ہو اس فن کے ماہرین اس سے بھی مرض کے اثرات معلوم کرتے ہیں اسے بعض اوقات ایک ظاہری عمل کہہ کر لوگ اہمیت نہیں دیتے لیکن قرآن کریم کا جب یہ واقعہ سامنے آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیص دی تھی اور کہا تھا کہ اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس سے سالہا سال کے بچھڑے بیٹے کی خوشبو آگئی اور انکی بینائی لوٹ آئی ۔ سو اس باریک سلسلہ اسباب کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اس لائن سے مناسبت رکھتے ہوں دوسروں کو اسے محض ایک دل لگی نہ سمجھنا چاہئے

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہر لفظ کے وہی معنی ہیں جن کیلئے لغت میں اسکی وضع ہوئی لیکن ہم اس سے بھی انکار نہیں کرسکتے کہ انہی الفاظ کو جب کوئی پیرائے (باہم اشارے کی حیثیت) میں استعمال کرتے ہیں تو اس میں اسکا ایک باطنی پیرایہ مراد ہوتا ہے جس پر اسکی دلالت لفظی نہیں ہوتی ۔ ممکن ہے کہ قرآن کریم کے ہر ہر لفظ کا ایک ظہر ہو اور ایک بطن ۔ اسکی لفظی دلالت اسکے ظاہر سے ہو اور اسکی اثری سرایت اسکے بطن سے ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لکل آیہ منہا ظہر وبطن (صحیح ابن حبان حدیث ۷۴ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۲)

(ترجمہ) قرآن کریم کی ایک ایک آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے

ظاہر سے مراد اسکی عبارت اور اسکا حکم ہے یہ اسکا علمی اثر ہے اور بطن سے مراد اسکا اندرونی اثر ہے جو بسا اوقات کئی حقائق کا پتہ دیتا ہے اور بعض مرتبہ بڑے بڑے صدموں کو روکتا ہے اس میں وہ معنی مراد نہیں ہوتے جن کیلئے بات کہی گئی اور الفاظ وضع ہوئے بلکہ یہ ان الفاظ کے باطنی پیرائے ہیں جو آیت کے معنی مذکور کے امثال کی طرف راجع ہورہے ہیں اور ان حقائق کا روحانی اثر پھر بڑے بڑے صدموں کا مقابلہ کرلیتا ہے

مثال لیجئے ۔ سورہ کہف میں اصحاب کہف کے چند خرق عادت امور کا تذکرہ ہے اس میں حضرت خضر کے کچھ اسرار علم بھی مذکور ہیں ان آیات کا ظاہر خدا کی قدرت کا بیان

اور اسکے کچھ بندوں کا امتحان ہے مگر ان آیات کا باطن استدراج کے خرق عادت امور اور اسکے پوشیدہ پہلوؤں کا سد باب ہے ۔ سو جو شخص سورہ کہف پڑھے گا اس کے باطنی پیرائے اس سے دجال کے فتنہ اور اسکے خرق عادت استدراجات کو روکیں گے ۔ حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ذکر میں فرمایا

فمن ادرک منکم فلیقراء علیہ فواتح سورہ الکہف (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۱)

(ترجمہ) تم میں سے جو اسے پائے اسے چاہئے کہ اس پر سورہ کہف کے فواتح (یعنی ابتدائی آیات) پڑھ دے

فواتح سورہ کہف میں جو مضمون مذکور ہے وہ ان آیات کا ظاہر ہے اور جو روحی اثر ان میں منطوی ہے وہ آئندہ کے استدراجی فتنوں کا سد باب ہے ۔ قرآن بے شک ایک راہ عمل ہے لیکن اللہ کا کلام ہونے کے پہلو سے اس میں زمین و آسمان ہلادینے تک کی اثرات ہیں جو عارفین ان اثرات کو پہچان لیتے ہیں وہی اسکے باطنی اثرات کی خبر دے سکتے ہیں ۔ حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من حفظ عشر آیات من اول سورہ الکہف عصم من الدجال (رواہ مسلم مشکوہ ص ۱۸۵)

(ترجمہ) جس نے سورہ کہف کی پہلی دس آیتوں کا وظیفہ کیا وہ دجال کے فتنہ سے بچا رہا

اگر قرآن کی تاثیر اس طرح ظاہر ہوتی کہ پہاڑ اس سے چلنے لگتے ۔ اس سے زمین کے قطعات بنتے اور مردے اس سے بول پڑتے تو یہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ کتاب سے ایسے ایسے اثرات بھی دکھا سکتا ہے لیکن اس نے چاہا کہ قرآن مجید ان چند ظاہری عجائب سے بالا رہ کر پوری دنیا کو تسخیر کرنے کی تاثیر دکھاوے اور وہ اس نے دکھاوی

ولو ان قرآنا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض اوکلم بہ الموتی بل للہ الامر جمیعا (پ ۱۳ الرعد ۳۱)

(ترجمہ) اور اگر قرآن ہوتا کہ چلیں اس سے پہاڑ یا ٹکڑے ہووے اس سے زمین یا

بول اٹھیں اس سے مردے تو کیا ہوتا بلکہ یہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں
شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں
یعنی اگر کوئی ایسی کتاب اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی نشان پورے ہوجاتے تو وہ بجز قرآن کے اور کونسی ہوسکتی تھی - یہی قرآن ہے جس نے روحانی طور پر پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے لوگوں کو انکی جگہ سے ہٹایا قلوب بنی آدم کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفت الٰہی کے چشمے جاری کردئے - وصول الی اللہ کے رستے برسوں کی منٹوں میں طے کراوئے مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی جب ایسے قرآن سے تم کو شفاء وہدایت نصیب نہ ہوئی تو فرض کرو تمہاری طلب کے موافق اگر یہ قرآن مادی اور حسی طور پر وہ سب چیزیں دکھلادیتا جنکی فرمائش کرتے ہو تب بھی کیا امید ہے کہ تم ایمان لے آو (فوائد القرآن)
اس سے پتہ چلا کہ ایک کتاب سے ایسی مادی اور حسی تاثیرات دکھانا خدا کی قدرت میں ہے اور اس نے اس سے بڑھ کر اس کتاب کی سریع روحانی تاثیرات دکھائیں مگر ایسے اثرات پر پھر آخرت کا سنورنا متوقع نہ تھا تاہم ایک کتاب کے ایسے اثرات سے انکار نہیں کیاجاسکتا

ایک سوال اور اسکا جواب

جب ہر بیماری کی کوئی نہ کوئی دوا ہے تو اس دوا کو چھوڑ کر آیات سے علاج کرنا اور متبرک کلمات پڑھ کر دم کرنا کیا فطرت سے انحراف نہیں حضرت جابر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لکل داء دواء فاذا اصبت دواء الداء برء باذن الله تعالی (رواه احمد ج ۵ ص ۹۳)
(ترجمہ) ہر بیماری کیلئے کوئی دوا ہے جب تجھے کسی بیماری کی دوا ملے تو اس سے تندرستی ہوگی اللہ کے حکم سے
الجواب - دوا صحت کیلئے اصل نہیں صحت کیلئے اصل چیز اذن الٰہی ہے اگر یہ اذن دوا

سے متعلق ہوسکتا ہے تو کلمات مبارکہ سے متعلق کیوں نہیں ہوسکتا اللہ تعالی نے اپنے بعض کلمات میں بھی بڑی گہری تاثیر رکھی ہے اور ان کلمات کی تاثیر اور اس سے علاج ہوسکنے پر امت کا اجماع ہے سو اسکے ذریعہ علاج نہ ہوسکنے پر کسی کا اختلاف ہے اور نہ ہی اسکی تاثیرات میں کوئی شبہ ہے

تاہم اس روحانی علاج کے باعث عنصری علاج سے بے پروا ہونا درست نہیں اور دعا اور دوا کے جمع ہونے میں کوئی قبح نہیں - لیکن وہ بیماریاں جو اخلاط فاسدہ کے باعث نہ ہوں وہ علاج بالقرآن سے ہی درست ہوتی ہیں اور وہ پاک اور طیب کلمات جو گو قرآن کے نہیں مگر احادیث میں ان سے دم کرنے کی تاکید وارد ہوئی وہ بھی سب علاج بالقرآن کے حکم میں داخل ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو باطل کا ہر طلسم توڑنے اور انسانی واہمہ سے ہر وہم کو دور کرنے کیلئے تشریف لائے تھے آپ کا پاک کلمات کے دم اور پھونک کو باقی رکھنا بتلاتا ہے کہ ان دلوں کی تاثیر اور علاج بالقرآن میں ہرگز کسی وہم کو دخل نہیں - یہ وہ راہ علاج ہے جسے اس دور کے پاکیزہ دل انسانوں نے بھی اختیار کیا تھا

دم اور تعویذ میں فرق

بعض مرتبہ طلبہ میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ دم میں اور تعویذ میں کیا فرق ہے سو یاد رکھئے کہ ان میں وہی فرق ہے جو کلام الہی اور کتاب میں ہے قرآن کریم لکھا جارہا ہے اور کلام اللہ پڑھا جارہا ہے یہ کتاب اللہ ہے - جس طرح ہم کلام اللہ کی عزت کرتے ہیں ناپاک ہونے کی حالت میں اسے زبان پر نہیں لاتے ہیں قرآن کریم کتاب کی صورت میں ہے تو اسے چھو بھی نہیں سکتے - اگر یہ لکھا ہوا قرآن واجب الاحترام نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ جب تم دشمن کے علاقے میں جاو تو لکھا ہوا قرآن (مصحف) وہاں نہ لے جاو کہیں وہ دشمن کے ہاتھ لگے اور وہ اسکی بے احترامی کریں - علاج بالقرآن دم سے ہوسکتا ہے تو لکھے ہوئے پاک اور طیب کلمات سے کیوں نہیں ہوسکتا وہاں بھی اس میں تاثیر اذن الہی سے آتی ہے اور تعویذ میں بھی

حروف وکلمات موثر بالذات نہیں - اثر خدا کی طرف سے آتا ہے جب وہ چاہے - رہا پاک کلمات کو حروف میں لکھنا تو اس میں ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ان کلمات اور آیات پر دلالت لفظی ہو تو یہ وہ صورت ہے جو ہمیں عیاناً (کھلی ہوئی) نظر آتی ہے اور دلالت وضعی ہو تو یہ ان کلمات کے حروف ابجد ہیں اور ان میں بھی اثر خدا کی طرف سے ہی آتا ہے - یہ حروف بالذات کوئی اثر نہیں رکھتے

تعویذ میں روحانی اثرات

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی نیند میں گھبراجائے اسے چاہئے کہ وہ یہ کلمات پڑھے
اعوذ بکلمات الله التامات من غضبه وعقابه وشر عباده ومن همزات الشياطين وان يحضرون
تو وہ خواب اسے ہرگز نقصان نہ دے گا - آپ کے پوتے کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کی اولاد میں جو بالغ ہوجاتا آپ اسے یہ کلمات سکھادیتے اور جو نابالغ ہوتا آپ اسکے گلے میں یہ دعا لکھ کر لٹکادیتے تھے
وكان عبدالله بن عمرو يعلمها من بلغ من ولده ومن لم يبلغ منهم كتبها في صك ثم علقها في عنقه رواه ابو داود والترمذی (مشکوۃ ص ۲۱۷)
اس سے معلوم ہوا کہ کلام پاک کا پڑھنا اور کلمات مبارکہ تعویذ لکھکر بنانا اور اسے بدن سے باندھنا دونوں عمل جائز ہیں اگر ان تعویذات کا لکھنا اور گلے میں لٹکانا ناجائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی کبھی اپنے بچوں کے گلے میں تعویذ نہ ڈالتے
حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے اس عمل سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ تعویذات کے اثر کے قائل تھے جبھی تو آپ نے تعویذ لکھا اور اسے اپنے بچوں کے گلے میں ڈالا یہ کلمات کوئی روحانی تاثیر نہ دیتے تو آپ ہی بتلائیں کیا صحابی رسول ایسا عمل کرتے ؟ - ہاں اس تاثیر میں اذن الہی کو شرط جاننا ضروری ہے

مجدد ماۂ دہم حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴) اس حدیث پر لکھتے ہیں کہ
وھذا اصل فی تعلیق التعویذات التی فیھا اسماء اللہ تعالی (مرقات ج ۵ ص ۲۳۶)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تعویذات جو اسمائے الہیہ اور کلمات مبارکہ پر مشتمل ہوں اپنے اندر ایک روحانی اثر رکھتے ہیں اور اس سے مریضوں کا علاج کرنا علاج بالقرآن ہی ہے - ہاں وہ تعویذات جو شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہوں انکی قطعا اجازت نہیں - جن روایات میں تمائم اور رقی کو شرک کہا گیا ہے اس سے مراد اسی قسم کے دم اور تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ واعمال کا دخل پایا جائے التمائم میں الف لام انہی کیلئے ہے - اور جو دم اور تعویذ اس سے خالی ہوں انکا استعمال جائز ہے اور اسکے روحانی اثرات ثابت ہیں - حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم دور جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بابت پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا
اعرضوا علی رقاکم لاباس بالرقی مالم یکن فیہ شرک (رواہ مسلم مشکوۃ ص ۳۸۸)

(ترجمہ) مجھے اپنے دم بتاؤ ان دموں میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان میں کوئی کلمہ شرک نہ ہو

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دم اور تعویذ میں اصل وجہ منع کفر و شرک ہے جب یہ نہ ہو تو وہ دم اور تعویذ جائز ہیں - علامہ شوکانی ابن ارسلان سے نقل کرتے ہیں کہ
قال ابن لرسلان فالظاھر ان ھذا جائز لااعرف الان مایمنعہ فی الشرع (فتاوی اہل حدیث ج ۱ ص ۱۹۳)

ابن ارسلان کہتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ جائز ہیں شریعت میں اسکے منع کی کوئی دلیل میں نہیں جانتا

شفاء بنت عبداللہ سے روایت ہے کہ میں ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے مجھے کہا
الا تعلمین ھذہ رقیہ النملہ کما علمتھا الکتابہ (مسند امام احمد ج ۱۷ ص ۱۷۹ مبوب)

اے شفاء کیا تو انہیں (یعنی حضرت حفصہؓ کو) نملہ کا دم نہیں سکھادیتی جیساکہ تونے انہیں لکنا سکھادیا ہے
اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دم اور تعویذ جس میں کفروشرک اور غیر معروف الفاظ نہ ہوں اور الفاظ میں ذاتی تاثیر نہ سمجھی جائے اسکے منع پر کوئی دلیل وارد نہیں ۔ شیخ احمد عبدالرحمن البناء لکھتے ہیں کہ یہ ہرگز ممنوع نہیں بلکہ سنت ہے فلانھی فیہ بل ھو سنہ (ایضا ص ۱۷۷)

ہاتھوں پر دم کرنا اور پھر ہاتھوں کا بدن پر ملنا

ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری مرض میں اپنے اوپر معوذتین پڑھ کر دم کرتے تھے (اور ہاتھ کو اپنے بدن پر پھیرتے) اور جب آپ کیلئے بوجہ تکلیف یہ گراں ہوا تو میں آپ پر ان سورتوں کا دم کرتی
انفث علیہ بھن وامسح بیدہ نفسہ لبرکتھا (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۴)
(ترجمہ) میں آپ پر ان سورتوں سے دم کرتی اور آپ کا ہاتھ آپ کے بدن پر پھیرتی کہ اسکی برکت حاصل ہو
محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست شفا میں شفا کی خاصیت عام معجزات کی طرح وقتی اور غیر اختیاری نہ تھی بلکہ اسکا طبعی اثر تھا یہاں حضرت عائشہ کی فہم کتنی قابل داد ہے کہ وہ اس رمز کو جانتی تھیں اور اس لئے آپ کی بیماری کے معمول کو اس طرح پورا کرتی تھیں کہ جہاں تک معوذات کا تعلق تھا وہ تو خود پڑھ لیتیں اور بیماری میں آپ کو اسکی تکلیف نہ دیتیں لیکن جہاں دیکھتیں کہ اب یہاں وہ نیابت سے قاصر ہیں وہاں مجبور ہوکر آپ ہی کے دست مبارک کو استعمال کرتیں معلوم ہوا کہ نبی کے ہاتھ میں کوئی خاص امتیازی خاصیت ہوتی ہے جس میں عام بشر تو کیا امہات المومنین بھی شرکت نہیں رکھتیں (ترجمان السنہ ج ۳ ص ۲۵۱)
نواب صدیق حسن خان نے الدین الخالص میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے ۔ اور انہوں

نے بھی دم اور تعویذ کو جائز قرار دیا ہے البتہ ان سے پرہیز کرنے کو افضل کہتے ہیں اور یہ اپنے آپ کو ان ابرار میں لاتا ہے جو اسباب اختیار نہیں کرتے ۔ حافظ عبداللہ روپڑی صاحب نواب صاحب کی یہ عبارت پیش کر کے لکھتے ہیں

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صرف شرک والی صورتیں منع ہیں باقی جائز ہیں ہاں پرہیز افضل ہے (فتاوی اہلحدیث ج ۱ ص ۱۹۳)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں

راجح یہ ہے کہ آیات یا کلمات صحیحہ دعائیہ جو ثابت ہوں انکا تعویذ بنانا جائز ہے ۔ ہندو ہو یا مسلمان ۔ صحابہ کرامؓ نے ایک کافر بیمار پر سورہ فاتحہ پڑھکر دم کا تھا (فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۳۳۹)

مشہور اہلحدیث (باصطلاح جدید) عالم مولانا شرف الدین دہلوی اسکی تائید میں لکھتے ہیں کہ

عبداللہ بن عمرو بن العاص صحابی اعوذ بکلمات اللہ الخ ساری دعا لکھ کر اپنے بچوں کے گلے میں لٹکادیا کرتے تھے (ایضا)

ہم اس وقت خاص مسئلہ تعویذ پر گفتگو نہیں کررہے ہیں یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ علاج بالقرآن کی ایک قسم تعویذ بھی ہے اور اسکے روحانی اثرات کا انکار نہیں کیاجاسکتا ۔ بہت سے مریض تعویذوں میں لکھی گئی آیات قرآنیہ اور کلمات دعائیہ کی برکت سے کئی لاعلاج امراض سے نجات بھی پائے ہیں ۔ ہاں ان میں تاثیر ان کلمات کی ذات سے نہیں اللہ رب العزت کے حکم سے ہی آتی ہے

اگر ان تعویذات اور دموں میں کوئی روحانی تاثیر نہ ہوتی اور اسکا باطنی نفع نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے قرآن کی آخری تین سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک نہ مارتے اور انہیں اپنے بدن پر نہ ملتے ۔ آپ یہ عمل تین مرتبہ فرماتے حتی کہ مرض الموت میں جب آپ خود کمزوری کی وجہ سے ایسا نہ کرسکے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے انہی سورتوں کو پڑھا اور آپ کے ہاتھوں پر پھونک لگائی اور پھر آپ کے ہاتھوں کو آپ کے بدن مبارک پر مل لیا

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آپ کو دم کیا تھا (رواہ مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سورتوں کو پڑھ کر ہاتھوں پر دم کرنا اور پھر اپنے ہاتھوں سے پورے بدن کو ملنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان آیات میں ضرور روحانی اثر ہے اور یہ شیطانی اثرات سے بچانے کا ایک خاص عمل ہے جو بظاہر نگاہوں سے مخفی ہوتا ہے لیکن باطنی آنکھ والے انکی تاثیرات کھلے طور پر دیکھتے ہیں - اور پڑھنے کے ساتھ ہاتھ پھیرنا یہ بھی ہرگز منع نہیں

یاد رہے کہ دم اور تعویذ میں وہی فرق ہے جو کلام میں اور کتاب میں ہے - دونوں کا اپنا اپنا مقام ہے اور دونوں کا اپنا اپنا احترام ہے

(نوٹ) اہل حدیث (باصطلاح جدید) عالم مولانا عبدالوہاب دہلوی کے نزدیک شرکیہ الفاظ سے بھی دم کیا جاسکتا ہے - موصوف لکھتے ہیں

سانپ بچھو کتے وغیرہ زہریلے جانوروں کے کاٹے ہوئے پر شرکیہ الفاظ سے غیر مسلم یا مسلم دم جھاڑا کردے تو کوئی مضائقہ نہیں (دیکھئے صحیفہ اہل حدیث جمادی الثانی - ۱۹۴۶ء بحوالہ ظل محمدی)

مولانا کے صاحبزادے مفتی عبدالستار لکھتے ہیں

اگر کسی مسلمان کی خیر خواہی کیلئے بوقت ضرورت و مجبوری کر بھی دے تو کوئی مضائقہ نہیں - (ایضا)

علاج بالقرآن کے پاکیزہ عنوان کے تحت ہم اہل حدیث (باصطلاح جدید) حضرات کے اس فتوی سے موافقت نہیں کرسکتے - شرک شرک ہے وہ جس شکل میں بھی اور جس راہ سے بھی آئے ہمیں اس سے بچنا چاہئے

روحانی علاج پر اجرت لینا

مادی دواوں سے علاج کرنا یہ بھی ایک انسانی خیرخواہی ہے اور اس پر وقت لگتا ہے معالج کو اپنے آپ کو فارغ کرنا پڑتا ہے اور اسے اس فراغت وقت پر قیمت دی جاتی ہے اسکی فنی قابلیت پر بھی اسکا حق تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح مریض کے روحانی علاج میں بھی ایک انسانی خیرخواہی ہے اور اس پر بھی وقت لگتا ہے اور اس میں بھی فنی قابلیت کا

کسی درجہ میں دخل ہے سو کوئی وجہ نہیں کہ اس پر اجرت لینا جائز نہ ہو صحابہ کرام سے ایسا ثابت ہے اور فقہاء کرام نے بھی اسکی اجازت دی ہے شارح مسلم امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں

هذا تصريح بجواز اخذ الاجره على الرقيه بالفاتحه والذكر وانها حلال لاكراهيه فيها وكذا الاجره على تعليم القرآن وهذا مذهب الشافعي ومالك واحمد واسحق وابى ثور وآخرين من السلف ومن بعدهم ومنعها ابوحنيفه في تعليم القرآن واجازها في الرقيه (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۴)

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ دم سے لی گئی ان بکریوں میں میرا حصہ بھی رکھو یہ صراحت ہے کہ دم پر جو سورہ فاتحہ پڑھ کر کیا جائے یا اور کسی ذکر سے اس پر اجرت لینا جائز ہے اور یہ حلال ہے اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں اسی طرح تعلیم قرآن پر اجرت لی جاسکتی ہے یہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے البتہ امام ابوحنیفہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو منع کرتے ہیں اور دم کرنے پر اجرت لینے کو وہ بھی جائز کہتے ہیں

تعلیم قرآن امام ابوحنیفہ کے نزدیک محض عبادت ہے اور یہ تلاوت کے حکم میں ہے انکے ہاں جس طرح تلاوت پر اجرت نہیں لی جاسکتی تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا اخذ على كتاب الله اجرا کیا میں کتاب اللہ پر (قرآن پڑھنے پر) اجرت لے سکتا ہوں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا

ان احق ما اخذتم عليه اجرا كتاب الله - (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۴)

امام بخاری نے اسے کتاب المرضی میں ہی روایت کیا ہے - سو یہاں مراد علاج کے طور پر قرآن پڑھنا ہے تلاوت اور عبادت کے طور پر نہیں - حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں

المراد الرقيه لا التلاوه (فتاوی ج ۲ ص ۱۹۸)

علاج اور تشریع میں فرق

علاج مریض کے اپنے حالات کے پیش نظر ہوتا تشریع شریعت کے تقاضوں سے ہوتی ہے مثلاً ایک بے نماز شخص اپنے شیخ سے کہتا ہے میں صرف دو نمازوں کا وعدہ کرتا ہوں مجھ سے پانچ نہیں پڑھی جاتیں تو اگر شیخ اسے کہتا ہے تم دو ہی پڑھ لیا کرو تو یہ وہ بطریق علاج کہتا ہے کہ اگر یہ دو پر آگیا تو پانچ پر بھی آجائے گا اسے دو پر لانا علاج ہے اور پانچ پر لانا شریعت ہے۔

جب شیخ نے اسے دو نمازیں پڑھنے کی اجازت دی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پیر اور مرید پانچ نمازوں کے قائل نہ رہے تھے شریعت وہ پانچ نمازوں کو ہی سمجھتے تھے مگر اس نیکی پر لانے کے لیے شیخ نے اسے دو نمازوں کی ادائیگی بطریق علاج کہی تھی۔

آنحضرتؐ بھی اگر کسی خاص شخص کو عام حکم شریعت کے خلاف کسی بات کی اجازت دیں تو وہ علاج اور مصلحت پر محمول ہوگی یہ نہیں کہ آپ نے اس شخص کی خاطر شریعت کو بدل دیا، حلال و حرام اور فرض و مندوب کا سرچشمہ الٰہی ہدایت ہے پیغمبر اس کے ترجمان ہیں۔ وہ اس الٰہی قانون کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے اگر کبھی کہیں تو وہ علاج کے درجہ میں ہوگی اسے الٰہی قانون میں تبدیلی نہیں کہہ سکتے۔

ہاں فقہاء جو بات کہیں وہ علاج اور حکمت کی رو سے نہیں شریعت کی بات کہتے ہیں وہ نص سے کہیں یا استنباط سے (یہ اجتہاد کی راہ بھی تو شریعت کی ہی بتلائی ہوئی ہے) حضرت جنیدؒ کی بات اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بات یہ جوہری فرق ہے۔ مسائل میں فقہاء کی بات مانی جائے گی صوفیہ کی نہیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

> صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے۔ ہمیں اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔ (دفتر اول صفحہ ۱۴۷)

من احدث فی امرنا ھذا

"جس نے ہمارے اس کام میں کوئی نئی راہ نکالی" ان الفاظ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اپنے ساتھ رکھا ہے۔ ہمارے کام سے مراد وہی راہ ہے جو آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی ہو۔

امرنا میں نا. جمع متکلم ہے. صرف حضورؐ کی بات ہوتی تو آپ امری فرماتے امرنا نہ فرماتے.

حضورؐ نے ختم نبوت کی خبر لا نبی بعدی سے دی تھی. فرمایا میرے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا بدعت کے لیے یہ نہ کہا. من احدث فی امری ھذا (جس نے میرے اس طریقہ میں کوئی نئی راہ نکالی) بلکہ فرمایا فی امرنا ھذا (ہمارے اس طریقہ میں) اس سے پتہ چلا کہ صحابہؓ بدعت کا موضوع نہیں ہیں بدعت کی حد صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوگی.

صحابہؓ جن امور میں متفق ہوں وہ سبیل المؤمنین ہے اور قرآن کریم کی رو سے اس کے خلاف چلنا جہنم میں جانے کی راہ ہے. حضرت عمرؓ کے عہد میں سب صحابہؓ با جماعت تراویح پورا مہینہ پڑھنے پر جمع ہوئے. سب صحابہؓ نہ نسائی بیوی کو ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق کو تین طلاق قرار دینے پر جمع ہوتے حضرت عثمانؓ کے عہد میں سب صحابہؓ جمعہ کی دو اذانوں پر جمع ہوئے. سو صحابہؓ کے یہ اجماع پوری امت کے لیے دین ہوں گے دین میں نئی بات شمار نہ ہوں گے.

اس میں حضورؐ کے عہد حیات کی بات نہیں. حضورؐ کے بعد بھی صحابہؓ کے کسی اجماعی عمل کو نشانہ طعن نہ بنایا جاسکے گا. حضورؐ نے یہ بھی فرما دیا «لا تتخذوھم بعدی غرضًا» میرے بعد انہیں کسی اعتراض کا نشانہ نہ بنانا. اب جو کوئی ان کے کسی اجتماعی عمل کے خلاف کوئی بات کہے گا تو کیا اس نے انہیں اعتراض کا نشانہ نہ بنایا اور کیا اس نے اس ارشاد نبوت کی مخالفت نہ کی. دین ہے ہی وہ جو صحابہؓ نے اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسی دین کو مکمل فرمایا جو صحابہؓ کی عملی راہ تھی. الیوم اکملت لکم دینکم میں دین کی اضافت صحابہؓ کی طرف کی گئی ہے صرف نبوت کی طرف نہیں.

ہاں جس بات پر صحابہؓ کا اجماع نہ ہو بعض کا اپنا اپنا عمل ہو ان میں سے جس کی چاہو پیروی کرلو لیکن ہمیں بُرا کہنے کی ان کو بھی اجازت نہیں جو اس کے خلاف رائے اختیار کریں. اجتہادی امور میں حضورؐ نے مختلف رائے اختیار کرنے والوں میں سے کسی کی سرزنش نہیں فرمائی ولم یعنف احدًا (رواہ البخاری) مالیس منہ میں منہ کی ضمیر کس چیز کی طرف لوٹتی ہے؟ امرنا کی طرف اور وہ وہی دین ہے جو ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق ہے اس میں ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ صحابہ کا کوئی مجموعی موقف عمل رسالت کے خلاف نہیں ہوسکتا.

مالیس منہ کی شرح

ما الیس منہ بہت فصیح بات کہی یہ نہ کہا ما لیس فیہ یعنی جو بات اس دین میں نہیں وہ بدعت ہے یہ فرمایا جو اس میں سے نہیں وہ بدعت ہے یعنی کوئی نئی بات جو اس دین کے اُصولوں پر مستنبط کی گئی گو وہ اس دین میں بصورت حاضرہ موجود نہ تھی وہ بدعت نہ ہوگی بدعت شرعیہ وہ ہے جس کے لیے کتاب وسُنّت میں نہ کوئی دلیل نہ کوئی اس کی کوئی نظیر ہو۔ جس عمل کا ماخذ (نظیر بالمعنی الاعم) شریعت میں موجود ہو وہ بدعت شمار نہ ہوگی۔ حضرت علامہ شاطبی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں

لیس من شان العلماء اطلاق لفظ البدعة علی الفروع المستنبطة التی لم تکن فی ماسلف وان دقت [۱]

(ترجمہ) علماء کے مناسب نہیں کہ وہ کتاب وسُنّت سے استنباط کردہ فروع کو بدعت کہیں جو پہلے سے اس طرح موجود نہ تھیں اور بیشک وہ مسائل بہت باریک صورت میں اصل میں موجود تھے۔

بدعت وہی ہے جس پر ما لیس منہ کے الفاظ ٹھیک بیٹھ سکیں کہ وہ چیز دین میں کوئی جڑ نہ رکھتی ہو اگر اس کی کوئی جڑ ہے تو وہ دین میں سے ہوئی ما لیس منہ سے نہ ہوئی اجتہاد واستنباط کتاب وسُنّت کی گہرائیوں کے نکھارنے والے ہیں خود بات پیدا کرنے والے نہیں مجتہد کی دقت نظر سے شریعت کے فروع کھلتے ہیں مجتہد ان کا صرف مظہر ہوتا ہے۔ موجد نہیں ہوتا۔ امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں۔

اما القیاس والاجتھاد فلیس من البدعة فی شئ فانہ مظھر للنصوص لا مثبت لا ازائد [۲]

(ترجمہ) قیاس اور اجتہاد کسی طرح بدعت نہیں بنتا وہ نصوص میں چھپے معنی کو سامنے لاتا ہے کسی نئی چیز کو وجود نہیں دیتا۔

اصل سے قائم رہیں تو نئی چیز بھی بدعت نہیں بنتی اور اپنی عائد کردہ عادات اور قیود سے ثابت شدہ اعمال بھی بدعت بن جاتے ہیں۔ مثلاً

---

[۱] کتاب الاعتصام۔ جلد اوّل ص۲۷۵ ، [۲] مکتوبات شریف دفتر ۲ مکتوب ۱۸۲ ص۲۶۰

شریعت میں اذان کا وجود ہے۔ سُنّت قائمہ میں یہ نماز کے لیے کہی جائے گی یا نومولود کے کان میں کہی جائے گی۔ وبا کے دنوں میں بھی کہیں بلا عادت مستمرہ کہہ دی جاتی ہے اس کی حقیقت شرعی سے کسی کو انکار نہیں لیکن اگر کوئی گروہ اسے نماز جنازہ میں بھی کہنے لگے یا دفن کے وقت قبر کے پاس کہے تو ایک نئی تخصیص پیدا کرنے سے یہ ثابت حقیقت شرعی بھی بدعت ہو جائے گی یہ اس لیے نہیں کہ اذان بدعت ہے اذان کا یہ التزام اور اسے اس وقت اپنانا بدعت ہے اور یہ یقیناً ایک نئی بات ہے جسے قرون ثلثہ (پہلے ادوار) میں عادت نہیں بنایا گیا۔

اسلام میں کسی ثابت کردہ نیکی کو کسی ایسے وقت سے خاص کر دینا جس کے لیے شریعت میں کوئی اصل وارد نہیں اور اس عمل کو اس وقت سے خاص کرنے والا مجتہد نہیں کہ اس نے کسی وارد کی علت کو پا لیا ہو تو اس کا یہ عمل استنباط نہیں ایجاد سمجھا جائے گا۔ ہاں نئے حالات میں دین کے تقاضوں کو نئی شکل دینا جیسا کہ ان دنوں دینی مدارس کی شکل ہے اسے بدعت نہ کہا جا سکے گا۔ نہ مسجدوں میں گھڑیاں لگانا لاؤڈ سپیکر لگانا اور پنکھے لگا کسی طرح بدعت شمار ہو گا۔ یہ انتظامی چیزیں ہیں۔ علمی مسائل نہیں ہیں۔ بدعات اعمال کا نام ہے چیزوں کا نہیں۔

بست بابی فہرست مضامین قرآن

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

فہرست بست بابی
مضامین القرآن

کتاب القرآن
آٹھ ذیلی عنوان

تعارف

قرآن اللہ کا کلام ہے جو اُس نے اپنے بندے پر اُتارا
وانہ لتنزیل رب العلمین (پ۱۹ الشعراء ۱۹۲)
وانزل الفرقان علیٰ عبدہٖ (پ۱۸ الفرقان ۱)
یہ وہی کتاب ہے جو لوحِ محفوظ میں ہے۔
ذٰلک الکتاب لاریب فیہ (پ۱ البقرہ ۲)
بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ (پ۳۰ الطارق ۲۲، ۲۱)
یہ ایک ہی دفعہ نہیں تھوڑا تھوڑا اُتارا گیا
وقراٰناً فرقنٰہ لتقرأہٗ علی الناس علیٰ
الناس علیٰ مکثٍ ونزلناہ تنزیلا (پ۱۵ بنی اسرائیل)

جمع القرآن

ان علینا جمعہ وقراٰنہ (پ۲۹ القیٰمہ)
نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبکَ
نزل علیکَ الکتاب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ
اٰیاتٍ بیّنٰت فی صدور الذین اوتوا العلم (پ۲۱ العنکبوت)
فاقرءوا ما تیسر منہ۔ (پ۲۹ المزمل)

تلاوت القرآن

ورتل القراٰن ترتیلا (پ۲۹ المزمل)
یتلوا صحفاً مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (پ۲۹ القیٰمہ)
الذین یتلونہ حق تلاوتہ
واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا (پ۹ الاعراف)

حفاظت القرآن
قرآن کریم مشکل ہے آسان ؟
ایمان بالقرآن. طرق فہم قرآن
آداب القرآن
۲. کتاب الایمان چھ ذیلی عنوان
ایمان کی حقیقت اجمالی اور تفصیلی. ایمان اور عمل جدا جدا کبھی ایمان میں داخل. گناہ کبیرہ سے ایمان سے نہ نکلنا. کفر اور ایمان میں واسطہ نہیں. صرف علامات سے ایمان کی پہچان.

۳. کتاب الکفر والالحاد چھ ذیلی عنوان
الکفر ملة واحدة. ایمان کا ہر دعویدار ضروری نہیں کہ مومن ہو. کفر کبھی الحاد کی صورت میں. نکاح میں کفر و الحاد کا فاصلہ نہیں. کفر و اسلام میں عدم موالات. کافر کے لیے مغفرت اور نجات نہیں.

۴. کتاب المنافقین چھ ذیلی عنوان
صحابہ اور منافقین مخلوط نہیں رہے. نماز و انفاق میں منافقوں کا انداز. منافقوں اور کافروں کی ملاقاتیں مسلمانوں کی کامیابی پر اُن کے اُداس چہرے جنگوں میں ان کے اطوار. منافقوں کی چال ناکام ہونے کا قرآنی وعدہ.

۵. کتاب التوحید دس ذیلی عنوان
خالق ایک ہی ہے. مالک وہی ایک ہے رازق وہی ایک ہے. ہر چیز پر قادر ہے وہی مختار کل ہے علم غیب اور علم محیط اسی کو. ہر چیز پر نگران وہی ایک ہے. مافوق الاسباب اسی ایک کو پکارا جائے مشرکین کا عقیدۂ توحید الٰہ صرف ایک ہے.

۶. کتاب النبوة والرسالة دس ذیلی عنوان
بشریت رسالت. کفار کا عقیدہ کہ بشریت اور رسالت جمع نہیں ہو سکتیں. فرائض رسالت غلبۂ رسالت. تربیت رسالت. اطاعت رسالت شان رسالت محمدی. ادب رسالت. عصمت رسالت. ختم نبوت حضور خاتم النبیین۔

۷. کتاب المعجزات والکرامات چھ ذیلی عنوان
عناصر کے خواص بدلنا. پتھر سے پانی جاری ہونا سرعت رفتار اور وقت کا سمٹنا. غیبی خبریں

معجزات۔ ۱۔ قرآن کریم ۲۔ معجزہ شق القمر۔ پہلے نبیوں سے ملاقاتیں۔ حضرت عیسیٰ کے معجزات غیبی خبریں کی تصدیق۔ انقلاب ماہیت۔

۸۔ کتاب الصحابہ آٹھ ذیلی عنوان

عام امت اور پیغمبر کے درمیان صحابہ واسطہ۔
صحابہ کے ایمان اور تقویٰ کی گواہی۔ جنّت کا وعدہ سب صحابہ سے۔ جو ان مومنین کیخلاف
جلا وہ جہنمی۔ صحابہ کی باہمی اخوت اسلامی۔
باہمی قتال میں بھی یہ مومن رہے۔ صحابہ تربیت کے دور میں۔ ان کے عمل کو خدا نے اپنا عمل کہا۔

۹۔ کتاب السیر دس ذیلی عنوان

اسلامی سلطنت تسلسل سے چلے گی آنحضرۃ کی خلافت کی خبر
حضورؐ کی خلافت صحیح ہونے کے قرآنی شواہد
اولی الامر معصوم نہیں اس سے تنازع ہوسکتا ہے
مسلمانوں کی ولایت صرف مسلمانوں کا حق ہے
اسلام کا تصور حکومت جغرافیائی نہیں عالمی ہے
اقتدار کی امانت اہل لوگوں کے سپرد کرو
انتخابات کی بنا انسانوں کے مساوی حقوق پر
اسلام کا شورائی نظامِ حکومت
ذرائع معیشت میں ہر ایک ترقی کی جدوجہد کرے
سلطنت معیشت میں برابری مسلط نہ کرے۔

۱۰۔ کتاب الجہاد والھجرۃ آٹھ ذیلی عنوان

خلافت ارضی میں نیابت خداوندی۔ ظلم کا سدباب
دفاعی تیاریاں جتنی بھی کرسکو کرو دشمن ڈرا رہے
مظلوم قوموں سے ظلم اٹھانے کے لیے مجموعی جہاد
معاہد قوم کے خلاف کسی قوم کی مدد جائز نہیں
مالِ غنیمت کی تقسیم اور خمس سربراہ سلطنت کے انتظام میں۔
جہاد کے فضائل اور اس پر جنت کا وعدہ
اسلام میں مقام شہادت
جہاد کی قدرت نہ ہو تو ہجرت کر جانے کا حکم

۱۱۔ کتاب خلق العالم

زمین و آسمان کی پیدائش چھ دن میں
زمین کی پیدائش دو دن میں
سات آسمان دو دن میں
ہر آسمان میں وحی کا نزول
ہر زمین میں وحی کا نزول
زمینیں بھی آسمان کی طرح سات
بنی نوع انسان ایک جی سے پیدا کیے گئے
عورتیں بھی نوع انسان سے ہیں
انسان کی پیدائش کھنکھناتی مٹی سے
جنات کی پیدائش آگ سے

فرشتوں کی پیدائش نور سے
جمادات کی نشو و نما مٹی سے
نباتات کی نشو و نما پانی سے
حیوانات کی نشو و نما نسل کشی سے
جنت دوزخ کی پیدائش بھی ہو چکی

خلق عالم ارواح

تمام ارواح سے اپنی ربوبیت کا اقرار
جنت دوزخ کی پیدائش ہو چکی

۱۲۔ کتاب البرزخ

آل فرعون کی روحیں صبح و شام آگ پر پیش
عذاب الہون مرنے کے وقت سے ہی ہے
العذاب الادنیٰ اور العذاب الاکبر
قبر میں ایمان پر ثابت قدمی

۱۳۔ کتاب المعیشۃ چھ ذیلی عنوان

سب پیداوار مشترکہ سرمایہ
درجہ معیشت سب ایک سا نہیں
اہل ثروت دوسروں کو دیں
امیروں کے مال میں غریبوں کا حق
وراثت میں حصے یکساں نہیں
وسائل معیشت میں سب کا حصہ

۱۴۔ کتاب المعاشرت آٹھ ذیلی عنوان

ماں کے حقوق۔ اولاد کے حقوق۔ خاوند
بیوی کے حقوق۔ نکاح کے لیے وحدت دین

بعض کو بعض پر فضیلت مقروض کو سہولت دو
خرچ کرنے میں میانہ روی۔
سلام کا جواب بہترین پیرائے میں

۱۵۔ کتاب التقلید والاجتہاد بارہ ذیلی عنوان

یا خود علم ہو یا علم والوں کی پیروی ہو
دین کو پورے طور پر صرف عالم ہی جانتے ہیں
جو عالم نہیں وہ عالموں سے پوچھے
پیروی صرف انبیاء کی نہیں جو خدا کے آگے جھکے
اس کے پیچھے چلو
انبیاء کے ساتھیوں میں بھی تمہارے لیے اسوہ ہے
صحابہ کے خلاف چلنا جہنم کی راہ پر پڑنا ہے
حضورؐ اور صحابہؓ کے بعد ائمہ مجتہدین کی پیروی
اہل علم مسائل پیش آمدہ میں اجتہاد کریں
ہر ایک فقیہ بنے یہ اسلام میں ضروری نہیں
پیروی آباء کی بشرطیکہ وہ خدا والے ہوں
درست ہے (پ ۱۲ یوسف ۳۸)
آباء النبی کی پیروی میں چلنا تقلید مذموم ہے
قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا (پ ۷ المائدہ ۴)

۱۶۔ کتاب اعمال القلب آٹھ ذیلی عنوان

قرآن میں احوال قلب کا بیان
دلوں کے دھونے کی دعوت۔

یہ عربی قرآن ہے عربیت اس سے جدا نہیں کی جا سکتی

هذا لسان عربی مبین (پ۱۴ النحل ۱۰۳)

(پ۲۶ الاحقاف ۱۲)

قرآن پاک کے کئی نام ہیں۔ ۱. قرآن پ ۱۶ طٰہٰ ۲

۲. الفرقان پ۳ آل عمران ۴ . پ۱۸ الفرقان ۱

۳. الذکر پ۱۴ النحل . الحجر پ۱۴ الحجرات . پ۲۵

الزخرف . ۴. النور پ۶ المائدہ . پ۹ الاعراف

۱۵۷ . ۵. الکتاب پ۱ البقرہ ۱۲۹۔

قرآن پاک کی ابدی حفاظت موعود ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (پ۱۴ الحجر ۹)

لا یاتیه الباطل من بین یدیه (پ۲۴ حم سجدہ ۴۲)

قرآن پاک آسان ہے یا مشکل؟

نصیحت پکڑنے اور ذکر آخرت پیدا کرنے کے لیے آسان ہے

ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر (پ۲۷ القمر ۱۷)

فذکر بالقرآن من یخاف وعید. (پ۲۶ ق ۴۵)

مسائل اور سمجھ کے پہلو سے بہت گہرا اور مشکل ہے

وما یعقلها الا العالمون (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

وما یذکر الا اولوا الالباب (پ۳ آل عمران ۷)

لعلمه الذین یستنبطونه (پ۵ النساء ۸۳)

آیات بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم

(پ۲۱ العنکبوت ۴۹)

والراسخون فی العلم یقولون آمنا به (پ۳ آل عمران ۷)

والذین اوتوا العلم درجٰت (پ۲۸ المجادلہ ۱۱)

فانما یسرناه بلسانك لعلهم یتذکرون

(پ۲۵ الدخان ۵۸)

افلا یتدبرون القرآن (پ۲۶ محمد ۲۴)

مشکل مسائل میں عوام کیا کریں؟

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پ۱۷ الانبیاء ۷)

" " " (پ۱۴ النحل ۴۳)

لتبین للناس ما نزل الیهم (پ۱۴ النحل ۴۴)

فانما یسرناه بلسانك (پ۲۵ الدخان ۵۸)

ثم ان علینا بیانه (پ۲۹ القیمہ)

بذریعہ مجتہدین بھی مسائل حل ہوتے ہیں

ولو ردوه ... الی اولی الامر منهم (پ۵ النساء ۸۳)

ایمان بالقرآن

یؤمنون بما انزل الیك (پ۱ البقرہ ۴)

والذین یؤمنون بالآخرة یؤمنون به (پ۷ الانعام ۹۲)

اہل کتاب پر بھی ایمان بالقرآن لازم ہے

یا اهل الکتب لستم علی شیء حتی تقیموا

۱. تورات . ۲. انجیل . ۳. قرآن } (پ۶ المائدہ ۶۸)

فہم قرآن

۱. { بذریعہ وحی غیر متلو

ثم ان علینا بیانه (پ۲۹ القیمہ)

۲. بذریعہ رسالت

لتبین للناس ما نزل الیھم (پ۱۴ النحل ۴۴)

۳. بذریعہ صحابہؓ

ویتبع غیر سبیل المومنین (پ۵ النساء ۱۱۵)

۴. بذریعہ مجتہدین

ولو ردوہ ... الی اولی الامر منھم (پ۵ النساء ۱۵)

آداب القرآن

۱. لا یمسہ الا المطھرون (پ۲۷ الواقعہ ۷۹)

۲. واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ (پ۱۴ النحل ۹۸)

۳. ورتل القرآن ترتیلا (پ۲۹ المزمل ۴)

۴. واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ (پ۹ الاعراف ۲۰۴)

کتاب الایمان

۱. ایمان حضورؐ کی سب باتوں کی تصدیق کا نام ہے

فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم (پ۵ النساء ۶۵)

کل اٰمن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ۔ (پ۳ البقرہ ۲۸۵)

۲. ایمان اور اسلام حقیقتہً ایک ہیں۔

فاخرجنا من کان من المؤمنین (پ۲۷ الذریٰت ۳۵)

اسلام کبھی استلام کے معنی ہیں

قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا۔ (پ۲۶ الحجرات ۱۴)

۳. ایمان کی زیادتی سکینہ اور طمانیت میں ہے، مومن بہ امور کی کمی بیشی کے پہلو سے نہیں (پ۲۶ الفتح)

تلاوت سے جو سکون ملے وہ ایمان کی زیادتی ہے

واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا۔ (پ۹ الانفال ۲)

ایمان میں کمی آنے کا بیان پورے قرآن میں نہیں سو زیادتی بھی کمًا نہیں قوت وضعف میں ہے۔

ایمان اور عمل دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت (پ۱۶ کہف ۱۰۷)

ایمان کا لفظ جب وسیع معنی میں ہو تو عمل اس میں آ جاتا ہے

وما کان اللہ لیضیع ایمانکم (پ۲ البقرہ ۱۴۳)

۴. گناہ کبیرہ سے انسان ایمان سے نہیں نکلتا۔

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا۔ (پ۲۶ الحجرات ۹)

۵. کفر اور ایمان میں کوئی واسطہ نہیں کہ انسان نہ مومن ہو نہ کافر۔

ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن (پ۲۸ تغابن ۲)

ایک کلمہ کفر کہنے سے بھی انسان ایمان سے نکل جاتا ہے

قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم (پ۱۰ التوبۃ ۷۴)

۶. حقیقت معلوم نہ ہو تو صرف علامات سے بھی مسلمان پہچانا جا سکتا ہے۔

ولا تقولوا لمن القی علیکم السلام لست مؤمنا۔ (پ۵ النساء ۹۴)

الکفرو الالحاد

۱۔ کافر ایک ملت ہیں گو کئی اقسام میں بٹے ہوں۔

ھوالذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن۔

(پ ۲۸ التغابن ۲)

ھادوا والصابئین والنصاریٰ والمجوس و الذین اشرکوا ..... ھٰذٰن خصمان اختصموا فی ربھم۔ (پ ۱۷ الحج ۱۷۔ ۱۸)

اہل کتاب اور مشرکین دونوں اہل کفر ہیں۔

لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین۔

(پ ۳۰ البینہ ۱)

۲۔ ایمان کا ہر دعویدار ضروری نہیں کہ مومن ہو

وماھم بمؤمنین ۰ یخٰدعون اللہ والذین اٰمنوا۔ (پ ۱ البقرہ ۸)

واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون۔

(پ ۲۸ المنافقون ۱)

۳۔ کفر کی ایک قسم زندقہ والحاد بھی ہے گو ظاہرًا اسلام کا نام لے۔

ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا لا یخفون علینا۔

(پ ۲۴ حم سجدہ ۴۰)

۴۔ مومنات کا نکاح کافر مردوں سے نہیں ہو سکتا۔

فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن (پ ۲۸ الممتحنہ ۱۰)

ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یومنوا۔ (پ ۲ البقرہ ۲۲۱)

۵۔ مومن اور کافر میں رشتہ ولایت نہیں مدارات ہے

لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین۔ (پ ۳ آل عمران ۲۸)

۶۔ کافر کے لیے دعاء مغفرت اور نجات نہیں

ان اللہ لا یغفر ان یشرک (پ ۵ النساء ۴۸۔ ۱۱۶)

ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا (پ ۱۱ التوبہ ۱۱۳)

وماھم بخٰرجین من النار (پ ۲ البقرہ ۱۶۷)

کتاب المنافقین

صحابہؓ اور منافق مخلوط نہیں بیٹھے

منافق آتے جاتے رہے مگر حضورؐ کی ہم مجلسی نہ پا سکے

۱۔ اذا جاءک المنافقون (پ ۲۸ المنافقون ۱)

۲۔ لا تقعد وا بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین

(پ ۷ الانعام ۶۸)

حضورؐ کی مجلس سے ان کی دوری کی خواہش

لووا رؤسھم ورأیتھم یصدون (پ ۲۸ المنافقون ۵)

حضورؐ کی معیت صحابہؓ کے لیے تھی منافق اسے نہ پا سکے

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔

(پ ۲۶ الفتح ۲۹)

معیتِ اولیٰ کو معیار بنانے کی دعوت اور منافقوں کا انکار

اذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن الناس (پ ۱ البقرہ ۱۳)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں گروہ مخلوط نہ بیٹھتے ہوں

فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اھتدوا۔

(پ البقرہ ۱۳۷)

صحابہؓ کی سوسائٹی مخلوط نہ رہنے دی جائے گی

قسمیں کھا کھا کر اپنے کو مسلمان جتلانا

ویحلفون باللہ انھم منکم وما ھم منکم (پ التوبہ ۶)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں طبقے مخلوط نہ بیٹھے ہوں

ظاہراً ملنے کو بھی انجام کا ختم کر دیا گیا

۱۔ ماکان اللہ لیذر المؤمنین علیٰ ما انتم علیہ

(پ آل عمران ۱۷۹)

۲۔ ولیعلم المؤمنین ولیعلم الذین نافقوا (پ آل عمران ۱۶۶)

نماز اور انفاق میں منافقوں کے علیحدہ اطوار

۱۔ ولا یاتون الصلوٰۃ الا وھم کسالیٰ (پ التوبہ ۵۴)

۲۔ ھم الذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ

(پ المنافقون ۷)

علیٰ من عند رسول اللہ کا دائرہ صرف صحابہ کے لیے تھا

منافقوں اور کافروں کی خفیہ ملاقاتیں

واذا خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم (پ البقرہ ۱۴)

واذا خلا بعضھم الیٰ بعض قالوا اتحدثونھم (پ البقرہ ۷۶)

یقولون لاخوانھم الذین کفروا (پ الحشر ۱۱)

لیخرجن الاعز منھا الاذل (پ المنافقون ۸)

ان اللہ مخرج ما تحذرون (پ التوبہ ۶۴)

مسلمانوں کی کامیابی پر ان کے اُداس چہرے

۱۔ ان تصبک حسنۃ تسؤھم (پ التوبہ ۵۰)

ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدا (پ التوبہ ۸۴)

ان کا جنازہ نہ پڑھنے کا حکم بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے اطوار عام مسلمانوں سے جدا ہوں وہ مخلوط ہو کر نہ رہتے ہوں۔

جنگوں میں منافقوں کے علیحدہ اوضاع و اطوار

وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا قالوا لو نعلم قتالاً لاتبعناکم (پ آل عمران ۱۶۷)

کتاب التوحید

خالق وہی ایک ہے ہر ایک چیز کو پیدا کرنے والا

خلق کل شیء (پ انعام ۱۰۱ ، ۱۰۲)

قل اللہ خالق کل شیء (پ الرعد ۱۶)

ذٰلکم اللہ ربکم خالق کل شیء (پ المؤمن ۶۲)

خلق الانسان۔ (پ الرحمٰن ۳)

من صلصال۔ (پ الرحمٰن ۱۴)

خلقکم والذین من قبلکم (پ البقرہ ۲۱)

واللہ خلقکم وما تعملون (پ الصافات ۹۶)

خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (پ البقرہ ۲۹)

خلق اللیل والنھار (پ الانبیاء ۳۳)

خلق الموت والحیاۃ۔ (پ الملک ۲)

خلق کل دابّۃ (پ النور ۴۵)

رفع السمٰوٰت بغیر عمد ترونھا (پ الرعد ۲)

ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم (پ الفاطر ۳)

من خلق السمٰوٰت والارض (پ العنکبوت ۶۱)

مالک وہی ایک ہے۔ کوئی چیز اس کے قبضے سے باہر نہیں

وللہ ملک السمٰوات والارض (پ۲۶ الفتح ۱۴)

اللہ کے آگے سب بے بس ہیں۔ ان اراد بکم ضرًا
او اراد بکم نفعًا۔ (پ۲۶ الفتح ۱۱)

لم یکن لہ شریک فی الملک (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۱۱)

بیدہ ملکوت کل شیءٍ (پ۱۸ المومنون ۸۸)

اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک (پ۳ آل عمران ۲۶)

لا یملکون لانفسہم نفعًا ولا ضرًا (پ۱۳ الرعد ۱۶)

لا یملکون مثقال ذرۃ (پ۲۲ السبا ۲۲)

ما یملکون من قطمیر (پ۲۲ الفاطر ۱۳)

لا یملکون شیئًا (پ۲۴ الزمر ۴۳ پ۱۸ الفرقان ۳)

حضرت ابراہیم کا قول میں تیری کسی بات کا مالک
نہیں۔ (پ۲۸ الممتحنہ ۴)

قل انی لا املک لکم ضرًا ولا رشدًا (پ۲۹ الجن ۲۱)

لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار (پ۲۴ المومن ۱۶)

الملک یومئذ للہ یحکم بینہم (پ۱۷ الحج ۵۶)

رازق صرف وہی ایک ہے۔ اسباب اس کے ماتحت ہیں

ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا
(پ۱۲ ہود ۶)

خلقکم ثم رزقکم (پ۲۱ الروم ۴۰)

اللہ یبسط الرزق لمن یشاء (پ۱۳ الرعد ۲۶)

ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض
(پ۲۵ الرعد ۲۷)

یرزقہ من حیث لا یحتسب (پ۲۸ الطلاق ۳)

وان اللہ ہو الرزاق ذو القوۃ المتین
(پ۲۷ الذاریٰت ۵۸)

وینزل لکم من السمآء رزقًا (پ۲۴ المومن ۱۳)

واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب (پ۲ البقرہ ۲۱۲)

شان قدرت۔ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا وہی ایک ہے

نہ چاہی چیزوں پر بھی قادر ہے گو وہ واقع نہ ہوں

قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابًا من
فوقکم (پ۷ الانعام ۶۵)

ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر (پ۱ البقرہ ۲۰)

ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق (پ۳ البقرہ ۲۵۸)

انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن
(پ۲۳ یٰسین ۸۲)

من رب السمٰوات السبع ورب العرش العظیم
(پ۱۸ المومنون ۸۶)

من نزل من السمآء ماءً (پ۲۱ العنکبوت ۶۳)

من خلق السمٰوات والارض وسخر الشمس
والقمر۔ (پ۲۱ العنکبوت ۶۱)

انا نحن نحی ونمیت (پ۲۶ ق ۴۳)

اذا اراد اللہ بقوم سوءً فلا مرد لہ (پ۱۳ الرعد ۱۱)

امن یجیب المضطر اذا دعاہ (پ۲۰ النمل

واذا مس الانسان ضر (پ۲۴ الزمر ۴۹)

فکشفنا ما بہ من ضر (پ۱۷ الانبیاء ۸۴)

هل هن کشفت ضرہ (پ۲۴ الزمر ۳۸)
فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا
(پ۱۵ بنی اسرائیل ۵۶)
اولاد دینے والا وہی ہے جس کو چاہے بیٹے دے
یہب لمن یشاء اناثا و یہب لمن یشاء الذکور
(پ۲۵ الشوریٰ ۵۰)
رزق کی تنگی اور کشادگی اسی کے ہاتھ میں ہے
اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر (پ۱۳ الرعد ۲۶)

وہی مختارِ کل ہے۔ جو چاہے کر سکے

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون (پ۱۷ الانبیاء ۲۳)
خدا کے دیئے دکھ اور راحت کے دیئے آرام کو کوئی نہیں روک سکتا
ان اراد بکم سوء او اراد بکم رحمۃ
(پ۲۱ الاحزاب ۱۷۔ پ۱۱ یونس ۱۰۷)
وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم
الخیرۃ من امرھم (پ۲۰ القصص ۶۸)
شفاعت اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نہ کر سکے
من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ (پ۳ البقرہ ۲۵۵)
کسی کا مافوق الاسباب نفع و نقصان ایک اللہ
کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے (پ۹ الاعراف ۱۸۸)

علم محیط اور علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے

انی اعلم غیب السموات والارض و اعلم ما
تبدون وما کنتم تکتمون (پ۱ البقرہ ۳۳)
ان اللہ قد احاط بکل شیء علما (پ۲۸ الطلاق ۱۲)

یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منہا (پ۲۲ سبا ۲)
ان اللہ عالم غیب السموات والارض انہ
علیم بذات الصدور (پ۲۲ الفاطر ۳۸)
وللہ غیب السموات والارض (پ۱۲ ہود ۱۲۳)
وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو (پ۷ الانعام ۵۹)
قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب
الا اللہ (پ۲۰ النمل ۶۵)
فقل انما الغیب للہ (پ۱۱ یونس ۲۰)
لہ غیب السموات والارض (پ۱۵ الکہف ۲۶)
یعلم سرھم ونجوٰھم وان اللہ علام الغیوب
(پ۱۰ التوبہ ۷۸)
عالم الغیب لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ
(پ ۲۲ السباء ۳)
عالم الغیب (پ۱۰ التوبہ ۹۴، ۱۰۵، پ۷ الانعام ۷۳)

انبیاء کی اپنے سے علم غیب کی نفی

یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا
لا علم لنا (پ۷ المائدہ ۱۰۹)
آنحضرتؐ کی اپنی ذات سے علم غیب کی نفی
(پ۷ الانعام ۵۰)
لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من
الخیر (پ۹ الاعراف ۱۸۸)
آنحضرتؐ سے علم شعر کی نفی (پ۲۳ یٰسین ۶۹)
قل ان ادری اقریب ما توعدون (پ۲۹ الجن ۲۵)

علم بوقت قیامت

یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسھا (پ۹ الاعراف ۱۸۷)

ان اللہ عندہ علم الساعۃ (پ۲۱ لقمان ۳۴)

وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا (پ۲۲ الاحزاب ۶۳)

ہر چیز پر نگران اسی کی ذات ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

لا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون۔
(پ۱۳ ابراہیم ۴۲)

واللہ علی کل شیء شہید (پ۲۸ المجادلہ ۶)

واللہ بصیر بما تعملون (پ۲۶ الحجرات ۱۸)

کنت انت الرقیب علیہم وانت علی کل شیء
شہید۔ (پ۷ المائدہ ۱۱۷)

ان اللہ سمیع بصیر (پ۱۷ الحج ۶۱ پ۱۵ بنی اسرائیل ۱)

ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم (پ۲۸ المجادلہ ۷)

اینما تولوا فثم وجہ اللہ (پ۱ البقرہ ۱۱۵)

مافوق الاسباب صرف اسی ایک کو پکارا جائے

لہ دعوۃ الحق والذین یدعون من دونہ لا
یستجیبون لہم بشیء۔ (پ۱۳ الرعد ۱۴)

اللہ ہی کو دور سے پکارا جائے
فوق الاسباب اللہ ہی کو پکارو

فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین (پ۲۴ المومن ۱۴)

جو کسی کو پیدا نہ کر سکے وہ پکارا نہ جائے۔
(پ۲۲ الفاطر ۴۰۔ پ۱۴ النحل ۲۰)

جو رزق نہ دے پکارا نہ جائے (پ۱۴ النحل ۷۳)

اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری تکلیف
دور نہیں کر سکتے (پ۱۵ بنی اسرائیل ۵۶)

جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ گٹھلی کا ایک
چھلکا پیدا نہیں کر سکتے (پ۲۲ الفاطر ۱۳)

اللہ کے سوا کسی کو پکارا تو حساب دینا ہوگا
فانما حسابہ عند ربہ (پ۱۸ المومنون ۱۱۷)

وہی پکارا جائے تو تکلیف دور کرے اگر چاہے
(پ۷ الانعام ۴۱)

تیرا نفع و نقصان صرف اللہ کے اختیار میں ہے
ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک
(پ۱۱ یونس ۱۰۶)

جنہیں تم پکارتے ہو ان کا زمین کی پیدائش میں
کوئی حصہ نہیں (پ۲۲ الفاطر ۴۰)

جس پر موت نہیں پکارنے کے لائق صرف وہی ہے
ھو الحی لا الہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین
(پ۲۴ المومن ۶۵)

جب کوئی سبب اور سہارا نہ ہو تو مدد اسی ایک
سے مانگی جائے جو عبادت کے لائق ہے (سورۃ فاتحہ)

افرءیتم ما تدعون من دون اللہ..... ھل
ھن کاشفات ضرہ۔ (پ۲۴ الزمر ۳۸)

یدعوا من دون اللہ ما لا یضرہ ولا ینفعہ
(پ۱۷ الحج ۱۲)

مشرکین کا عقیدہ توحید

بڑا خدا ایک ہے چھوٹے خدا اس کی عطا سے بنے ہیں
جو ہمیں اس کے قریب کر دیتے ہیں (پ ۲۳ الزمر ۳)
مشرکوں کی عبادت بزرگوں کی پکار ہی تھی
وکانوا بعبادتھم کافرین (پ ۲۶ الاحقاف ۵-۶)
زمین و آسمان پیدا کرنے والا وہی ایک ہے
ولئن سالتھم من خلق السموات والارض
(پ ۲۴ الزمر ۳۸)
قل من رب السموات السبع ورب العرش
العظیم (پ ۱۸ المومنون ۸۶)
ولئن سالتھم من نزل من السماء ماءً
(پ ۲۱ العنکبوت ۶۳)
بتوں کی پوجا صرف اس لیے کہ وہ خدا کے قریب
کر دیں۔ (پ ۲۳ الزمر ۳)
بُت جن بزرگوں کی یاد میں بنے وہ اب ان
کی طرف دھیان تک نہیں کر رہے۔
وھم عن دعائھم غافلون (پ ۲۶ الاحقاف ۵)
مشرکین بزرگوں کی یاد میں بُت بناتے تھے حضرت ود
سواع یغوث اور یعوق کے بت (پ ۲۹ نوح ۲۳)
مشرکوں نے اپنے پیروں اور مولویوں کو چھوٹے
رب بنا رکھا ہے (پ ۱۰ التوبہ ۳۱)
قل من رب السموات والارض
(پ ۱۳ الرعد ۱۶)

اسلام میں عبادت صرف ایک خدا کی ہے

انما الٰھکم الٰہ واحد (پ ۱۶ الکہف ۱۱۰)
〃 〃 〃 (پ ۱۷ الانبیاء ۱۰۸)
〃 〃 〃 (پ ۲۴ حم سجدہ ۶)
والٰھکم الٰہ واحد (پ ۲ البقرہ ۱۶۳)
انما اللہ الٰہ واحد (پ ۶ النساء ۱۷۱)
انما ھو الٰہ واحد (پ ۱۳ ابراہیم ۵۲)
〃 〃 (پ ۱۴ النحل ۵۱)
الٰھکم الٰہ واحد (پ ۱۴ النحل ۲۲)
فالٰھکم الٰہ واحد فلہ اسلموا (پ ۱۷ الحج ۳۴)
اللہ لا الٰہ الا ھو (پ ۳ البقرہ ۲۵۵)
〃 〃 〃 (پ ۳ آل عمران ۲)
ومامن الٰہ الا الٰہ واحد (پ ۶ المائدہ ۷۳)
ومامن الٰہ الا اللہ الواحد (پ ۲۳ ص ۶۵)
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثہ۔
(پ ۶ المائدہ ۷۳)
سبحانہ ان یکون لہ ولد ولا تقولوا ثلثہ (پ ۶ النساء ۱۷۱)
انی یکون لہ ولد ولم تکن لہ صاحبہ۔
(پ ۷ الانعام ۱۰۱)
قل ھو اللہ احد ... لم یلد ولم یولد (پ ۳۰ الاخلاص)
ءالٰہ مع اللہ (پ ۲۰ النمل ۶۰)
من الٰہ غیر اللہ (پ ۲۰ القصص ۷۱)
مالکم من الٰہ غیرہ (پ ۸ الاعراف ۶۵)

کتاب النبوۃ والرسالۃ

بشریت رسالت

نبوت انسان کو ہی دی جاتی ہے۔ ما کان لبشر ان یوتی اللہ الکتاب و النبوۃ (پ۳ آل عمران ۹۷)
ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا (پ۲۵ الشوریٰ ۵۱)
اللہ تعالیٰ نے مومنین میں سے ہی رسول کھڑا کیا
لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم۔ (پ۴ آل عمران)
اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کی جنس میں سے ہی رسول بھیجا (پ۲۸ الجمعہ ۲)
کیوں تعجب کرتے ہو کہ رسول انسانوں کی جنس میں سے ہے پ۲۶ ق ۲۔ ص ۴۔ الاعراف ۶۹)
کیوں تعجب کرتے ہو کہ خدا کی طرف سے ذکر ایک مرد پر اترا ہے (پ۸ الاعراف ۶۹)
کیوں تعجب کرتے ہو کہ تم پر ایک مرد کی زبانی نصیحت آئی
اس میں کیا تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ایک مرد پر وحی بھیجی ہے (پ۱۱ یونس ۲)
آدمیوں کو ہی رسول بنایا جاتا ہے (پ۱۷ انبیاء)
قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم۔ (پ۱۳ ابراہیم ۸)

حضورؐ کا اعلان کہ میں انوکھا نبی نہیں ہوں
ما کنت بدعا من الرسل (پ۲۶ الاحقاف ۹)

حضورؐ کا اعلان کہ میں بھی بشر ہوں جیسے تم۔ ہاں مجھ پر وحی آتی ہے۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الھکم اللہ واحد (پ۱۶ الکہف ۱۱۰)
حضورؐ کا دعویٰ ملک رسول ہونے کا نہیں بشر رسول ہونے کا تھا۔
قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا (پ۱۵ بنی اسرائیل ۹۳)
اگر زمین میں نوری مخلوق ہوتی ملک رسول بھیجا جاتا (پ۱۵ بنی اسرائیل ۹۰)
لو کان ملٰئکۃ۔۔۔ لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔

کفار کا عقیدہ کہ بشریت اور رسالت جمع نہیں ہو سکتیں

رسولوں کا اس لیے انکار تھا کہ وہ بشر کیوں ہیں
أبشر یھدوننا فکفروا۔ (پ۲۸ التغابن ۶)
أبشرا منا واحدا نتبعہ انا اذا لفی ضلال و سعر۔ (پ۲۷ القمر ۲۴)
قالوا ما انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمٰن من شیء (پ۲۲ یٰسین ۱۵)
مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ (پ۱۸ الفرقان ۷)
ما ھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون (پ۱۸ مومنون ۳۳)
انؤمن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عابدون (پ۱۸ المومنون ۴۷)

اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء (پ۷ الانعام ۹۱)
بشر انسان کے معنی میں ہے اس میں کوئی برائی کا پہلو نہیں
اما ترین من البشر احدًا ۔۔۔۔ فلن اکلم الیوم
انسیًا (پ۱۶ مریم ۲۶)

فرائض رسالت

۱. اللہ کا دین اور حکم لوگوں تک پہنچانا.
۲. قرآن کریم کی تعلیم اور عملی تفصیل. وانزلنا الیک
الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم (پ۱۴ النحل ۴۴)
۳. یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتب
والحکمۃ. (پ۴ آل عمران ۱۶۴)
۴. یعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا
تعلمون. (پ۲ البقرۃ ۱۵۱)
۵. ایک پاکیزہ اور تزکیہ یافتہ امت بنائے
یخرجہم من الظلمات الی النور باذنہ (پ۶ المائدہ ۱۶)
۶. دنیا کو سیدھی راہ دکھلانا اور بتلانا
انک لتہدی الی صراط مستقیم (پ۲۵ الزخرف ۵۲)
طریقہ مستقیم پر لا ڈالنا آپ کے قبضے میں نہیں اللہ کے اختیار میں ہے
انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی
من یشاء (پ۲۰ القصص ۵۲)
۷. کفر و نفاق دونوں سے جہاد کرنے کا حکم. یا ایہا
النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ
علیہم. (پ۱۰ التوبہ ۷۳)
۸. اس دین کو دیگر سب ادیان پر غالب کر دینا رسالت کی ذمہ داری
ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ.
(پ۱۰ التوبہ ۳۳. پ۲۶ الفتح ۲۸. پ۲۸ الصف ۹)
۹. تبلیغ اور اس راہ میں پیش آنیوالی سختیوں پر صبر
بلغ ما انزل الیک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ
(پ۶ المائدہ ۶۷)
۱۰.

غلبہ رسالت

خدا کا فیصلہ کہ رسول آخر کار غالب آکر رہتے ہیں
کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (پ۲۸ المجادلہ ۲۱)
غلبہ سے مراد دنیا میں بھی غالب آنا ہے.
انا لننصر رسلنا ۔۔۔ فی الحیوۃ الدنیا ویوم
یقوم الاشہاد. (پ۲۴ المؤمن ۵۱)
رسولوں کا نصرت اور غلبہ دونوں کا وعدہ دیا گیا ہے
انہم لہم المنصورون وان جندنا لہم الغالبون
(پ۲۳ الصافات ۱۷۲)
للہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین
(پ۲۸ المنافقون ۸)
یا ایہا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین
(پ۱۰ الانفال ۶۴)
لن یضر اللہ شیئا وسیحبط اعمالہم (پ۲۶ محمد ۳۲)
ویمح اللہ الباطل ویحق الحق (پ۲۵ الشوریٰ ۲۴)
وانتم الاعلون واللہ معکم ولن یترکم اعمالکم (پ۲۶ محمد ۳۵)

غلبۂ رسالت محمدی

۱. وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا. (پ۱۵ بنو اسرائیل ۸۱)

۲. قل ان ربی یقذف بالحق علام الغیوب (پ۲۲ السباء ۴۸)

قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید (پ السباء ۴۹)

۳. بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه (پ۱۷ الانبیاء ۱۸)

۴. لئن لم ینته المنافقون.... لنغرینك بهم (پ۲۲ الاحزاب ۶۱)

۵. اذا جاء نصر الله والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین الله افواجا. (پ۳۰ ۱)

ولا تحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض (پ۱۸ النور ۵۷)

ولسوف یعطیك ربك فترضی (پ۳۰ والضحی)

تربیت رسالت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرتؐ کو تسلی اور سہارے

۱. واصبر علی ما یقولون واهجرهم هجرا جمیلا. (پ۲۹ المزمل ۱۰)

۲. واصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (پ۲۶ الاحقاف ۳۵)

۳. والله یعصمك من الناس (پ۶ المائدہ ۶۷)

۴. بلغ ما انزل الیك وان لم تفعل فما بلغت رسالته. (پ۶ المائدہ ۶۷)

۵. واصبر نفسك مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی یریدون وجهه ولا تعد عیناك عنهم. (پ۱۵ الکہف ۲۸)

۶. عفا الله عنك لم اذنت لهم (پ۱۰ التوبہ ۴۳)

۷. عبس وتولی ان جاءه الاعمی (پ۳۰ عبس ۱)

۸. فبما رحمة من الله لنت لهم (پ۴ آل عمران ۱۵۹)

۹. اولئك الذین هدی الله فبهداهم اقتده. (پ۷ الانعام ۹۰)

اطاعت رسالت

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله (پ۵ النساء ۶۴)

اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (پ۵ النساء ۵۹)

فلیحذر الذین یخالفون عن امره (پ۱۸ النور ۶۳)

ما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم (پ۲۲ الاحزاب ۳۶)

فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم (پ۵ النساء ۶۵)

ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا. (پ۲۸ الحشر ۷)

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (پ۲۱ الاحزاب ۲۱)

من یطع الرسول فقد اطاع الله (پ۵ النساء ۸۰)

شانِ رسالتِ محمدی

یخرجہم من الظلمات الی النور باذنہ (پ۶ المائدہ ۱۶)

لقد جاءکم رسول من انفسکم..... بالمؤمنین

رؤف رحیم (پ۱۱ التوبہ ۱۲۸)

النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم (پ۹ الاعراف ۱۵۷)

یضع عنہم اصرہم والاغلال التی کانت علیہم " "

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۷)

یخرجہم من الظلمات الی النور (پ۳ البقرہ ۱۵۷)

وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم (پ۹ الانفال ۳۳)

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم (پ۲۱ الاحزاب ۶)

لبثت فیکم عمرًا من قبلہ (پ۱۱ یونس ۱۶)

وما ضلّ صاحبکم وما غویٰ (پ۲۷ النجم ۲)

وما رمیت اذ رمیت (پ۹ الانفال ۱۷)

انا ارسلناک شاھدًا ومبشرًا ونذیرًا (پ۲۶ الفتح ۸)

فبما رحمۃ من اللہ لنت لہم (پ۴ آل عمران ۱۵۹)

تعزّروہ وتوقروہ (پ۲۶ آیت ۹)

الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (پ۲۶ آیت ۱۰)

کف ایدی الناس عنکم ولتکون آیۃ للمومنین (پ۲۶ ۲۰)

واللہ یعصمک من النّاس (پ۶ المائدہ ۶۷)

ادبِ رسالت

نام لے کر نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم

لبعض (پ۱۸ النور ۶۳)

الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرہم

لا یعقلون (پ۲۶ الحجرات ۲)

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (پ۲۶ الحجرات ۲)

لا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض " "

حضورؐ کے پاس حاضر ہوں آپ کو حاضر نہ کریں

ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک (پ۵ النساء ۶۴)

عصمتِ رسالت

ما کان لنبی ان یغل (پ۴ آل عمران ۱۶۱)

ما ارسلنا من رسول الا لیطاع (پ۵ النساء ۶۴)

ما اٰتاکم الرسول فخذوہ (پ۲۸ الحشر ۷)

انک لتہدی الی صراط مستقیم (پ۲۵ الزخرف ۵۲)

انک لعلیٰ خلق عظیم (پ۲۹ القلم ۴)

اولئک الذین ھدی اللہ (پ۷ الانعام ۹۰)

ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم

(پ۱۲ یوسف ۳۲)

ختمِ نبوت حضرت خاتم النبیینؐ

سب سے آخر میں ایک رسول آئے گا تم سب اس

پر ایمان لاؤ۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین

.....ثم جاءکم رسول (پ۳ آل عمران ۸۱)

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (پ۲۲ الاحزاب ۴۰)

نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین

نذیرًا۔ (پ۱۸ الفرقان ۱)

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (پ۶ المائدہ ۳)

یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک (پ۶ النساء
ورسلاً قد قصصنٰہم علیک ..... ورسلاً
لم نقصصہم علیک (پ۶ النساء ۱۶۴)
لا نفرق بین احد من رسلہ (پ۳ البقرہ ۲۸۵)
قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (پ۹ الاعراف
وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس (پ۲۲ السباء ۲۸)
اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم
(پ۵ النساء ۵۹)
واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم (پ۲۸ الجمعہ ۳)

کتاب المعجزات والکرامات

پرندوں کا ذبح ہونے کے بعد جڑ جانا
۱. حضرت ابراہیم کے پاؤں تلے آگ کا ٹھنڈا ہونا
یا نار کونی بردًا وسلامًا علیٰ ابراھیم (پ۱۷ انبیاء ۶۹)
۲. حضرت موسیٰ کے لیے دریا میں راہ بننا
واذ فرقنا بکم البحر (پ۱ البقرہ ۵۰)
۳. حضرت داؤد کے ہاتھوں میں لوہے کا نرم ہونا
والنّا لہ الحدید (پ۲۲ سباء ۱۰)
۴. پتھر پر چھڑی مارنے سے بارہ چشمے جاری
فقلنا اضرب بعصاک الحجر (پ۱ البقرہ ۶۰)
۵. حضرت سلیمان کے پاس تخت بلقیس کا چلا آنا
انبیاء کے لیے مٹی کے خواص بدلنا
(پ۱۹ النمل ۴۰)

۶. ورفعنا فوقھم الطور (پ۶ النساء ۱۵۴)
۷. حضرت موسیٰ کے عصا کا سانپ بننا
فالقٰھا فاذا ھی حیۃ تسعیٰ (پ۱۶ طٰہٰ ۲۰)

حضرت عیسیٰ کے معجزات

۸. پرندوں کا ذبح ہونے کے بعد پھر جڑ جانا
بیماروں کو بہ فضل خداوندی شفا دینا
فخذ اربعۃ من الطیر (پ۳ البقرہ ۲۶۰)
۹. ماں کی گود میں کلام کرنا
قال انی عبد اللہ اٰتانی الکتاب (پ۱۶ مریم ۳۰)

حضرت خاتم النبیین کے معجزات

قرآن کریم کا معجزہ
ایسا کلام بنا لانے سے لوگوں کا عاجز ہونا
۱. لا یاتون بمثلہ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۸)
۲. فان لن تفعلوا ولن تفعلوا (پ۱ البقرہ ۲۴)
۳.
۴.

غیبی خبروں کی تصدیق
۱. رومیوں کے دوبارہ غالب آنے کی خبر (پ۲۱ روم ۲)
۲. کسی مرد کا باپ نہ ہونے کی خبر (پ۲۲ الاحزاب ۴۰)
۳. فتح مکہ کی خبر (پ۳۰ النصر)
۴. مسلمانوں کے داخل حرم ہونے کی خبر (پ۲۶ الفتح ۲۷)
۵. آئندہ حالات پہلے سے بہتر ہوں گے
(پ۳۰ الضحیٰ)

پہلے نبیوں سے ملاقاتیں

واسئل من ارسلنا قبلك من رسلنا (پ ۲۵ الزخرف ۴۵)

جنگ بدر میں مسلمانوں کا اپنے سے دگنا دکھائی دینا

واخریٰ کافرۃ یرونہم مثلیہم رای العین

(پ ۳ آل عمران ۱۳)

معجزہ شق القمر

وانشق القمر (پ ۲۷ القمر ۱)

کتاب الصحابہ

عام امت اور پیغمبروں کے درمیان صحابہؓ واسطہ ہیں

لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم

شہیدًا (پ ۲ البقرہ ۱۴۳)

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (پ ۴ آل عمران ۱۱۰)

اذا قیل لہم اٰمنوا کما اٰمن الناس (پ ۱ البقرہ ۱۳)

وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطًا (پ ۲ البقرہ ۱۴۳)

ایمان صحابہ کے دل کی زینت تھا اور وہ سب مومن تھے

حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم (پ ۲۶ الحجرات ۷)

اولٰئک ھم المومنون حقًا (پ ۹ الانفال ۴)

کفر فسق اور عصیان سے ان کے دلوں کو نفرت تھی

کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔

(پ ۲۶ الحجرات ۷)

اللہ نے تقویٰ میں ان کے دلوں کا امتحان لیا تھا

اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقوٰی (پ ۲۶ الحجرات ۳)

فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں کو پچھلے مل نہیں سکتے لیکن جنت کا وعدہ ہر ایک سے ہے

وکلًا وعد اللہ الحسنیٰ (پ ۲۷ الحدید ۱۰)

جو ان مومنین کے خلاف چلا وہ جہنمی ہے (پ ۵ النساء)

ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولّی ونصلہ

جہنم (پ ۵ النساء ع ۱۷)

صحابہ سب اللہ کی رضا پا چکے اور خود اس سے راضی ہوئے

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

(پ ۱۱ التوبہ ع ۱۳ پ ۳۰ البینہ ۸)

کفر کے خلاف سخت اور اپنے میں رحمدل

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم

(پ ۲۶ الفتح ۲۹)

الّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانًا (پ ۴ آل عمران ۱۰۳)

صحابہ کے عمل کو خدا نے اپنا عمل کہا

فلم تقتلوھم ولٰکن اللہ قتلہم (پ ۹ الانفال)

وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمیٰ (پ ۹ الانفال ۱۷)

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (پ ۱۴ الحجر ۹)

صحابہ باہمی قتال میں بھی مومن رہے

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا (پ ۲۶ الحجرات ۹)

بدر سے جان چھڑانے والے بھی مومن رہے

وان فریقًا من المومنین لکارھون (پ ۹ الانفال ۵)

پیغمبر کے ساتھ ہونے والوں میں بھی تمہارے لیے اسوہ ہے

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ (پ ۲۸ الممتحنہ ۴)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایمان پر قرآن کی گواہی

۱. یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ (پ۲۱ الروم ۴)

۲. فسوف یأتی اللہ بقوم یحبھم (پ۶ المائدہ ۵۴)

حضرت عمرؓ کے ایمان پر قرآن کی گواہی

ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۵)

حضرت صدیقہؓ کی طہارت پر قرآن کی گواہی

ان الذین جاءو بالافک ... الآیۃ (پ۱۸ النور ۱۱)

مہاجرین انصار اور ان کے سب پیروؤں سے اللہ راضی ہوا. (پ۱۱ التوبہ ۱۰۰)

صحابہؓ جہنم کی آگ کی آہٹ تک نہ سن پائیں گے

لا یسمعون حسیسھا (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۲)

دورانِ تربیت کی بعض کمزوریاں
اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو و کرم

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان ... ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم (پ۴ آل عمران ۱۵۵)

حتی اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر و عصیتم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین.
(پ۴ آل عمران ۱۵۲)

جنگ سے جان چھڑانے والے بھی مومن ہی تھے منافق نہ تھے

ان فریقا من المؤمنین لکارھون (پ۹ الانفال ۵)

صحابہؓ باہمی قتال میں بھی مومن ہی رہے کافر نہ ہوئے

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا (پ۲۶ الحجرات ۹)

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین (پ۴ آل عمران ۱۵۲)

خبر ایمان حضرت ابی بکرؓ

من یرتد منکم عن دینہ (پ۶ المائدہ ۵۴)

یومئذ یفرح المومنون (پ۲۱ الروم ۴)

خبر ایمان حضرت عمرؓ

ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (پ۱۷ انبیاء ۱۰۵)

شانِ تطہیر حضرت عائشہؓ (پ۱۸ النور ۱۵۔۱۶)

ازواج مطہرات اور اہلبیت کی تطہیر (پ۲۲ الاحزاب ۳۳)

کتاب السیر

حضورؐ کے بعد اسلامی سلطنت تسلسل سے چلے گی یا بغاوت سے؟

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض (پ۱۸ النور ۵۵)

ولی الامر (خلیفہ) مسلمانوں میں سے ہو

واولی الامر منکم (پ۵ النساء ۵۹)

اسلامی حکومت کا محور حکم بما انزل اللہ رہے گا (پ۶ المائدہ ۴۹)

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ (پ۱۷ الحج ۴۱)

ولی الامر معصوم نہیں رعیت کے لوگ اس سے تنازع کا حق رکھتے ہیں فان تنازعتم فی شیٔ اور فیصلہ کتاب و سنت کا (پ۵ النساء ۵۹)

انتخاب کی بنا انسانوں کے مساوی حقوق پر

اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل

یعظکم بہ۔ (پ۵ النساء ۵۸)

حکومت شوریٰ سے چلے گی پر فیصلے کا حق سربراہ کو ہو گا

امرھم شوریٰ بینھم (پ۲۵ الشوریٰ ۳۸)

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ

(پ۴ آل عمران ۱۵۹)

شوریٰ کے ارکان نماز روزہ و زکوٰۃ میں عملی مسلمان

ہوں (پ۲۵ الشوریٰ ۳۸)

الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ (پ۱۷ الحج ۴۱)

اقتدار کی امانت اہل لوگوں کے سپرد کرو

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا (پ۵ النساء ۵۸)

دفاعی تیاریاں جتنی بھی ہو سکیں کرو

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (پ۱۰ الانفال ۶۰)

معاہد قوم کے خلاف کسی قوم کی مدد جائز نہیں (پ۱۰ الانفال ۷۲)

معاہد قوم کو خائن پاؤ تو معاہدہ توڑ دو (پ۱۰ الانفال ۵۸)

اسلام کا تصور حکومت جغرافیائی حدود کا نہیں عالمی ہے

انی جاعل فی الارض خلیفہ (پ۱ البقرہ ۳۰)

الذین ان مکناھم فی الارض (پ۱۷ الحج ۴۱)

لیظھرہ علی الدین کلہ (پ۲۶ الفتح ۲۸)

لیستخلفنھم فی الارض (پ۱۸ النور ۵۵)

حضورؐ کی خلافت صحیح ہونے کے قرآنی شواہد

۱۔ ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (پ۱۸ النور ۵۵)

۲۔ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم (پ۶ المائدہ ۵۴)

۳۔ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (پ۱۷ انبیاء ۱۰۵)

۴۔ لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا

(پ۲۶ الفتح ۲۸)

مسلمانوں کی ولایت صرف مسلمانوں کا حق ہے

لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء (پ۲۸ الممتحنہ ۱)

انا براء منکم ومما تعبدون من دون اللہ (الممتحنہ ۴)

مال غنیمت میں غانمین کا حصہ

واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ و

للرسول (پ۱۰ الانفال ۴۱)

مال فے میں فوج کا کوئی حصہ نہیں

ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللہ

والرسول (پ۲۸ الحشر ۷)

اسلام میں انسانی حقوق میں برابری ہے

اقتدار اسلامی میں سب انسان برابر نہیں غیر مسلم

ماتحت ہو کر رہیں

اسلام میں معیشت میں برابری نہیں جو محنت کرے پائے

واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق (پ۱۴ النحل ۷۱)

کتاب الجہاد والہجرہ

انی جاعل فی الارض خلیفہ (پ۱ البقرہ ۳۰)

خلافت ارضی میں نیابت خداوندی

اور صفات جمال وجلال کا سایہ

۲. لیستخلفنهم فی الارض (پ۱۸ النور ۵۵)
۳. جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح (پ۸ الاعراف ۶۹)
جعلکم خلفاء من بعد عاد (پ۸ الاعراف ۷۴)
جہاد بہ کفار و مشرکین
واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (پ۱۰ الانفال ۶۰)
جہاد بہ اہل کتاب
قاتلوا الذین ... حتیٰ یعطوا الجزیۃ (پ۱۰ توبہ ۲۹)
جہاد بہ اہل الحاد
ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا لا یخفون علینا (پ۲۴ حم سجدہ ۴۰)
جہاد بمقابلہ منافقین
جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم (پ۱۰ التوبہ ۷۳)
جہاد نہ کر سکو تو ہجرت کرو
مستضعفین خدا کی پکڑ میں

ان الذین توفاھم الملئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیما کنتم قالوا کنا مستضعفین (پ۵ النساء ۹۷)
ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ (پ۵ النساء ۱۰۰)

کتاب خلق العالم

۱. زمین و آسمان کی پیدائش چھ دن میں
خلق السموات والارض فی ستۃ ایام (پ۲۱ السجدہ ۴)
۲. زمین دو دن میں اور دیگر چیزیں چار دن میں
خلق الارض فی یومین ... وقدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام (پ۲۴ حم سجدہ ۱۰)
۳. سات آسمان دو دن میں
فقضٰھن سبع سموات فی یومین (پ۲۴ حم سجدہ ۱۲)
۴. ہر آسمان میں امر الٰہی کا نزول
واوحیٰ فی کل سماء امرھا (پ۲۴ حم سجدہ)
۵. آسمان سات اور زمینیں بھی اسی طرح
خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن (پ۲۸ الطلاق ۱۲)
۶. آسمان ایک دھوئیں کی شکل میں
ثم استویٰ الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین (پ۲۴ حم سجدہ ۱۱)
۷. استویٰ علی العرش (پ۲۱ السجدہ ۴، پ۸ الاعراف ۵۴)
استویٰ الی السماء (پ۲۴ حم سجدہ)
۸. فرشتوں کو ہزار سال کے انتظامات اور تدابیر ملتی ہیں (پ۲۱ السجدہ ۵)
ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون (پ۲۱ السجدہ ۵)
۹. ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناہ فی الارض (پ۱۸ المؤمنون ۱۷)
۱۰. یغشی اللیل النھار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ. الا لہ الخلق والامر (پ۸ الاعراف ۵۴)

١١. وقد خلقكم اطوارًا... وجعل القمر فيهن نورًا
وجعل الشمس سراجًا (پ ٢٩ نوح ١٦)

١٢. وجعلنا من الماء كل شيء حيّ... وجعلنا
في الارض رواسي ان تميد بهم وجعلنا فيها
فجاجًا سبلًا (پ ١٧ الانبياء ٣١)

١٣. انسان پہلے مٹی سے پھر پانی سے بنا
بدأ خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من
سلالة من ماء مهين ثم سواه ونفخ فيه
من روحه (پ ٢١ السجده)

١٤. خلق الانسان من صلصال من حمإ مسنون
والجان خلقناه من قبل من نار السموم (پ ١٤ الحجر ٢٧)

١٥. خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها
وبث منهما رجالًا كثيرًا ونساءً (پ ٤ نساء ١)

١٦. ومن اٰياته ان خلق لكم من انفسكم ازواجًا
لتسكنوا اليها (پ ٢١ الروم ٢١) ليسكن اليها (اعراف)

١٧. والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنها منافع و
منها تاكلون ولكم فيها جمال... وتحمل اثقالكم
(پ ١٤ النحل ٧)

١٨. والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة
(پ ١٤ النحل ٨)

١٩. وسخر لكم الليل والنهار والشمس والقمر...
هو الذي سخر لكم البحر لتاكلوا منه لحمًا طريًا و
تستخرجوا منه حلية تلبسونها (پ ١٤ النحل ١٤)

٢٠. وجعلنا الليل والنهار اٰيتين فمحونا اٰية الليل
وجعلنا اٰية النهار مبصرة... ولتعلموا عدد
السنين والحساب (پ ١٥ بني اسرائيل ١٢)

٢١. فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها ومن
الجبال جدد بيض وحمر مختلف الوانها و
غرابيب سود (پ ٢٢ الفاطر ٢٧)

٢٢. وان لكم في الانعام لعبرة نسقيكم مما
في بطونه من بين فرث ودم لبنًا خالصًا
سائغًا للشاربين (پ ١٤ النحل ٦٦)

٢٣. ومن ثمرات النخيل والاعناب تتخذون
منه سكرًا ورزقًا حسنًا (پ ١٤ النحل ٦٦)

٢٤. وشجرة تخرج من طور سيناء تنبت بالدهن
وصبغ للاكلين وان لكم في الانعام لعبرة
.... ومنها تاكلون (پ ١٨ المؤمنون ٢١)

٢٥. ومن اٰيته... اختلاف السنتكم والوانكم
(پ ٢١ الروم ٢٢)

٢٦. ومن اٰيته منامكم بالليل والنهار وابتغاءكم
من فضله (پ ٢١

٢٧. فارتقب يوم تأتي السماء بدخان مبين
يغشى الناس (پ ٢٥ الدخان)

٢٨. صوركم فاحسن صوركم واليه المصير (پ ٢٨ تغابن ٣)

٢٩. جاعل الملئكة رسلًا اولي اجنحة مثنى و
ثلث ورباع يزيد في الخلق ما يشاء (پ ٢٢ فاطر)

۳۰. انزل لکم من الانعام ثمٰنیة ازواج یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقاً من بعد خلق فی ظلمٰت ثلٰث (پ۲۳ الزمر ۶)

۳۱. خلقنا کم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة وغیر مخلقة (پ۱۷ الحج ۵)

کتابُ البرزخ

۱. ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون (پ۱۸ المؤمنون ۱۰۰)

۲. النار یعرضون علیھا غدوًّا وعشیًّا ویوم تقوم الساعة ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب. (پ۲۴ المؤمن ۴۶)

۳. مما خطیئٰتھم اغرقوا فادخلوا نارا (پ۲۹ نوح ۲۵)

۴. منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم

۵. یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت. (پ۱۳ ابراھیم ۲۷)

۶. الیوم تجزون عذاب الھون (پ۷ الانعام ۹۳)

۷. یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق (پ۱۰ الانفال ۵۰)

۸. ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر (پ۲۱ السجدہ ۲۱)

حیات شہداء

ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (پ۲ البقرہ ۱۵۴)

ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون (پ۴ آل عمران ۱۶۹)

حیات الشہداء والانبیاء

والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا اوماتوا لیرزقنھم اللہ رزقا حسنا. (پ۱۷ الحج ۵۸)

واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا (پ۲۵ الزخرف)

ولقد اٰتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریة من لقائہ (پ۲۱ الم سجدہ ۲۳)

فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علیٰ موتہ الا دابة الارض (پ۲۲ السبا ۱۴)

کتابُ المعیشت

سب پیداوار میں ہر ایک کا حصہ

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا. (پ۱ البقرہ ۲۹)

درجہ معیشت سب کا ایک سا نہیں

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوة الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت (پ۲۵ الزخرف ۳۲)

واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق (پ۱۴ النحل ۷۱)

مرد عورتوں پر خرچ کریں

الرجال قوامون علی النساء . . . وبما انفقوا من اموالهم (پ۵ النساء ۳۴)

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف و للرجال علیهن درجه (پ۲ البقره ۲۲۸)

وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن (پ۲ البقره ۲۳۳)

اہل ثروت غریبوں پر خرچ کریں

ومما رزقنهم ینفقون (پ۱ البقره ۳)

ماذا ینفقون قل العفو (پ۲ البقره ۲۱۹)

وفی اموالهم حق للسائل والمحروم (پ۲۶ الذاریات)

فقدموا بین یدی نجواکم صدقه (پ۲۸ المجادله ۱۲)

وراثت میں حصے یکساں نہیں

لکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون (پ۵ النساء ۳۳)

یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین . (پ۴ النساء)

مال جمع کرنے پر الٰہی ناراضگی

والذین یکنزون الذهب والفضة (پ۱۰ التوبه ۳۴)

ارءیت الذی یکذب بالدین (پ۳۰ الماعون)

امیر اپنے مال کا سالانہ حساب کریں

نقد سے سالانہ زکوٰۃ

پیداوار سے ہر فصل پر عشر

وسائلِ معیشت میں سب کا حصہ

احل لکم صید البحر وطعامه متاعاً لکم و للسیارة وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما (پ۷ المائده ۹۶)

احل لکم الطیبات وماعلمتم من الجوارح (پ۶ المائده ۴)

وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه (پ۱۴ النحل ۶۶)

سود اور جوے کی حرمت

واحل الله البیع وحرم الربا (پ۳ البقره ۲۷۵)

الذین یاکلون الربا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس (پ۳ البقره ۲۷۵)

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر (پ

کتاب المعاشرت

انما المؤمنون اخوة (پ۲۶ الحجرات ۱۰)

فاصبحتم بنعمته اخوانا (پ۴ آل عمران ۱۰۳)

ماں باپ کے حقوق

لاتعبدون الا الله وبالوالدین احسانا (پ۵ النساء ۳۶)

لا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احساناً

(پ البقرہ ۸۳)

وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین

احساناً (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۳)

ان اشکرلی ولوالدیک (پ۲۱ لقمان ۱۴)

لا تقل لھما اف ولا تنھرھما (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۳)

ووصینا الانسان بوالدیہ حسناً (پ۲۰ العنکبوت ۸)

اولاد کے حقوق

لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق (پ الانعام ۱۵۱)

المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا (پ۱۵ الکہف ۴۶)

بچے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے

وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن (پ۲ البقرہ ۲۳۳)

خاوند بیوی کے حقوق

وجعلنا للمتقین اماماً (پ۱۹ الفرقان ۷۴)

عورتوں کا نفقہ مردوں کے ذمہ ہے

وبما انفقوا من اموالھم (پ۵ النساء ۳۴)

انہیں وہاں بساؤ جہاں خود رہو

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم

(پ۲۸ الطلاق ۶)

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن (پ۲ البقرہ ۱۸۷)

یدنین علیھن من جلابیبھن (پ۲۲ الاحزاب ۵۹)

واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا

(پ۱۸ النور ۵۹)

نکاح کے لیے ایک دین

ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا (پ۲ البقرہ ۲۲۱)

فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن

الی الکفار (پ۲۸ الممتحنہ ۱۰)

والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من

قبلکم (پ۶ المائدہ ۵)

انسانوں میں بعض کو بعض پر فضیلت

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ

بعضھم علی بعض (پ۵ النساء ۳۴)

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق

(پ۱۴ النحل ۷۱)

فضلنا بعضھم علی بعض (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۱)

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض

(پ۳ البقرہ ۲۵۳)

وللرجال علیھن درجۃ (پ۲ البقرہ ۲۲۸)

کسی مسکین کو ناراضگی کے باعث محروم نہ کریں

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ

(پ۱۸ النور ۲۲)

خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرو

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا

تبسطھا (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۹)

مومنین کے مال میں یتیموں کا حق ہے (پ۲۹ المعارج)

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (پ۲۶ الذاریات ۱۹)

یتیم کو دھکارنے والا دین کا مکذب ہے (پ۳۰ الماعون)

مقروض کو سہولت تک مہلت دو

وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ (پ۳ البقرۃ ۲۸۰)

مناسب بات کہنا، احسان مند صدقہ سے بڑی نیکی ہے

قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعہا اذیٰ (پ۳ البقرۃ ۲۶۳)

سلام کا جواب اس سے بہتر پیرایہ میں دو

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا (پ۵ النساء ۸۶)

لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی اھلھا (پ۱۸ النور ۲۷، ۲۸)

واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً (پ۱۹ الفرقان ۶۳)

واقصد فی مشیک واغضض من صوتک

عورتوں کا اصلاحِ معاشرہ کا حلقہ

کتاب التقلید والاجتہاد

فطرت یہی ہے کہ یا خود علم پاؤ یا دوسروں کی مانو

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر (پ۲۹ الملک ۱۰)

دین ہے سب کے لیے مگر اسے جانتے صرف عالم ہیں

نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

جو عالم نہیں وہ اہل علم سے جو دلائل جانتے ہیں پوچھے

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پ۱۴ النحل ۴۳)

صرف انبیاء کی نہیں دوسرے انعام یافتہ اہل علم کی بھی اتباع چاہیے

صراط الذین انعمت علیھم

اللہ کے آگے جھکے ہوئے اہل علم سب لائق اتباع ہیں

واتبع سبیل من اناب الی (پ۲۱ لقمان ۱۵)

انبیاء کے ساتھیوں میں بھی تمہارے لیے اسوۂ حسنہ ہے

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ (پ۲۸ الممتحنہ ۴)

حضورؐ کے ساتھیوں کے خلاف چلنا بھی جہنم کی راہ ہے

من یشاقق الرسول ..... ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم (پ۵ النساء ۱۱۵)

آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے بعد ائمہ مجتہدین کی پیروی

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولوا الامر منکم (پ۵ النساء ۵۹)

اہل علم ہی مسائل میں اجتہاد کر سکتے ہیں

ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولوا الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ (پ۵ النساء ۸۳)

ہر ایک فقیہ بنے ضروری نہیں دوسرے ان کا فتویٰ مانیں

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین (پ۱۱ التوبہ ۱۲۲)

پیروی انہی آباء کی ہو جو علم اور ہدایت کا نور رکھتے ہیں

قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اٰباءنا (پ۷ المائدہ ۱۰۴)

پیروی انہی آبار کی ہو جو علم کا نور رکھتے ہیں

اولو کان اباءھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون

(پ البقرہ ۱۷۰)

واتبعت ملۃ اباءی ابراھیم واسماعیل و

اسحٰق ویعقوب (پ۱۲ یوسف ۳۸)

کتاب اعمال القلب

قلب کے حالات کا بیان

لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب (پ۱۷ الحج ۴۶)

بل ران علیٰ قلوبھم (پ۳۰ المطففین ۱۴)

ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم (پ۱ البقرہ ۷)

انا جعلنا علیٰ قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ (پ۱۵ الکہف ۵۷)

لا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا (پ۱۵ الکہف ۲۸)

سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (پ۴ آل عمران ۱۵۱)

دلوں کے دھونے کی دعوت

یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم (پ۴ آل عمران ۱۶۴)

یعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم (پ۱ البقرہ ۱۲۹)

تطھرھم وتزکیھم بہا وصل علیھم ان صلوٰتک

سکن لھم (پ۱۱ التوبہ ۱۰۳)

کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم (پ۴ آل عمران ۱۰۳)

الا من اتی اللہ بقلب سلیم

ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ

اثباتُ الالہام والبیعۃ

الست بربکم قالوا بلیٰ (پ۲۰ القصص ۷)

واوحینا الیٰ ام موسیٰ (پ۱۴ النحل ۶۸)

واوحیٰ ربک الی النحل (پ۹ الاعراف ۱۷۲)

علم نبوت

فبھداھم اقتدہ

علم لدنی اور علم نبوت

وعلمناہ من لدنا علما (پ۱۵ الکہف ۶۵)

بیعت توبہ وسلوک

اذا جاءک المؤمنات یبایعنک (پ۲۸ الممتحنہ ۱۲)

وعلمک مالم تکن تعلم

بیعت جہاد

یبایعونک انما یبایعون اللہ (پ۲۶ الفتح ۱۰)

التزام مجالس الخیر

لا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین

(پ۷ الانعام ۶۸)

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ

والعشی (پ۱۵ الکہف ۲۸)

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی

(پ۷ الانعام ۵۲)

لا تقم فیہ ابدا

اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (پ التوبہ ۱۱۹)

عوام کے لیے تقیہ کی رخصت

۱. لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ... الا ان تتقوا منھم تقاۃ۔ (پ۳ آل عمران ۲۸)

۲. الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (پ۱۴ النحل ۱۰۶)

اُولو العزم ارباب عزیمت کسی سے نہیں ڈرتے

۱. انی لا یخاف لدی المرسلون (پ۱۹ النمل ۱۰)

۲. یخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ (پ۲۲ احزاب ۳۹)

۳. ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم (پ۶ المائدہ ۴۷)

۴. لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (پ۱۱ یونس ۶۲)

کتاب اشراط الساعۃ

ان زلزلۃ الساعۃ شیٔ عظیم (پ۱۷ الحج)

حتٰی اذا فتحت یاجوج وماجوج (پ۱۷ الانبیاء ۹۶)

اخرجنا لھم دابۃ الارض (پ۲۰ النمل ۸۲)

نزول عیسٰی بن مریم

وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بھا (پ۲۵ الزخرف ۶۱)

یہود ونصارٰی دونوں قومیں انکی وفات سے پہلے مسلمان ہوں گی۔

وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ (پ۶ النساء ۱۵۹)

وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ (پ۳ آل عمران ۵۵)

ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل (پ۳ آل عمران ۴۸)

حیات عیسٰی بن مریم

فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم (پ۶ المائدہ ۱۷)

مظلوم آیات جن پر الحاد کی مشقیں ہوتیں

آیات الٰہیہ میں الحاد سے کام لینے والے اللہ پر اور اللہ والوں پر مخفی نہیں رہتے الحاد کا انجام آگ ہے

ان الذین یلحدون فی ایاتنا لا یخفون علینا (پ۲۴ حم سجدہ ۴۰)

مباحث النصارٰی

وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ (پ۶ المائدہ ۴۳)

قل فأتوا بالتوراۃ فاتلوھا (پ۴ آل عمران ۹۳)

ولھم علیّ ذنب فاخاف ان یقتلون (پ۱۹ الشعراء ۱۴)

لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک (پ۲۶ الفتح ۲)

لاتبدیل لکلمات اللہ (پ۱۱ یونس ۶۴)

فبھداھم اقتدہ (پ۷ الانعام ۹۰)

فی مباحث الملاحدۃ القادیانیۃ

عالم ارواح کی بات امت محمدیہ پر لگادی

یابنی آدم اما یاتینکم رسل منکم (پ۸ الاعراف ۳۵)

اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلاً ومن الناس
(پ۱۷ الحج ۷۵)

مبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد (پ۲۸ الصف ۶)

وبالاخرۃ ھم یوقنون (پ۱ البقرہ ۴)

فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم (پ۵ النساء ۶۹)

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (پ۲۲ الاحزاب ۴۰)

واخرین منھم لما یلحقوا بھم (پ۲۸ الممتحنہ ۲)

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ
الرسل (پ۴ آل عمران ۱۴۴)

یاعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ (پ۳ آل عمران ۵۵)

فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم
(پ۷ المائدہ ۱۱۷)

ولوتقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا
(پ۲۹ الحاقہ ۴۴)

فی مباحث الرافضہ

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت
(پ۲۲ الاحزاب ۳۳)

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (پ۱۴ الحجر ۹)

واذ ابتلیٰ ابراھیم ربه بکلمات قال انی جاعلك
للنّاس اماماً (پ البقرہ ۱۲۴)
یوم ندعوا کل اناس بامامھم (پ بنی اسرائیل ۷۱)
فاغسلوا وجوھکم.... وامسحوا برءوسکم
وارجلکم (پ المائدہ ۶)
الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (پ المومنون ۶)
فما استمتعتم به منھن فاٰتوھن اجورھن
فریضةً (پ النساء ۲۴)

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و
تومنون باللہ (پ آل عمران ۱۱۰)
ولقد اٰتینا موسیٰ الکتٰب... وقوم نوح (پ الفرقان ۳۷)
وعملوا الصٰلحٰت واٰمنوا بما نزل محمد (پ محمد ۲)

ماضی مضارع کے معنی میں

ونفخ فی الصّور (پ یٰسین ۵۱)

الا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان (پ النحل ۱۰۶)
فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منه تقاة.
(پ آل عمران ۲۸)
ان الذین توفّاھم الملٰئکة ظالمی انفسھم
(پ النساء ۹۷)

القواعد العلمیّة فی العبارات العربیّة

واؤ ترتیب کے لیے نہیں

یؤتون الزکوٰة والذین ھم باٰیاتنا یؤمنون
(پ الاعراف ۱۵۶)
یامریم اقنتی واسجدی وارکعی (پ آل عمران ۴۳)

لفظ اہل کی مناسبت سے مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیریں

قال لاھله امکثوا انی اٰنست ناراً (پ القصص ۲۹)
رحمة اللہ وبرکاته علیکم اھل البیت (پ ہود ۷۳)
انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل
البیت (پ الاحزاب ۳۳)
ھل ادلکم علی اھل بیت یکفلونه (پ القصص ۱۲)

ضمیر کا مرجع عین مرجع نہ ہو اس کی جنس سے ہو

یتوفاکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنھار
ثم یبعثکم فیه (پ الانعام ۶۰)

انتشار ضمائر

وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ (پ۲۶ الفتح)

الامر الاستحباب ولیس للوجوب

فاذا حللتم فاصطادوا (پ۶ المائدہ ۲)

لاتواعدوھن سرا الا ان تقولوا (پ۲ البقرہ ۲۳۵)

استشہاد واقع غیر واقع کے پیرایہ میں

ان اراد ان یہلک المسیح ابن مریم وامہ و

من فی الارض جمیعا (پ۶ المائدہ ۱۷)

جعل تکوینی تشریع نہیں

عمل کسی اور پیرایہ میں اسباب سے ہوا

جعلکم ملوکا واتکم مالم یؤت احدا (پ۶ المائدہ ۲۰)

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما

للناس (پ۷ المائدہ ۹۷)

انا جعلنا علی قلوبہم اکنۃ ان یفقہوہ (پ۱۵ الکہف ۵۷)

فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (پ۴ آل عمران ۱۰۳)

لاتطع من اغفلنا عن ذکرنا (پ۱۵ الکہف ۲۸)

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت

لیستخلفنہم فی الارض (پ۱۸ النور ۵۵)

آمین دعا ہے حضرت ہارون کی آمین

قد اجیبت دعوتکما (پ۱۱ یونس ۸۹)

قرآن کریم میں مذکور انبیاء کرام

حضرت آدم علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۲۱، ۲۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷

پ۸ الاعراف ۱۱، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۱۷۲

پ۱۶ طٰہٰ ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱

پ۳ آل عمران ۲۳، ۵۹ پ۱۵ الاسراء ۶۱، ۷۰

حضرت نوح علیہ السلام

پ۱۲ ہود ۲۵، ۳۲، ۳۶، ۴۲، ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۸۹

پ۱۹ الشعراء ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۶ پ۲۹ نوح ۱، ۲۱، ۲۶

پ۸ الاعراف ۵۹، ۶۰ پ۱۵ الاسراء ۳، ۱۷

پ۲۳ الصافات ۷۵، ۷۹

پ۲۴ المؤمن ۵، ۳۱

حضرت ادریس علیہ السلام

پ۱۶ مریم ۵۶ پ۱۷ الانبیاء ۸۰

حضرت ہود علیہ السلام

پ۱۲ ہود ۵۰۔۵۳۔۵۸۔۶۰۔۸۹

پ۸ الاعراف ۶۵ پ۱۹ الشعراء ۱۲۴

حضرت صالح علیہ السلام

پ۱۲ ہود ۶۱۔۶۲۔۶۶۔۸۹

پ۸ الاعراف ۷۳۔۷۵۔۷۷ پ۱۹ الشعراء ۱۴۲

حضرت ابراہیم علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۱۲۴۔۱۲۵۔۱۲۶۔۱۲۷۔۱۳۰۔۱۳۲
۱۳۳۔۱۳۵۔۱۳۶۔۱۴۰۔۱۵۸۔۱۶۰

پ۳ آل عمران ۳۳۔۳۵۔۶۷۔۶۸۔۸۴۔۹۵۔۹۷

پ۵ النساء ۵۴۔۱۲۵۔۱۶۳

پ۷ الانعام ۷۴۔۷۵۔۸۳۔۱۵۱

پ۱۲ ہود ۶۹۔۷۴۔۷۵۔۷۶

پ۱۷ الانبیاء ۵۱۔۶۰۔۶۲۔۶۹

پ۱۶ مریم ۴۱۔۴۶۔۵۸

پ۱۷ الحج ۲۶۔۴۳۔۷۸

پ۲۳ الصافات ۸۳۔۱۰۴۔۱۰۹

پ۱۱ التوبہ ۷۰۔۱۱۴ پ۱۴ النمل ۱۲۰۔۱۲۳

پ۱۲ یوسف ۶۔۳۸ پ۱۹ العنکبوت ۱۶۔۳۱

پ۱۳ ابراہیم ۳۶

حضرت لوط بن ہاران علیہ السلام

پ۷ الانعام ۸۶۔۹۰ پ۸ الاعراف ۸۰۔۸۴

پ۲۰ العنکبوت ۲۸۔۳۰۔۳۲۔۳۵

پ۱۲ ہود ۷۴۔۸۳ پ۱۹ الشعراء ۱۶۰۔۱۷۳

پ۱۴ الحجر ۵۸۔۷۷ پ۲۷ الذاریات ۳۲۔۳۷

پ۲۸ التحریم ۱۰ پ۱۷ الانبیاء ۷۴۔۷۵

پ۲۳ الصافات ۱۳۳۔۱۳۸

حضرت اسماعیل علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۱۲۵۔۱۲۹

پ۲۳ الصافات ۱۰۱۔۱۰۷

پ۱۷ الانبیاء ۵۸ پ۱۶ مریم ۵۴۔۵۵

پ۷ الانعام ۸۶۔۹۰ پ۲۳ ص ۴۸

حضرت اسحٰق علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۱۳۳ پ۷ الانعام ۸۴۔۹۰

پ۱۲ ہود ۷۱ پ۲۳ ص ۴۵۔۴۰

پ۱۷ انبیاء ۷۲۔۷۳ پ۲۳ الصافات ۱۱۲۔۱۱۳

حضرت یعقوب علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۱۳۲ پ۴ آل عمران ۹۳

پ۱۳ یوسف ۸۴۔۱۰۱ پ۱۷ انبیاء ۷۲۔۷۳

پ۲۳ ص ۴۵۔۴۷ پ۲۴ المومن ۳۴

حضرت یوسف علیہ السلام

پ۱۲ یعلمک من تاویل الاحادیث ۶

پ۱۲ لقد کان فی یوسف واخوته آیات
للسائلین

ولما بلغ اشده آتیناه حکماً وعلماً ۲۲

قال رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ ۳۳

واتبعت ملة اٰبارٔی ابراھیم واسحق ویعقوب ۳۸
ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رای برھان ربہ ۲۴

حضرت شعیب علیہ السلام

پ۸ الاعراف ۸۵۔۹۳ پ۱۲ ہود ۸۴۔۹۵
پ۱۴ الحجر ۷۸۔۹، پ۱۹ الشعراء ۱۷۶۔ ۱۸۹
پ۲۰ العنکبوت ۳۶۔ ۳۷

انبیاء بنی اسرائیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ کی والدہ کی شان

وربطنا علیٰ قلبھا (پ۲۰ القصص ۱۰)
واوحینا الی ام موسیٰ (پ۲۰ القصص)
اذ اوحینا الی امك ما یوحیٰ (پ۱۶ طٰہٰ ۳۸)
فخرج منھا خائفا یترقب (پ۲۰ القصص)
ولما ورد ماء مدین وجد علیہ امۃ من
الناس یسقون (پ۲۰ القصص)
واصطنعتك لنفسی (پ۱۶ طٰہٰ)
وانا اخترتك فاستمع لما یوحیٰ (پ۱۶ طٰہٰ)
فذانك برھانان من ربك (القصص)
واحلل عقدۃ من لسانی (طٰہٰ)
لا تخف انی لا یخاف لدیّ المرسلون پ۱۹ النمل ۲
فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (پ۲۱ السجدہ ۲۳)
قال قد اجیبت دعوتکما (پ۱۱ یونس ۸۹)

فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ (طٰہٰ)
پ۹ الاعراف ۱۴۲۔ ۱۵۷
پ۱۹ الشعراء ۱۰۔ ۱۲ فرقان ۳۵
پ۳۰ النازعات ۱۵
ذکر قارون پ۲۰ القصص ۷۶ تا ۸۲ پ۲۰ العنکبوت ۳۹
پ۲۴ المومن ۲۳
ذکر ھامان وقال فرعون یا ھامان ابن لی صرحا
پ۲۴ المومن ۳۶
فاوقد لی یا ھامان علی الطین فاجعل لی
صرحا۔ پ۲۰ القصص
ذکر فرعون ارسلنا موسیٰ۔۔۔۔ الی فرعون
وھامان وقارون پ۲۴ المومن ۲۳

حضرت ہارون علیہ السلام

وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی
واصلح۔ پ۹ الاعراف
واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی
پ۱۶ طٰہٰ ۳۰
ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا
پ۱۶ مریم ۵۳

حضرت داؤد علیہ السلام

ولقد اٰتینا داؤد منا فضلا۔۔۔ والنا لہ الحدید
پ۲۲ السبا ۱۰
وقتل داؤد جالوت پ البقرہ ۲۵۱

واذکر عبدنا داؤد پ۲۳ ص ۱۷-۲۶

واتینا داود زبورا پ۶ النساء ۱۶۳

لعن الذین کفروا..... علیٰ لسان داود وعیسی ابن مریم پ۶ المائدہ ۷۸

حضرت سلیمان علیہ السلام

واتینا داود وسلیمان علماً و ورث سلیمان داود. پ۱۹ النمل ۱۵

وحشر لسلیمان جنوده من الجن والانس و الطیر. پ۱۹ النمل ۱۷

ولسلیمان الریح عاصفة تجری بامرہ الی الارض. پ۱۷ الانبیاء ۸۰

ما تتلوا الشیاطین علیٰ ملک سلیمان. پ۱ البقرہ ۱۰۲

حضرت یونس علیہ السلام

وذا النون اذ ذھب مغاضباً پ۱۷ الانبیاء ۸۷

ولا تکن کصاحب الحوت پ۲۹ القلم ۴۸

اذ ابق الی الفلک المشحون فساھم پ۲۳ الصافات ۱۴۰

فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس پ۱۱ یونس ۹۸

حضرت ایوب علیہ السلام

واذکر عبدنا ایوب اذ نادیٰ ربه انی مسنی الشیطان پ۲۳ ۴۱

انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین فاستجبنا له پ۱۷ الانبیاء ۸۴

حضرت زکریا علیہ السلام

ھنالک دعا زکریا ربه پ۳ آل عمران

انبتھا نباتاً حسناً وکفلھا زکریا پ۳ آل عمران ۳۷

واذکر رحمة ربک عبده زکریا پ۱۶ مریم ۱

وزکریا اذ نادیٰ ربه رب لا تذرنی فرداً پ۱۷ الانبیاء ۸۹

حضرت یحییٰ علیہ السلام

یا یحییٰ خذ الکتاب بقوة واتیناه الحکم صبیاً پ۱۶ مریم ۱۲

لم نجعل له من قبل سمیاً پ۱۶ مریم ۷

حضرت الیسع علیہ السلام

واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطاً پ۷ الانعام ۸۶

واذکر اسمٰعیل والیسع وذا الکفل پ۲۳ ص ۴۸

حضرت الیاس علیہ السلام

وان الیاس لمن المرسلین پ۲۳ الصافات ۱۲۳

وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس پ۷ الانعام ۸۵

حضرت ذو الکفل علیہ السلام

واسمٰعیل وادریس وذا الکفل پ۱۷ الانبیاء ۸۵

الیسع وذا الکفل وکل من الاخیار پ۲۳ ص ۴۸

حضرت عزیر علیہ السلام

او کالذی مر علیٰ قریة وھی خاویة علیٰ عروشھا پ۳ البقرہ ۲۵۹

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ پ۱۰ التوبہ ۳۰

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

واذ قالت الملٰئکة یا مریم ان اللہ اصطفاک پ۳ آل عمران ۴۲

وقولهم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول الله

پ[۶] النساء ۱۵

انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول الله وکلمته

پ[۶] النساء ۱۷۱

لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح بن مریم

پ[۶] المائدہ ۷۲

ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبله

الرسل۔ پ[۶] المائدہ ۷۵

لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ

لسان داود عیسیٰ بن مریم

واذ علمتک الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل

پ[۷] المائدہ ۷۸

وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها پ[۲۵] الزخرف ۶۱

مصدقًا لما بین یدیّ من التوراة ومبشّرًا

برسولٍ یاتی من بعدی۔ پ[۲۸] الصف ۶

فایدنا الذین اٰمنوا علیٰ عدوّهم فاصبحوا

ظاهرین۔ پ[۲۸] الصف ۷

واٰوینٰهما الیٰ ربوة ذات قرارٍ ومعین

پ

حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم

میثاق النبیّین میں آخر میں آنے والے رسول کی خبر

ثم جاءکم رسول مصدقًا لما معکم پ[۳] آل عمران ۸۱

دعاء ابراہیم علیہ السلام دربارہ اولاد اسمٰعیل

ربنا وابعث فیهم رسولًا منهم پ[۱] البقرہ ۱۲۹

بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم کہ اب ایک آئے گا

ومبشرًا برسولٍ یاتی من بعدی اسمه احمد

پ[۲۸] الصف ۶

آنے والا رسول اُمیّین میں آئے گا

هو الذی بعث فی الامیّین رسولًا منهم پ[۲۸] الجمعہ ۲

تورات وانجیل میں اس کی خبریں ہوں گی پ[۹] الاعراف ۱۵۷

الذی یجدونه مکتوبًا عندهم فی التوراة والانجیل

حضرتؐ کی رسالت کا بیان

وارسلنٰک للناس رسولًا وکفیٰ بالله شهیدًا پ[۵] النساء ۷۹

قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعًا پ[۹] الاعراف ۱۵۸

انک لمن المرسلین علیٰ صراط مستقیم پ[۲۲] یٰس ۳

حضرت کی بشریت کا بیان

سبحان ربی هل کنت الا بشرًا رسولًا پ

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد پ[۱۷] الانبیاء ۳۴

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ پ

انبیاء میں بعض سے بعض افضل ہیں

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض پ البقرہ

ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض پ بنی اسرائیل ۵۵

لا نفرق بین احد من رسلہ پ ۲۸۵ میں

تفریق کی نفی ہے فرقِ مراتب کی نہیں۔

حضرت خاتم النبیین نبیوں کے سردار ہیں

و علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک

عظیما۔ پ

ماکان محمدٌ اباَ احد من رجالکم ۔۔۔۔ و

خاتم النبیین۔ پ الاحزاب

ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن

بہ ولتنصرنہ۔ پ آل عمران

حضورؐ کی رسالتِ عامہ سب بنی نوعِ انسان کے لیے

اوحی الیّ ھٰذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ

پ الانعام ۱۹

نزّل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔

پ الفرقان ۱

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا

پ الاعراف ۱۵۸

وما ارسلناک الا کافۃ للناس پ الاحزاب ۲۸

آنحضرتؐ کی صفاتِ عالیہ

انا ارسلنٰک شاھدًا ومبشرًا ونذیرًا وداعیًا

الی اللہ باذنہٖ وسراجًا منیرًا۔ پ الاحزاب ۴۶

کافۃ للناس بشیرًا ونذیرًا۔ پ السباء ۲۸

یأمرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم

الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم

اصرھم والاغلال التی کانت علیھم پ الاعراف ۱۵۷

عزیزٌ علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین

رؤف رحیم پ التوبہ ۱۲۸

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین پ انبیاء ۱۰۷

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت

فظًا۔ پ آل عمران ۱۵۹

وانک لعلی خلق عظیم۔ پ النجم

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم پ احزاب

آنحضرتؐ کی تربیت کے قرآنی اسباق

واصبر علی مایقولون واھجرھم ھجرًا جمیلًا

واصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا

تکن کصاحب الحوت

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم

عبس وتولّٰی ان جاءہ الاعمٰی

فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر

واذا عزمت فتوکل علی اللہ پ آل عمران ۱۵۹

آنحضرتؐ کے فرائضِ رسالت

یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ. پ۲۸ الجمعہ ۲

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ. پ۴ آل عمران ۱۶۴

یتلوا علیھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم پ۱ البقرہ ۱۲۸

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ پ۶ المائدہ ۶۷

فانما علیک البلاغ واللہ بصیرٌ بالعباد پ۳ آل عمران ۲۰

یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم. پ۹ الاعراف ۱۵۷

آنحضرتؐ کو دنیوی غلبے کی بشارت

ما ودعک ربک وما قلیٰ پ۳۰ الضحیٰ

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق پ۱۷ الانبیاء ۱۸

قل ان ربی یقذف بالحق علام الغیوب قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید پ۲۲ سبا ۴۹

قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۱

انا فتحنا لک فتحاً مبیناً پ۲۶ الفتح ۱

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم پ۱۸ النور ۵۵

من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم پ۶ المائدہ ۵۴

ان الارض یرثھا عبادی الصالحون پ۱۷ انبیاء ۱۰۵

اذا جاء نصر اللہ پ۳۰ النصر ۱

لئن لم ینتہ المنافقون...... لنغرینک بھم پ۲۲ الاحزاب ۶۰

حضورؐ کی مجلس پاک منافقوں سے پاک

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین پ۷ الانعام ۶۸

واصبر نفسک مع الذین یدعون پ۱۵

لا تقم فیہ ابداً لمسجدٌ اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ پ۱۱ التوبہ ۱۰۸

فقل لن تخرجوا معی ابداً ولن تقاتلوا معی عدواً پ۱۰ التوبہ ۸۳

ولا تصل علی احدٍ منھم مات ابداً پ۱۰ التوبہ ۸۴

جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم پ۱۰ التوبہ ۷۳

حضورؐ کا عقیدہ باری تعالیٰ

(۱) حضورؐ کی علم غیب کی تہمت سے برأت

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من
الخیر. پ۹ الاعراف ۱۸۸
قل لا اقول لکم عندی خزائن الارض ولا
اعلم الغیب ..... ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ
پ۷ الانعام ۵۰
یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰہا .. یسئلونک
کانک حفی عنہا قل انما علمہا عند اللہ
پ۹ الاعراف ۱۸۷
قل ان ادری اقریب ما توعدون ام
یجعل لہ ربی امدًا پ۲۹ الجن ۲۵
قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب
الا اللہ. پ۲۰ النمل ۶۵

(۲) آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی

وما کنت لدیہم اذ اجمعوا امرہم پ۱۳ یوسف ۱۰۲
وما کنت لدیہم اذ یلقون اقلامہم پ۳ آل عمران ۴۴
وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا
الیٰ موسیٰ الامر. پ۲۰ القصص ۴۴
ظاہرًا آپ کی آنکھیں وہیں دیکھتیں جو سامنے ہو
ولا تعد عیناک عنہم پ۱۵ کہف ۲۸
وما یکون من نجویٰ ثلٰثۃ الا رابعہم
پ۲۸ المجادلہ ۷

(۳) حضورؐ کی اپنے مختارِ کل ہونے کی نفی

ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی پ
هل کنت الا بشرًا رسولًا پ۱۵ بنی اسرائیل ۹۳
لم تحرم ما احل اللہ لک. (پ۲۸ التحریم)
عفا اللہ عنک لم اذنت لہم (پ۱۰ التوبہ ۴۳)

(۴) حضورؐ کا سفرِ آخرت اور وعدہ وفات

انک میت وانہم میتون پ۲۳ الزمر ۳۰
وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افان مت
منہم الخالدون پ۱۷ انبیاء ۳۴
وما محمدٌ الا رسول قد خلت من قبلہ
الرسل.
افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم
پ۴ آل عمران ۱۴۴
اذا جاء نصر اللہ والفتح ..... فسبح بحمد
ربک واستغفرہ. پ۳۰ النصر
وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت
لیستخلفنہم فی الارض پ۱۸ النور ۵۵

تمام پیغمبر قیامت کو اپنی امت پر گواہ ہوں گے

ویوم نبعث من کل امۃ شہیدًا پ۱۴ النحل ۸۴
ویوم نبعث فی کل امۃ شہیدًا
پ۱۴ النحل ۸۹
ویکون الرسول علیکم شہیدًا پ۲ البقرہ ۱۴۳

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنابک
علیٰ ھٰؤلاء شہیدًا)
وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدًا۔

حضرت خاتم النبیینؐ کے معجزات

① علم غیب کی خبریں
لا یأتون بمثلہ ولوکان بعضہم لبعض ظہیرًا۔
پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۸
وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النّار
پ۱ البقرہ ۲۴
غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من
بعد غلبہم سیغلبون۔ پ۲۱ الروم ۲
اذا جاء نصر اللہ والفتح پ۳۰ النصر ا
ماکان محمدٌ ابا احد من رجالکم پ۲۲ الاحزاب ۴۰
② بدر کے میدان میں اپنے سے دُگنی تعداد کو دکھنا
ولقد نصرکم اللہ ببدرٍ و انتم اذلّۃ پ۴ آل عمران ۱۲۳
فارسلنا علیہم ریحًا وجنودًا لم تروھا پ۲۱ الاحزاب ۹
③ سفر معراج مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک
پ۱۵ بنی اسرائیل ا
④ سیر معراج ۷ سماٰوں سے سدرۃ المنتہیٰ تک
پ۲۷ النجم
⑤ شق القمر — اقترب الساعۃ وانشق القمر
پ۲۷ القمر ا

لغاتُ القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مطالعہ اسلامیات Islamic Studies کے کئی اساتذہ اور تلامذہ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عربی میں مہارت نہیں رکھتے، جتنا جانتے ہیں اسے بھی وہ ناجانا یقین کرتے ہیں صورتِ حال یوں نہیں ہے اور جو ہماری روزمرہ کی زبان ہے اس کے حروف اور عربی کے حروف بیشتر ایک سے ہیں، اور عربی اردو اور فارسی سے زیادہ فاصلے پر نہیں جو اردو اور انگریزی میں فاصلہ زیادہ ہے۔ اردو جاننے والے حضرات گو عربی اس طرح سے نہ پڑھے ہوں جیسے مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی ہے اور اس طرح بھی نہ پڑھے ہوں جس طرح ایم اے عربی کے طلبہ پڑھتے ہیں پھر بھی قرآن کے قریب ہونے کے لیے وہ ایک سطح تک عربی دان ہو سکتے ہیں ذرا توجہ مطلوب ہے اور ارادہ اور عزم درکار ہے۔ دنیا میں ہی جنت کی زبان سیکھ لینا کوئی کم سعادت نہیں ہے، اس سے اسلامیات کا مطالعہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

یونیورسٹی طلبہ کے تعارف قرآن کے لیے آپ کو مارکیٹ میں کئی کتابیں ملیں گی لیکن ان میں عربی نہ جاننے والوں کو عربی دانی پر لانے کے لیے ابتدائی درجے کی محنت بہت کم ملتی ہے، اسلامیات کے بہت سے طلبہ بھی پرچہ کے دوسرے حصوں پہ محنت کر کے اس وادی حیرت کو عبور کرتے ہیں اور وہ اس محنت سے بچتے ہیں جو مطالعہ اسلامیات کے طلبہ کو تعارف قرآن اور ترجمہ قرآن میں ضرور کرنی چاہیئے۔

ہم نے اس احساس سے ایک چھوٹے پیمانے پر یہ لغات القرآن مختصر طور پر تیار کی ہے۔ اس میں کچھ اسم ہیں اور کچھ فعل اور ظاہر ہے کہ کسی زبان کو سمجھنے کے لیے اس کے افعال میں ماضی Past اور مضارع Future کے مختلف پیرایوں کو اور اس کے فسٹ پرسن سیکنڈ پرسن اور تھرڈ پرسن کے فاصلوں کو پہچاننے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اسماء میں واحد جمع اسم ظاہر اور اسم ضمیر کو جاننے کی بھی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ افعال و اسماء کو اس درجے میں سمجھنے اور ان کے ان مذکورہ فاصلوں کو

جاننے سے طالب علم اس سیڑھی پر ضرور آجاتا ہے کہ وہ آئندہ کبھی اس گھاٹی پر بھی آسکے۔

یہاں ہم نے کچھ فعل بھی دیئے ہیں اور انہیں ماضی اور مضارع میں تقسیم کر کے لکھا ہے انہیں تقابل کے ساتھ بار بار پڑھنے اور ترجمہ یاد کرنے سے طلبہ میں عربی گرائمر کا ذوق اُبھرتا ہے۔ ماضی کے صیغوں میں ت کی چار صورتیں تُ. تَ. تِ. تْ اور مضارع کے شروع چار حروف (اتین) جاننے سے اس کے غائب، حاضر اور متکلم کی صورتوں کو طلبہ بآسانی پہچان سکیں گے۔ یہ چار حروف ی ت ا اور ن ہیں ان کے مجموعے کو حروف اتین کہتے ہیں۔

ماضی اور مضارع کے ساتھ ہم نے قرآن کریم کی وہ آیت بھی لکھ دی ہے جس میں وہ فعل (گو وہ کسی شکل میں ہو معروف میں یا مجہول میں) مذکور ہے اگر بات پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو گھر میں قرآن کریم سے وہ آیت نکال کر اس کا بغور مطالعہ کرلیں۔ ان شاء اللہ اس فعل کے ماضی مضارع پر آپ کو قابو مل جائے گا اور ان عربی الفاظ میں کوئی اجنبیت نہ رہے گی۔

یہ ایک ہزار فعل (ماضی اور مضارع) ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں بیس لفظ روزانہ یاد کر کے آپ ڈیڑھ مہینہ میں انہیں ازبر کر سکتے ہیں۔ آیت میں اگر آپ کو وہ ترجمہ جو ہم نے ماضی مضارع میں دیا ہے نہ ملے تو سمجھیں کہ آیت میں اس کا ترجمہ محاورے کے پیرایہ میں دیا گیا ہے۔

پھر ماضی اور مضارع کا ترجمہ ہم نے کہیں ماضی کا لکھ دیا ہے اور کہیں مضارع کا۔ یہ اس لیے کہ طالب علم خود معلوم کریں کہ یہ ترجمہ ماضی کا ہے یا مضارع کے صیغے کا۔ اس سے طلبہ کو ماضی مضارع کو ان کے مختلف پیرایوں اور صیغوں میں سمجھنے میں خاصی امداد ملے گی۔

اسماء کے بیان میں

بعض اسم ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں جیسے لفظ عین جو آنکھ اور چشمہ آب دونوں کے لیے ایک سا استعمال ہوتا ہے۔ ہم نے کہیں کہیں کسی اسم کے دو دو معنی بھی لکھ دیئے ہیں تاکہ طلبہ اس ذوق سے ناآشنا نہ رہیں گو قرآن میں وہ لفظ کسی ایک معنی میں آیا ہو۔ یہاں دیئے گئے اسم بیشتر اسم ظاہر ہیں ـــــ مفردات میں طلبہ بس انہی اسماء کو ان کے ترجمہ کے ساتھ یاد کرلیں۔ اسم معرفہ کی دوسری صورتیں (جیسے اسم ضمیر، اسم اشارہ، اسم موصول) یہاں آپ کو نہ ملیں گی اسماء کی یہ فہرست ان کے مفردات کی ہے

یہ دوسری صورتیں عبارت کے ذیل میں پہچانی جائیں گی۔ ہاں اسم نکرہ کے بہت سے الفاظ مفردات کی صورت میں بھی سامنے آگئے ہیں. سو وہ آپ کو ہماری اس فہرست میں عام ملیں گے.

اسم کی تاریخ فعل کی تاریخ سے مقدم ہے. فعل بدوں کسی فرد کے وقوع میں نہیں آتا کوئی فاعل ہوگا تو فعل وجود میں آئے گا. سو اس میں کوئی شک نہیں کہ اسم کا وجود فعل سے پہلے کا ہے ایسے جملے تو ہو سکتے ہیں جن میں کوئی فعل نہ ہو (جیسے جملہ اسمیہ) لیکن ایسا جملہ کوئی نہیں ہو سکتا جس میں کوئی اسم نہ ہو. جملہ فعلیہ میں کم از کم ایک اسم کا ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ صادق جملہ اسمیہ ہے اور جاء زید جملہ فعلیہ ہے سو جملہ اسمیہ کی پہچان یہ ہے کہ اس میں کوئی فعل نہ ہو اور جملہ فعلیہ وہ ہے جس میں اسم کے ساتھ کوئی فعل بھی ہو۔

اللہ اسم ہے اور وہ ذات واجب ہے پھر اس کی صفات کی جلوہ ریزی ہوئی اور افعال وجود میں آگئے. بنی نوع انسان کے لیے پہلا علم اسماء کا ہی تھا. آدم اور ابن آدم نے پھر جو کچھ سیکھا اس کے بعد سیکھا. وعلم آدم الاسماء کلھا میں اس کی خبر دے دی گئی. فرشتوں نے اس سے پہلے اپنے افعال ذکر کیے تھے. نحن نسبح بحمدک ونقدس لک نگران افعال کو بھی دونوں طرف سے اسم نے گھیرا ہوا ہے. پہلے نَحْنُ کی مرفوع ضمیر نے اور آخر میں کَ کی ضمیر منصوب نے.

ہم نے یہاں آپ کے سامنے ۲۵۰ اسماء کی ایک فہرست رکھی ہے. طلبہ دس اسم بھی روزانہ یاد کریں تو ایک ماہ میں وہ اس مختصر لغات القرآن کے اسماء پر قابو پا سکتے ہیں۔ انہیں سمجھ کر پھر وہ ان آیات کو بھی سمجھ سکتے ہیں جن میں یہ اسماء وارد ہوئے. بشرطیکہ ان کا افعال پر ایک ماہ لگ چکا ہو. اسماء میں اگلی سطر کسی ایک صورت کے التزام سے نہیں لکھی گئی. ان اسماء سے متعلق مختلف زاویوں سے جو بات کہی یا سمجھی جا سکتی ہے اسے اشارۃً دے دیا ہے یہ کام اساتذہ کا ہے کہ وہ اس کی تشریح میں اس لفظ کو سمجھا دیں جس کے سامنے یہ باتیں لکھی گئی ہیں.

عربی گرامر کے چند قواعد

ہم یہاں عربی گرامر کے چند عنوان ذکر کرتے ہیں جو دو ہفتے میں سیکھے جا سکتے ہیں انہیں کلاسیکی انداز میں جاننے کی بجائے آپ انہیں applied grammer کے طور پر جاننے کی کوشش

کریں۔ یہ دو ہفتے کی محنت آپ کو پورے ترجمہ قرآن کے گرد لاسکتی ہے۔

۱۔ ماضی اور مضارع کے الفاظ کی پہچان ۲۔ ہر دو کے واحد اور جمع کو پہچاننا
۳۔ ہر دو کے مؤنث اور مذکر کے صیغوں کو پہچاننا ۴۔ مرکب اضافی اور مرکب توصیفی کے حالات
۵۔ حرف جارہ اور ان کا استعمال ۶۔ معروف اور مجہول کی پہچان ماضی اور مضارع میں
۷۔ اسم اشارہ اور اس کے واحد اور جمع ۸۔ اسم موصول مذکر اور مؤنث واحد اور جمع
۹۔ فاعل اور مفعول کے اعراب ۱۰۔ اسم ضمیر کے رفعی اور نصبی حالات

قرآن کریم کے ترجمہ کا ذوق رکھنے والے ان کتابوں کو بطور ڈکشنری اپنے پاس رکھیں اور ترجمہ قرآن کے لیے مسلسل چلتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ سب طلبہ کے لیے قرآن کریم آسان فرمائے۔

المفردات علامہ راغب اصفہانی (ھ) کی تالیف۔ اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ دیوبند کے مشہور عربی ادیب مولانا وحید الزمان کی کتاب لغات القرآن چھ جلدوں میں ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی کی کتاب لغات القرآن۔ یہ تین جلدوں میں ہے اسے دارالاشاعت کراچی نے شائع کیا ہے۔

ابتدائی درجے میں لغات القرآن کی یہ مختصر کوشش اس لیے دی گئی ہے کہ ابتدائی عربی جانے بغیر قرآن کریم کا تعارف پورا نہیں ہو سکتا۔

مؤلف عفا اللہ عنہ

اترف	یترف	اس نے آرام دیا	انهم کانوا قبل ذلک مترفین ۔(الواقعہ) وہ لوگ اس سے پہلے بڑے آرام میں (خوشحالی) رہتے تھے
املی	یملی	اس نے مہلت دی	الشیطن سول لهم واملی لهم ۔(محمد ۲۵) شیطان نے انکو چکمہ دیا اور انہیں بڑے دور کی بجھائی
اثار	یثیر	جو تا زمین کو	انها بقرة لا ذلول تثیر الارض (البقرہ ۷۱) وہ گائے ہو جو نہ ہل میں چلی جو زمین کو پھاڑے (نہ جوتی گئی ہو)
انشر	ینشر	اٹھایا	فانشرنا به بلدة میتة ۔(الزخرف)۔ کذلک النشور (فاطر ۹) سو ہم نے (اس پانی سے) خشک زمین کو زندہ کیا ۔ اس طرح ہے آدمیوں کا جی اٹھنا
اثار	یثیر	وہ اٹھاتا ہے	ارسل الریاح فتثیر سحابا ۔ (فاطر ۹) خدا نے ہوائیں بھیجیں جو بادلوں کو اٹھائے لئے پھرتی ہیں
انشاء	ینشئ	اس نے اٹھایا	وینشئ السحاب الثقال ۔(الرعد ۱۲) اور وہ بادلوں کو جو پانی سے بھاری ہوئے بلند کرتا ہے (اٹھاتا ہے)
احصن	یحصن	اسنے قابو میں رکھا	والتی احصنت فرجها (الانبیاء ۹۱) اور وہ بی بی جس نے اپنے ناموس کو بچایا (نکاح سے بھی اور ناجائز سے بھی)
ازجی	یزجی	ہانک لاتا ہے	الذی یزجی لکم الفلک (الاسراء ۶۶) جو کشتی کو تمہارے لئے لے چلتا ہے بضاعة مزجاة (یوسف) معمولی سی پونجی
ابدی	یبدی	وہ ظاہر کرتا ہے	ما تبدون وما تکتمون (المائدہ ۹۹) جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم پوشیدہ رکھتے ہو

ازلف	یزلف	اس نے قریب کر دیا	وازلفنا ثم الآخرین (الشعراء ۶۴) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا
			ان له عندنا لزلفی وحسن مآب (ص ۴۰) اس کے لئے ہمارے ہاں قرب ہے اور نیک انجامی
ازلفت		قریب لائی گئی	واقم الصلوة طرفی النهار و زلفاً من الیل (هود ۱۱۴) اور آپ نماز قائم کریں دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں
اطعم	یطعم	وہ کھلاتا ہے	وهو یطعم ولا یطعم (الانعام ۱۴) اور وہ کھلاتا ہے اور وہ خود کھلایا نہیں جاتا
			هو یطعمنی و یسقین (الشعراء ۷۹) وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے
ارجی	یرجی	اس نے پیچھے رکھا	ترجی من تشاء منهن وتوی الیک (الاحزاب ۵۱) تو ان میں سے جسکو چاہے دور رکھے اور جس کو چاہے اپنے پاس جگہ دے
			مرجون لا مر الله (التوبة ۱۰۶) اور کچھ اور لوگ جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک موخر ہے
اوی	یوی	وہ جگہ دے	اوی الیه اخاه (یوسف ۶۹) یوسف نے اپنے بھائی کو اپنے ہاں جگہ دی
			اوی الیه ابویه (یوسف ۹۹) اپنے ہاں اپنے والدین کو تعظیماً جگہ دی
اصدر	یصدر	وہ پھیر لے جائے	لا نسقی حتی یصدر الرعاء (قصص ۲۳) ہم اپنے جانوروں کو پانی نہ پلائیں گے جب تک کہ چرواہے یہاں سے جانوروں کو پھیر نہ لے جائیں

ادنی	یدنی	وہ قریب کردے	وادنی ان لا ترتابوا (البقرہ ۲۸۲) اور اسکے زیادہ قریب ہے کہ تم شبہ میں نہ پڑو۔ ادنی ان لا تعولوا (النساء ۳) اور یہ اسکے زیادہ قریب ہے کہ تم زیادتی نہ کرپاؤ
	یدنین	وہ لٹکالیں	یدنین علیھن من جلا بیبھن (الاحزاب ۵۹) اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں۔ سر کے نیچے کرلیا کریں
ابی	یابی	اس نے انکار کیا	ابی واستکبر (البقرۃ ۳۴) اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا ویابی اللہ الا ان یتم نورہ (التوبۃ ۳۲) اور اللہ کا انکار ہے مگر یہ کہ وہ اپنی روشنی پوری کرے
اسروہ	یسرون	انہوں نے اسے چھپایا	واسروہ بضاعۃ (یوسف ۱۹) اور انہوں نے اسے مال تجارت قرار دے کر چھپالیا
امدکم	یمدکم	مدد پہنچائیں تم کو	الن یکفیکم ان یمدکم ربکم (آل عمران ۱۲۴) کیا یہ تمہارے لئے کافی نہ ہوگا کہ مدد کرے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے
اویناھم	یووی	ہم نے انہیں پناہ دی	اویناھما الی ربوۃ ذات قرار و معین (المومنین ۵۰) اور ہم نے پناہ دی ان دونوں کو ایک بلند زمین کی طرف جو ٹھہرنے کے لائق تھی اور وہاں ستھرا پانی بہتا تھا
احق	یحق	وہ حق ظاہر کرے گا	ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ (الانفال ۷) اور اللہ ارادہ کئے تھا کہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ظاہر کرے
استثنی	یستثنی	وہ استثناء کرتا ہے	اذا اقسموا لیصرمنھا مصبحین ولا یستثنون (القلم ۱۸) جب ان لوگوں نے قسم کھائی کہ صبح یہاں فصل کاٹیں گے تو انشاءاللہ کا استثناء کیا۔

انشاء	ینشی	وہ پیدا کرتا ہے	ثم الله ینشی النشاة الآخره (العنکبوت ۲۰) پھر اللہ تعالیٰ دوسری بار بھی انہیں پیدا کرے گا
ادلی	یدلی	اسنے ڈول ڈالا	فارسلو واردھم فادلی دلوه (یوسف ۱۹) سوانہوں نے اپنا آدمی پانی لینے بھیجا اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ تدلوا بھا الی الحکام (البقرۃ ۱۸۸) اور نہ اپنے جھوٹے مقدمے لے جاؤ حکام کے پاس
اساء	یسئی	اسنے برائی کی	وان اساتم فلھا (اسراء ۷) اور اگر تم نے برائی کی تو اپنے لئے ہی کی
انغض	ینغض	وہ بے قرار ہوا	فسینغضون الیک رءوسھم (اسراء ۵۱) سو وہ تیری طرف سر ہلائیں گے اور کہیں گے ایسا کب ہوگا
ادحض	یدحض	اسنے ٹلادیا	لیدحضوا به الحق (الکھف ۵۶) تاکہ اس سے سچی بات کو وہ ٹلا دیں۔ والارض بعد ذلک دحاھا (النازعات ۳۰) اور اس نے اسکے بعد زمین کو بچھایا
ازجی	یزجی	وہ کشتی چلاتا ہے	الذی یزجی لکم الفلک (اسراء ۶۶) جو کشتی کو تمہارے لئے ہانک لے چلتا ہے
اسام	یسیم	وہ چراتا ہے	لکم منه شراب ومنه شجر فیه تسیمون (النحل ۱۰) تمہیں اس سے پینے کو ملتا ہے اور اس سے درخت اگتے ہیں جہاں تم مویشی چراتے ہو
اعثر	یعثر	اس نے بات ظاہر کر دی	فان عثر علی انھما استحقا اثما (المائدہ ۱۰۷) پھر اگر بات کھل جائے کہ ان دونوں نے کوئی گناہ کیا ہے
اردی	یردی	اسنے ہلاک کیا	وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم ارداکم (فصلت ۲۳) اور وہی تمہارا خیال ہے جو تم اپنے رب کے بارے میں رکھتے تھے اسی نے تم کو غارت کیا

ابری	یبری	اسنے اچھا کیا	وابری الاکمه والابرص (آل عمران ۴۹) اور میں اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو من قبل ان نبراها (الحدید ۲۲) اس سے پہلے کہ ہم انہیں سامنے لائیں (پیدا کریں)
ابلس	یبلس	اس نے حیران کر دیا	ویوم تقوم الساعته یبلس المجرمون (روم ۱۲) اور جس دن قیامت قائم ہو گی آس توڑ کر رہ جائیں گے گنہگار
ابسل	یبسل	وہ پکڑ میں آیا	اولئک الذین ا بسلو بما کسبوا (الانعام ۷۰) وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے پر
اثمر	یثمر	وہ بار آور ہوا	انظروا الی ثمره اذا اثمر و ینعه (الانعام ۹۹) تم دیکھو اسکے پھل کی طرف جب وہ پھل لائے اور دیکھو اس کے پکنے کو
اغشی	یغشی	اس نے ڈھانپ دیا	وعلی ابصارهم غشاوة (البقرہ ۷)
اقل	یقل	اسنے اٹھایا	حتی اذا اقلت سحاباً ثقالاً سقناه الی ، بلدمیت (الاعراف ۵۷) جب وہ ہوا میں اٹھالائیں بھاری بادلوں کو ہم انہیں ہانک دیتے ہیں مردہ زمین کی طرف
القی	یلقی	اس نے ڈالا	والقت ما فیها وتخلت (انشقاق ۴) اور نکال دیا اس نے جو اس میں تھا اور وہ خالی ہو گئی
اقصر	یقصر	اس نے کمی کی	ثم لا یقصرون (اعراف ۲۰۲) پھر وہ کمی نہیں کرتے۔ فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة (النساء ۱۰۱) تم پر کوئی گناہ نہیں اس کا کہ تم نمازیں قصر کرو

اثخن	یثخن	وہ خون بہاتا ہے	ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض (الانفال ٦٧) نبی کو نہ چاہئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خون ریزی نہ کرلے زمین پر ۔ یسفک الدماء (البقرۃ ۳۰)
ادری	یدری	اس نے جانا	قل ان ادری اقریب ما توعدون (الجن ۲۵) آپ کہہ دیں میں نہیں جانتا نزدیک ہے وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے یا ابھی وقت ہے۔
احصی	یحصی	اس نے شمار کیا	فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ (الطلاق ۱) سو تم طلاق دو انہیں زمانہ عدت سے پہلے اور تم زمانہ عدت کو گنو
الھی	یلھی	وہ غافل کرتا ہے	لا تلکھم اموالکم ولا اولادکم (المنافقون ۹) غافل نہ کردیں تم کو تمہارے مال اور نہ اولاد۔ الھاکم التکاثر
اسری	یسری	اسے سیر کرائی	اسری بعبدہ لیلا (اسراء ۱) اللہ نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں
اطفی	یطفی	وہ بجھاتا ہے	کلما اوقدوا نارا للحرب اطفاھا اللہ (المائدہ ۶۴) جب بھی انہوں نے جنگ کی آگ جلائی اللہ نے اسکو بجھایا
اغری	یغری	وہ رغبت دلاتا ہے	فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء (المائدہ ۱۴) پھر ہم نے بھڑکا دی ان میں عداوت اور بغض
افاق	یفیق	وہ ہوش میں آیا	فلما افاق قال سبحانک تبت الیک (الاعراف ۱۴۳) پھر جب وہ ہوش میں آیا تو کہا تیری ذات پاک ہے میں توبہ کی طرف ہوں
ازھق	یزھق	وہ لے گیا	انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوۃ الدنیا و تزھق انفسھم (التوبہ ۵۵) اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ انہیں دنیا میں بھی عذاب میں ڈالے اور انکی جان جاوے کفر ہی کی حالت میں

اعاب	یعیب	اس نے اسے عیب ناک کر دیا	فاردت ان اعیبها (کہف ۷۹) سو میں نے چاہا کہ اسے عیب ناک کر دوں
اسمت	یسمت	راستے پر ڈالا	وهن الی البیت العتیق سوامت (مصرعه) وہ خانہ کعبہ کی طرف قصد کرنے والی ہیں
اثار	یثیر	اسنے جوتا	تثیر الارض (البقرہ ۷۱) وہ پھاڑتی ہے زمین کو۔ فتثیر سحابا (روم ۴۸) وہ اٹھاتی ہے بادلوں کو
الفی	یلفی	اس نے پایا	بل نتبع ما الفینا علیه اباءنا (البقرہ ۱۷۰) بلکہ ہم تو اسی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا
اولج	یولج	وہ داخل کرتا ہے	تولج اللیل فی النهار (آل عمران ۲۷)۔ تو داخل کرتا ہے رات کو ہر دن میں ولم یتخذوا ولیجه (توبہ ۱۶) اور نہ بنایا انہوں نے اسے بھیدی
ابدی	یبدی	اس نے ظاہر کیا	ما تبدون وما کنتم تکتمون (البقرۃ ۳۳) جو تم ظاہر کرتے ہو اور جس بات کو تم چھپاتے ہو
افضی	یفضی	وہ پہنچ گیا	وقد افضی بعضکم الی بعض (النساء ۲۱) اور تم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو
املی	یملی	اس نے مہلت میں ڈالا	فاملیت للکافرین ثم اخذتهم فکیف کان نکیر (الحج ۴۴) سو میں نے مہلت دی کافروں کو پھر انکو میں نے پکڑا سو کیسی پڑی میری پکڑ
اصعد	یصعد	وہ اوپر چڑھتا ہے	الیه یصعد الکلم الطیب (فاطر ۱۰) اچھا کلام اسکی طرف اٹھتا ہے
افاض	یفیض	وہ واپس لوٹا	ثم افیضوا من حیث افاض الناس (البقرہ ۱۹۹) پھر تم سب اس جگہ سے واپس آؤ جہاں سے لوگ لوٹے

اخلف	یخلف	وہ خلاف کرے گا	فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب (الاعراف ۱۶۹) پھر ان کے بعد ناخلف ان کے جانشین ہوئے انہوں نے ان سے وراثت میں کتاب لی
ادرک	یدرک	وہ آ پہنچا	لا تخاف درکا ولا تخشی (طہ ۷۷) نہ تو ڈر پکڑا جانے سے اور نہ تو اندیشہ کر ڈوبے کا
اذاع	یذیع	وہ شہرت دیتا ہے	اذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ (النساء ۸۳) جب آتی ہے انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی تو اسے دیتے ہیں وہ شہرت
ارکس	یرکس	وہ الٹا دیتا ہے	فما لکم فی المنافقین فئتین واللہ ارکسھم بما کسبوا (النساء ۸۸) سو تمہیں کیا ہو گیا منافقوں کے بارے میں کہ تم دو فریق ہو گئے تو اللہ نے تو انہیں الٹ دیا بوجہ انکے اعمال کے
انتبذ	ینتبذ	وہ ایک طرف ہوا	اذا انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا (مریم ۱۶) جب وہ (مریم) اپنے گھر والوں سے جدا ہوئی مشرق کی طرف ایک جگہ
ازدری	یزدری	وہ حقیر سمجھتا ہے	ولا اقول للذین تزدری اعینکم لن یوتیھم اللہ خیرا (ھود ۳۱) اور نہ میں کہتا ہوں ان لوگوں کو جو تمہاری آنکھوں میں حقیر ہیں کہ اللہ نہ دے گا انہیں کوئی بھلائی
احتنک	یحتنک	منہ میں رسی ڈالی	لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا (اسراء ۶۲) میں بجز چند لوگوں کے اسکی اولاد کو اپنے قابو میں لے لوں گا
ادارک	یدارک	وہ گر گیا	بل ادارک علمھم فی الآخرۃ (النمل ۶۶) بلکہ آخرت کے بارے میں انکا علم ہی ڈھ گیا ہے
فانھار	ینھار	وہ ڈھ پڑا	من اسس بنیانہ علی شفا جرف ھار فانھار (التوبہ ۱۰۹) جس نے اپنی بنیاد رکھی ایک کھائی کے کنارے پر جو گرنے کو ہے پھر اسکو لے کر وہ ڈھ پڑا دوزخ کی آگ میں

اثاقل	یثاقل	وہ بھاری ہوا	اثاقلتم الی الارض (التوبة ۳۸) تم گرے جاتے ہو زمین کی طرف
ادخر	یدخر	وہ ذخیرہ کرتا ہے	وما تدخرون فی بیوتکم (آل عمران ۴۹) اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں
ادراء	یدری	اپنے سے دور کیا	ویدرئون بالحسنة السیئة (رعد ۲۲) اور وہ نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے ہیں
استمتع	یستمتع	اسنے فائدہ پایا	فاستمتعتم بخلاقکم کما استمتع الذین من قبلکم (التوبة ۶۹) پھر فائدہ پایا تم نے اپنے حصے سے جیسے فائدہ اٹھا گئے وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے اپنے حصے سے
استیئس	یستیئس	وہ مایوس ہوا	فلما استیئسوا منه خلصوا نجیا (یوسف ۸۰) پھر جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو ایک طرف ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو لیئوس کفور (هود ۹) مایوس نا شکرا
استفز	یستفز	اس نے بے چین کر دیا	فاراد ان یستفزهم من الارض (اسراء ۱۰۳) پس ارادہ کیا اس نے کہ انہیں گھبراہٹ میں ڈالے زمین میں (چین نہ لینے دے)
انبجس	ینبجس	رس پڑا	فانبجست منه اثنتا عشرة عینا (الاعراف ۱۶۰) پھر رس پڑے اس سے بارہ چشمے (پھوٹ نکلے)
استجار	یستجیر	اس نے حفاظت چاہی	وان احد من المشرکین استجارك فاجره (التوبة ۶) اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے امان مانگے تو اسے امان دے تاکہ وہ خدا کا کلام سن لے

استھوی	یستھوی	رستہ بھلادیا	كالذی استهوته الشيطين فی الارض حيران (الانعام ۷۱) جیسے کہ کسی کو زمین میں رستہ بھلادیا ہو شیطان نے جبکہ وہ حیران پھرے (رستہ بھٹکے پھرے)
ادار	یدار	دوسرے پر لگایا	واذ قتلتم نفسا فادارأتم فيها (البقرہ ۷۲) اور جب تم نے ایک آدمی کو قتل کیا اور تم اسے ایک دوسرے پر دھرنے لگے
ازف	یزئف	پاس آپہنچا	ازفت الازفة (النجم ۵۷) آپہنچی آنے والی
از	یوز	اس نے ابھارا	ارسلنا الشيطين على الكافرين تؤزهم ازا (مریم ۸۳) ہم نے چھوڑ رکھا ہے شیطان کو کافروں پر جو اچھالتے ہیں ان کو خوب ابھارے
ادکر	یدکر	اسے یاد آیا	قال الذی نجا منهما وادكر بعد امة (یوسف ۴۵) کہا اس نے جو ان دو میں سے بچ گیا تھا اور یاد آیا اسے ایک مدت کے بعد
ازلق	یزلق	اس نے پھسلادیا	یزلقونک بابصارهم لما سمعوا الذکر (القلم ۵۱) البتہ تمہیں گرادیں گے اپنی نگاہوں سے جب سن پائیں ذکر (وہ اس شدت عداوت سے گھور رہے ہیں)
اعنت	یعنت	تکلیف دینا	ولو شاء الله لاعنتكم (البقرہ اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈال دیتا
عمہ	یعمہ	وہ سرگرداں پھرتا ہے	يمدهم فی طغيانهم يعمهون (البقرہ ۱۵) اور انہیں ان کی سرکشی میں اور مہلت دیتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ سرگرداں پھر رہے ہیں
ربح	یربح	وہ فائدہ مند ہوا	فما ربحت تجارتهم (البقرہ ۱۶) سونہ فائدہ دیا انکو انکی تجارت نے

خطف	يخطف	اس نے اچک لیا	يكاد البرق يخطف ابصارهم (البقره ۲۰) قریب ہے کہ بجلی اچک لے انکی آنکھیں
سام	يسوم	اس نے تکلیف دی	من يسومهم سوء العذاب (الاعراف ۱٦٧) جو دیا کرے ان کو برا عذاب
عثا	يعثو	اس نے فساد کیا	ولا تعثوا فى الارض مفسدين (البقره ٦٠) اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے ہوئے
عثى	يعثى	وہ اتراتا ہے	
نبذ	ينبذ	اس نے پھینک دیا	نبذ فريق من الذين اوتو الكتاب كتاب الله (البقره ۱۰۱) اہل کتاب کے ایک طبقے نے جو دیئے گئے تھے کتاب پھینک دیا اللہ کی کتاب کو
سفه	يسفه	وہ بے وقوف ہوا	ومن يرغب عن ملة ابراهيم الا من سفه نفسه (البقرة ۱۳۰) اور کون ہے جو پھرے ملت ابراہیم سے مگر وہی جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو
نعق	ينعق	اونچی آواز نکالی	كمثل الذى ينعق بما لا يسمع الادعاء ونداء (البقره ۱٧۱) جیسے وہ شخص جو پکارتا ہے اسے جو نہ سن سکے سوا پکارنے اور چلانے کے
ثقف	يثقف	اس نے پایا	فاما تثقفنهم فى الحرب فشرد بهم من خلفهم (الانفال ۵٧) اگر تو پائے ان کو میدان جنگ میں تو ان کو اس طرح بھگائیں کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ جائیں
حلق	يحلق	اس نے منڈایا	ولا تحلقو رءوسكم (البقره ۱۹٦) اور تم نہ منڈواؤ اپنے سروں کو جب تک کہ جانور (جلدی) اپنی جگہ نہ پہنچ جائے

حبط	یحبط	وہ ضائع ہوا	ولو اشرکوا لحبط عنهم ما کانوا یعملون (الانعام ۸۸) اور اگر وہ شرک کریں تو انکے نیک اعمال ان سے جاتے رہیں گے
یھبط	یحھط	وہ نیچے گرتا ہے	وان منها لما یهبط من خشیته الله (البقره ۷۴) اور ایسے پتھر بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے نیچے گر جاتے ہیں
عنت	یعنت	وہ مشقت میں پڑا	ودوا ما عنتم (آل عمران ۱۱۸) وہ تو چاہتے ہیں کہ تم تکلیف میں (مشقت میں) رہو۔ عزیز علیه ما عنتم (التوبة ۱۲۸) آپ پر گراں ہے کہ تم تکلیف میں پڑے ہو
کبت	یکبت	وہ اوندھے منہ گرا	ومن جاء بالسیئة فکبت وجوهم فی النار (النمل ۹۰) اور جو برائی لائے گا انکے چہرے آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے
وھن	یھن	وہ کمزور ہوا	فما وهنوا لما اصابهم فی سبیل الله (آل عمران ۱۴۶) سو وہ کمزور نہ پڑے اس پر جو انہیں تکلیف آئی اللہ کی راہ میں
محق	یمحق	اس نے مٹادیا	یمحق الله الربوا ویربی الصدقات (البقره ۲۷۶) مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے نیکیوں کو
حس	یحس	اس نے قتل کیا	اذ تحسونهم باذنه (آل عمران ۱۵۲) جب تم انکو قتل کر رہے تھے اسکے حکم سے
برز	یبرز	وہ نکلا	ولما برزوا لجالوت و جنوده (البقره ۲۵۰) اور جب وہ سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کے لشکروں کے

لان	یلین	وہ نرم پڑ گیا	فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا (آل عمران ۱۵۹) سو یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ تو نرم دل ہوا انکے لئے اور اگر تو ہوتا تند کو سخت دل تو وہ بکھر جاتے تیرے پاس سے۔
غل	یغل	اس نے خیانت کی	ما كان لنبي ان يغل ومن يغلل يات بما غل (آل عمران ۱۶۱) اور نبی کا کام نہیں کہ وہ خیانت کرے (کچھ چھپا کے رکھے) اور جو کچھ چھپائے گا وہ لائے گا اسے قیامت کے دن
وزر	یزر	اس نے بوجھ اٹھایا	ولا تزر وازرة وزر اخرى (الاسراء ۱۵) اور کوئی نہ اٹھائے گی بوجھ کسی دوسرے کا
عقب	یعقب	وہ پیچھے آیا	ولى مدبرا ولم يعقب (النمل ۱۰) وہ پیچھے مڑا پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا
لوی	یلوی	وہ پھرتا ہے	اذ تصعدون ولا تلوون على احد (آل عمران ۱۵۳) جب تم چڑھے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے
شقی	یشقی	وہ بد بخت ہوا	من اتبع هداى فلا يضل ولا يشقى (طه ۱۲۳) جس نے میری سکھلائی راہ کی پیروی کی سو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بے نصیب ہوگا
ثنی	یثنی	وہ دہرا کرتے ہیں۔ لپیٹتے ہیں	يثنون صدورهم ليستخفوا منه (هود ۵) وہ دوہرا کرتے ہیں اپنے سینوں کو تا کہ چھپیں ان سے
محص	یمحص	وہ پاک کرتا ہے	وليمحص ما في قلوبكم (آل عمران ۱۵۴) اور تا کہ وہ صاف کرے اسے جو ان کے دلوں میں ہے
تلا	یتلو	وہ تلاوت کرتا ہے	واذا تليت عليهم آياته زادتهم ايمانا (الانفال ۲) اور جب پڑھی جائیں ان پر اسکی آیتیں تو انکا ایمان اور مضبوط ہو جاتا ہے

بث	یبث	اس نے پھیلایا	وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء (النساء ۱) اور اللہ نے اس ایک جان سے اسکی بیوی پیدا کی اور پھر ان دونوں سے پھیلائے بہت سے مرد اور عورتیں
طاب	یطیب	اسے پسند آیا	فانکحوا ما طاب لکم من النساء (النساء ۳) سو تم نکاح کرو جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں دو دو تین تین اور چار چار
کسا	یکسو	اس نے پہنا	وانظر الی العظام کیف ننشزها ثم نکسوها لحما (البقره ۲۵۹) اور تو ان ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم کیسے انہیں اٹھاتے ہیں پھر ہم انہیں گوشت پہناتے ہیں
عضل	یعضل	اس نے تنگ کیا	ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما اتیتموهن الا (النساء ۱۹) اور تم انہیں اپنے پاس روکے رکھو کہ تم لے جاؤ اس کا کچھ حصہ جو تم نے انکو دے رکھا تھا
سفح	یسفح	اس نے خون بہایا	الا ان یکون میتة او دما مسفوحا (الانعام ۱۴۵) مگر یہ کہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون
سفك	یسفك	اس نے خون بہایا	من یفسد فیها ویسفک الدماء (البقره ۳۰) جو اس میں فساد کرے اور خونریزی کرے
نضج	ینضج	اس نے پکایا	کلما نضجت جلودهم بدلنا هم جلودا غیرها (النساء ۵۶) جب بھی انکے چمڑے پک جائیں تو ہم انکے بدلے انہیں اور کھالیں دے دیں گے
شجر	یشجر	اختلاف ہوا	لایومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم (النساء ۶۵) وہ ہرگز ایمان دار نہ ہوں گے جب تک کہ تجھے اپنے ہر اختلاف میں فیصل نہ مان لیں

حال	یحول	وہ حائل ہوا	و حال بینهما الموج (هود ۴۳) اور حائل ہو گی دونوں میں پانی کی موج
ساء	یسوء	اسے برا لگا	لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسوکم (المائدة ۱۰۱) تم ان چیزوں کے بارے میں نہ پوچھو کہ وہ تمہارے لئے کھل جائیں تو تمہیں برا لگے
عثر	یعثر	اسے خبر ہوئی	فان عثر علی انهما استحقا اثما فاخران یقومان مقامهما (المائده ۱۰۷) پھر اگر خبر ہو جاوے تو وہ دونوں حق بات دبا گئے تو دو گواہ اور کھڑے ہوں ان کی جگہ
حاق	یحیق	اسے گھیر لیا	فحاق بالذین سخروا منهم (الانعام ۱۰) سو گھیر لیا ان کو جو ان میں سے ہنسی کرنے والے تھے
نهی	ینهی	وہ روکتا ہے	و ینهی عن الفحشاء والمنکروا لبغی (النحل ۹۰) اور وہ روکتا ہے بے حیائی سے نامعقول کام سے اور سرکشی سے
نائی	ینائی	وہ دور ہوتا ہے۔	وهم ینهون عنه وینئون عنه (الانعام ۲۶) اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور ہوتے ہیں اس سے
خاض	یخوض	وہ بات کرتا ہے	انما کنا نخوض ونلعب (التوبة ۶۵) ہم سوائے اس کے نہیں کہ بات میں لگ جاتے اور دل لگی کرتے تھے۔ کنا نخوض مع الخائضین (المدثر ۴۵) اور ہم باتوں میں دھنس جاتے تھے
درس	یدرس	اس نے پڑھا	وبما کنتم تدرسون (آل عمران ۷۹) اور جو تم بھی سے پڑھتے تھے
صغی	یصغی	وہ مائل ہوا	ان تتوبا الی الله فقد صغت قلوبکما (التحریم ۴) سو اگر تم توبہ کرو اللہ کی طرف تو بیشک تم دونوں کے دل مائل ہو رہے ہیں (اللہ کی طرف)

قرف	يقرف	اس نے چھیلا	ومن يقترف حسنة نزد له فيها حسنا (الشورى ۲۳) اور جو نیکی بنائے گا ہم اسے اسمیں اور خوبصورتی دیں گے
خرص	يخرص	وہ قیاسی باتیں کرتا ہے	ان هم الا يخرصون (الانعام ۱۱۶) سوائے اسکے نہیں کہ وہ انکل پچو سے کام لے رہے ہیں
ردى	يردى	وہ ہلاک ہوا	ومايغنى عنه ماله اذاتردى (والليل ۱۱) اور اس سے اس کا مال کچھ دور نہ کرے گا جب وہ ہلاک ہوا (مال کچھ کام نہ آئے گا)۔ ليردوهم (الانعام ۱۳۷) تاکہ انہیں ہلاک کریں
صدف	يصدف	وہ اعراض کرتا ہے	فمن اظلم ممن كذب بايات الله و صدف عنها (الانعام ۱۵۷) سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے جھٹلایا اللہ کی آیات کو اور ان سے اس نے روگردانی اختیار کی
خسف	يخسف	وہ دھنس گیا	ان نشاء نخسف بهم الارض (السبا ۹) اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں
خصف	يخصف	اس نے سیا	طفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة (الاعراف ۲۲) اپنے پر وہ درختوں کے پتوں کو سینے لگے
ساق	يسوق	وہ لے گیا	ونسوق المجرمين الى جهنم وردا (مريم ۸۶) اور ہم مجرمین کو جہنم کی طرف پیاسا ہانک لے جائیں گے
وعد	يعد	اس نے ڈرایا	الشيطان يعدكم الفقر ويا مركم بالفحشاء و الله يعدكم مغفرة منه و فضلا شیطان تمہیں ڈراتا ہے محتاج ہونے سے اور اللہ تمہیں وعدہ دیتا ہے مغفرت اور فضل کا
نحت	ينحت	اس نے تراشا	وتنحتون من الجبال بيوتا فارهين (الشعراء ۱۴۹) اور تم پہاڑوں میں گھر بناتے رہے تکلف کرتے

بخس	یبخس	وہ کم کرتا ہے	ولا تبخسو الناس اشیاء ھم (الاعراف ۸۵) اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کرکے نہ دو
اس	یاس	اس نے افسوس کیا	ولا تاس علی القوم الفاسقین (المائدۃ ۲۶) اور تو افسوس نہ کر ان فاسق لوگوں پر
لقف	یلقف	اس نے پکڑا (اٹھایا)	فاذا ھی تلقف ما یافکون (الاعراف ۱۱۷) سو وہ نگل رہا تھا جو جھوٹ انہوں نے باندھا ہوا تھا
افك	یافك	اس نے بہتان باندھا	ان الذین جاء وا بالافک عصبۃ منکم (النور ۱۱) بیشک جو لوگ یہ بہتان لے کر آئے تمہاری بھی تو ایک جماعت ہے
عرش	یعرش	وہ اوپر چڑھا	ودمرنا ما کان یصنع فرعون وقومہ وما کانوا یعرشون (الاعراف ۱۳۷) اور ہم نے اکھاڑ دیا جو فرعون اور اسکے لوگ بنا رہے تھے اور وہ عمارتیں چڑھا رہے تھے
شمت	یشمت	دوسرے کو طعنے دیا	ولا تشمت بی الاعداء (الاعراف ۱۵۰) سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں
عدی	یعدو	وہ زیادتی کرتا ہے	اذ یعدون فی السبت (الاعراف ۱۶۳) جب وہ حد سے تجاوز کرتے ہفتہ کے دن
ذرا	یذرا	اس نے پیدا کیا	ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس (الاعراف ۱۷۹) اور بیشک ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو آگ میں جانے کے لئے پیدا کیا ہے
وجل	یوجل	وہ ڈرتا ہے	قالوا لا توجل انا نبشرک بغلام علیم (الحجر ۵۳) انہوں نے کہا نہ ڈر ہم تجھے ایک علم پانے والے بچے کی بشارت دیتے ہیں

مادہ	فعل	معنی	مثال
رکم	یرکم	اس نے ڈھیر لگایا	فیرکمه جمیعا فیجعله فی جهنم (الانفال ۳۷) سو اس گند کو ایک جگہ ڈھیر کر دے اور پھر اسے جہنم میں رکھ دے
نکص	ینکص	وہ الٹے پاؤں بھاگا	فکنتم علی اعقابکم تنکصون (المومنون ۶۶) اور تھے تم اپنی اپنی ایڑیوں پر الٹے پاؤں بھاگتے
جنح	یجنح	وہ جھکا	ان جنحوا للسلم فاجنح لها (الانفال ۶۱) اور اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف آ
لمز	یلمز	وہ طعن کرتا ہے	ومنهم من یلمزك فی الصدقات (التوبة ۵۸) اور ان میں وہ بھی ہیں جو تجھے طعنہ دیتے ہیں خیرات بانٹنے میں (انصاف نہ کرے گا)
مرد	یمرد	اس نے سرکشی کی	ومن اهل المدینة مردوا علی النفاق (التوبة ۱۰۱) اور اہل مدینہ میں ایسے بھی ہیں جو نفاق پر اڑے کھڑے ہیں
زهق	یزهق	وہ جڑ سے گیا	جاء الحق وزهق الباطل (الاسراء ۸۱) حق آیا اور باطل جڑ سے جاتا رہا
دلك	یدلك	اس نے ملا	اقم الصلوة لدلوك الشمس (الاسراء ۷۸) تو قائم کر نماز سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک
هتك	یهتك	بے عزتی کی	
سال	یسیل	وہ بہ نکلا	فسالت اودیة بقدرها فاحتمل السیل زبدا رابیا (الرعد ۱۷) پھر بہنے لگے نالے اپنے اپنے اندازے میں پھر سیلاب اوپر لے آیا جھاگ پھولا ہوا سندر
صاح	یصیح	وہ چیخا	فاخذتهم الصیحة مشرقین (الحجر ۷۳) پھر آ پکڑا انہیں چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت

باء	یبوء	وہ لوٹا	وباء وا بغضب من الله (البقرہ ۶۱) اور وہ لوٹے اللہ کا غضب لے کر
نکف	ینکف	اس نے ٹھکرایا	واما الذین استنکفوا واستکبروا فیعذبهم عذابا الیما (النساء ۱۷۳) اور وہ لوگ جنہوں نے اسے عار سمجھا اور اپنے کو بڑا جانا سو انہیں اللہ عذاب دے گا دردناک
عجل	یعجل	وہ جلدی کرتا ہے	وعجلت الیک رب لترضی (طه ۸۴) اور میں اے میرے رب تیری طرف جلدی آیا تاکہ تو راضی ہو جائے
هش	یهش	وہ جھاڑتا ہے	اتوکاء علیها واهش بها علی غنمی (طه ۱۸) اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے پتے جھاڑتا ہوں اپنی بکریوں پر
غرب	یغرب	وہ ڈوبتا ہے	اذا بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب فی عین حمئة (الکهف ۸۶) جب وہ پہنچا سورج ڈوبنے کے مقام پر تو اس نے سورج کو ایک سیاہ چشمے میں ڈوبتا پایا
اوی	یاوی	وہ اتر آیا	او اوی الی رکن شدید (هود ۸۰) کاش مجھے تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا میں پناہ لیتا کسی مضبوط جگہ سے
حال	یحول	وہ حائل ہوا	وحال بینهما الموج فکان من المغرقین (هود ۴۳) اور ان دو میں موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں رہا
غاض	یغیض	گہرا چلا گیا	وغیض الماء و قضی الامر (هود ۴۴) اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی لگ گئی ؟ پہاڑ پر
خفض	یخفض	وہ پست ہوا	واخفض جناحک للمؤمنین (ص ۸۸) اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے

قدم	يقدم	آگے آگے چلا	يقدم قومه يوم القيمه فاوردهم النار (هود ۹۸) وہ آگے آگے چلے گا اپنی قوم کے اور قیامت کے دن انہیں آگ پر لے آئے گا۔
ركن	يركن	وہ جھکا	لقد كدت تركن اليهم شيا قليلا (اسراء ۷۴) البتہ کچھ قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے
ترف	يترف	وہ عیش میں رہتا ہے	لاتركضوا وارجعوا الى ما اترفتم فيه (الانبياء ۱۳) بھاگو نہ اور لوٹ جاؤ وہاں جہاں تم عیش میں رہے
كاد	يكيد	وہ قریب کرتا ہے	من بعد ماكاد يزيغ قلوب فريق منهم (التوبة ۱۱۷) بعد اس کے قریب تھا کہ بدل جاتے دل ان میں سے بعض کے۔ پر اللہ مہربان ہوا ان پر
شغف	يشغف	وہ دل میں اترا	امراة العزيز تراود فتاها عن نفسه قد شغفها حبا (يوسف ۳۰) عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام سے خواہش کرتی ہے اسکے جی کو فریفتہ ہو گیا ہے اسکا دل اسکی محبت میں
عصر	يعصر	وہ نچوڑتا ہے	فيه يغاث الناس وفيه يعصرون (يوسف ۴۹) اس میں لوگ بارش دیئے جائیں گے اور اسمیں رس نچوڑیں گے
مار	يمير	وہ غلہ لاتا ہے	ونمير اهلنا و نحفظ اخانا (يوسف ۶۵) اور ہم غلہ لائیں گے اپنے گھر اور حفاظت کریں گے اپنے بھائی کی
فقد	يفقد	اس نے کھو دیا	قالوا نفقد صواع الملك ولمن جاء به حمل بعير (يوسف ۷۲) انہوں نے کہا ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیمانہ اور جو اسے لے آئے گا اسے ملے گا غلہ ایک اونٹ بوجھ کا
جمع	يجمع	سرپٹ دوڑا	لولوا اليه وهم يجمحون (توبه ۵۷) وہ دوڑیں گے طرف اسکی اسکی رسیاں تڑاتے (بے تحاشا)

صدع	يصدع	کھیتی پھوٹی	فاصدع بما تؤمر (حجر ۹۴) تو کھول کر سنادے جو تجھ کو حکم ہوا
ينع	يينع	پھل پکے	انظروا الی ثمره اذا اثمر وينعه (الانعام ۹۹) دیکھو تم اسکے پھل کو جب وہ پھلے اور اسکا پکنا
دحر	يدحر	عاجز ہوا	وکل اتوه داخرين (النمل ۸۷) اور سب چلے آئیں اسکے آگے عاجزی سے
نفد	ينفد	وہ ختم ہوا	لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی (الکهف ۱۰۹) ضرور سمندر ختم ہو جائے گا پیشتر اسکے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں
نضد	ينضد	جمع کیا	والنخل بسقات لها طلع نضيد (ق ۱۰) اور کھجوریں لمبی اس کا خوشہ تہ بہ تہ
جاس	يجوس	اس نے پتہ لگایا	ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضا (الحجرات ۱۲) اور دوسرے کے امور کا پتہ نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کے عیب نہ ڈھونڈو
حنك	يحنك	اس نے تجربہ کار بنایا	لا حتنكن ذريته الا قليلا (اسراء ۶۲) البتہ میں اسکی اولاد کو چیں دوں گا (قابو میں لے لوں گا) مگر تھوڑے سے
رقب	يرقب	انتظار کرتا ہے	فلما توفيتنی كنت انت الرقيب عليهم (المائده ۱۱۷) پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی تھا ان پر نگہبان
ضن	يضن	اس نے دکھ دیا	وما هو علی الغيب بضنين (التكوير ۲۴) اور نہیں وہ غیب بتلانے میں تنگ (بخیل)
نسف	ينسف	اس نے بنیاد کھو دی	فقل ينسفها ربی نسفا (طه ۱۰۵) سو آپ کہہ دیں بکھیر دے گا ان کو میرا رب ریزہ ریزہ

حف	یحف	اس نے گھیرا	ان یسئلکموها فیحفکم تبخلوا ویخرج اضغانکم (محمد ۳۷) اگر وہ مانگے تم سے یہ (مال) پھر کرے تنگ تم کو اور ظاہر کردے تمہارے اندر کی خفگیاں
زھق	یزھق	وہ نکل بھاگا	انما یرید الله لیعذبهم بها فی الحیوة الدنیا وتزهق انفسهم وهم کافرون (التوبة ۵۵) بیشک اللہ چاہتا ہے کہ انہیں دنیا میں بھی عذاب دے اور کفر پر ہی ان کا سانس ختم ہو
باد	یبید	وہ ختم ہوا	قال ما اظن ان تبید هذه ابدا (الکهف ۳۵) اس نے کہا میں گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی بھی ختم ہو (برباد ہو)
جرء	یجرء	وہ فریاد کرتا ہے	اذا مسکم الضر فالیه تجئرون (النحل ۵۳) پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو تم اسکی طرف پناہ کے لئے لوٹتے ہو
وھن	یھن	اس نے ہمت ہار دی	فلا تهنوا فی ابتغاء القوم ان تکونوا تالمون فانهم یالمون کما تالمون (النساء ۱۰۴) . سو ہمت نہ ہارو ان کا پیچھا کرنے میں اگر تمہیں الم کا سامنا ہے تو وہ بھی تو الم اٹھاتے ہیں جس طرح تم اٹھاتے ہو
دل	یدل	اس نے مائل کردیا	فدلاهما بغرور فلما ذاق الشجرة (الاعراف ۲۲) سو وہ اتار لایا انہیں دھوکے سے پھر جب ان دو نے اس درخت کو چکھا
درا	یدرو	وہ ٹالتا ہے	ویدرون بالحسنة السیئة اولئک لهم عقبی الدار (الرعد ۲۲) اور وہ ٹالتے ہیں برائی کو اچھائی سے
تاہ	یتیه	وہ سرگرداں گھوما	یتیهون فی الارض فلا تاس علی القوم الفاسقین (المائدہ ۲۶) زمین میں سرگرداں پھریں گے سو تو افسوس نہ کر فاسق لوگوں پر

بغی	یبغی	اس نے سرکشی کی	انما حرم ربی الفواحش ... والاثم والبغی (الاعراف ۳۳) سوائے اسکے نہیں کہ میرے رب نے بے حیائی کو حرام ٹھہرا لیا ہے اور گناہ کو اور کسی پر چڑھائی کو
طغی	یطغی	وہ حد سے نکل گیا	انا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی (طٰہ ۴۵) بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا وہ سرکشی کرے
غلا	یغلو	وہ مہنگا ہوا	لا تغلوا فی دینکم غیر الحق (المائدہ ۷۷) نہ مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق
سول	یسول	اس نے بات بنائی	الشیطان سول لهم واملی لهم (محمد ۲۵) شیطان نے بات بنائی ان کے دل میں اور دیر کے وعدے دئے (چکمہ دیا)
حول	یحول	اس نے مالدار کر دیا	وترکتم ما خولنا کم وراء ظهورکم (الانعام ۹۴) اور چھوڑ آئے تم جو ہم نے تمہیں دیا تھا اپنی پیٹھ کے پیچھے
تبر	یتبر	اس نے تباہی کی	ولا تزد الظالمین الا تبارا (نوح ۲۸) اور تو نہ بڑھا ظالموں کو مگر تباہی میں
طیر	یطیر	اس نے نحوست دی	وان تصبهم سیئة یطیروا بموسی ومن معه (الاعراف ۱۳۱) اور اگر انہیں برائی پہنچے تو اسے نحوست بتلاتے ہیں موسیٰ اور اسکے ساتھیوں کی
عزر	یعزر	اس نے مدد دی	وعزرتموهم واقرضتم الله قرضا حسنا (المائدہ ۱۲) اور تم نے ان کی مدد کی اور اللہ کو تم نے دیا قرض حسنہ
شرد	یشرد	اسنے سزا دی	فشرد بهم من خلفهم (الانفال ۵۷) سو سزا دے انہیں ایسی کہ جو ان کے پیچھے ہیں وہ بھی بھاگ جائیں

فند	یفند	اس نے دیوانہ کیا	انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون (یوسف ۹۴) میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں اگر تم مجھے بڑھاپے کا بہکا نہ کہو
مکن	یمکن	اسنے اختیار دیا	ونمکن لھم فی الارض (قصص ۶) اور ہم انہیں ٹھہرا دیں گے زمین پر ولیمکنن لھم (نور ۵۵) اور وہ انہیں ٹھہرا دے
سکر	یسکر	اس نے بند کیا	تتخذون منه سکرا و رزقا حسنا (النحل ۶۷) اور تم بناتے تھے اس سے نشہ اور روزی اچھی
حسس	یحسس	اس نے کاٹا	ولقد صدقکم الله وعده اذ تحسونهم باذنه (آل عمران ۱۵۲) اور بیشک اللہ نے تم سے اپنے وعدے کو پورا کیا جب تم انہیں اسکے حکم سے قتل کر رہے تھے
سوی	یسوی	اسنے درست کیا	فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین (الحجر ۲۹) سو جب میں اسے درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اسکے آگے سجدے میں گر و
قضی	یقضی	اس نے فیصلہ کیا	ولکن لیقضی الله امرا کان مفعولا (الانفال ۴۲) لیکن اسلئے کہ اللہ اپنے معاملے کا فیصلہ کر دے جو ہو کر رہنے والا ہے
ولی	یولی	وہ منہ موڑ کر بھاگا	ولی مدبرا ولم یعقب (القصص ۲۹) وہ پیچھے لوٹا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا
بوی	یبوی	وہ اترا ٹھہرا	واذ غدوت من اهلک تبوی المومنین مقاعد للقتال (آل عمران ۱۲۱) اور جب تو صبح اپنے گھر سے نکلا مومنین کو بٹھاتے ہوئے جنگ کے مورچوں میں

منی	یمنی	وہ ٹپکایا جاتا ہے	الم یک نطفۃ من منی یمنی (القیامۃ ۳۷) کیا وہ اس سے پہلے منی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکائی جاتی
بطیٔ	یبطی	وہ دیر لگاتا ہے	وان منکم لمن لیبطئن (النساء ۷۲) اور بیشک تم میں ہیں جو البتہ دیر کریں گے
بتك	یبتك	اس نے کاٹا	ولامرنھم فلیبتکن اذان الانعام (النساء ۱۱۹) اور میں انہیں حکم دوں گا سو وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے
تمسك	یمسك	پابندی لگائی	ویمسک السماء ان تقع علی الارض (الحج ۶۵) اور وہ آسمان کو روکے ہوئے تھے کہ وہ زمین پر آگرے
کلب	یکلب	کتے کو سدھایا	وماعلمتم من الجوارح مکلبین (المائدہ ۴) اور جو تم نے سدھایا زخم لگانے والے کتوں کو دوڑاتے ہوئے
کفر	یکفر	اس نے انکار کیا	ومن کفر فعلیہ کفرہ (الروم ۴۴) اور جس نے انکار کیا سو اس کا کفر اسی پر لوٹے گا
رکض	یرکض	وہ بھاگتا ہے	فلما احسوا باسنا اذا ھم منھا یرکضون (الانبیاء ۱۲) سو جس وقت انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا وہ وہاں سے بھاگنے لگے
دمغ	یدمغ	اس نے سر پھوڑ دیا	بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ (الانبیاء ۱۸) بلکہ ہم پھینکتے ہیں حق کو باطل پر سو وہ اس کا سر کوفتا ہے
فتر	یفتر	وہ تھک گیا	لا یفتر عنھم وھم فیہ مبلسون (الزخرف ۷۵) سو نہیں اترتا وہ ان سے اور وہ نہیں پڑے اس میں آس توڑے
ماد	یمید	وہ ڈھلک گیا	والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم (النحل ۱۵) اور اس نے ڈال دیئے زمین میں بوجھ کہ کہیں تمہیں لے کر جھک نہ پڑے

حاق	یحیق	الٹ پڑا	وحاق بهم ما كانو به يستهزون (الجاثيه ۳۳) اور الٹ پڑی ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے
حاف	یحیف	وہ بے انصافی کرے گا	ام يخافون ان يحيف الله عليهم ورسوله (النور ۵) ڈرتے ہیں اس سے کہ اللہ ان سے بے انصافی کرے گا اور اس کا رسول
نفش	ینفش	اس نے روند ڈالا	وتكون الجبال كالعهن المنفوش (القارعه ۵) اور ہو جائیں گے پہاڑ جیسے دھنی ہوئی روئی
نفشت	ینفشن	روند گئیں	اذ نفشت فيه غنم القوم (الانبياء ۷۸) جب قوم کے ریوڑ انہیں رات روند گئے
غاص	یغوص	غوطہ لگایا	ومن الشياطين يغوصون له (الانبياء ۸۲) اور اسکے تابع ایسے بھی شیطان ہیں جو اسکے لئے غوطے لگاتے ہیں
کلاء	یکلاء	وہ نگہبانی کرتا ہے	قل من يكلؤكم بالليل والنهار (الانبياء ۴۲) آپ کہہ دیں کے کون رات اور دن کو تمہاری نگہبانی کرتا ہے
کاد	یکید	البتہ میں تدبیر کروں گا	كذلك كدنا ليوسف (يوسف ۷۶) اس طرح ہم نے یوسف کے لئے ایک تدبیر چلائی
بلونا	نبلو	ہم پرکھتے ہیں	ونبلوكم بالشر والخير فتنة (الانبياء ۳۵) اور ہم تم کو پرکھتے ہیں برائی سے اور اچھائی سے آزمانے کو
فار	یفور	وہ ابلا	فاذا جاء امرنا و فار التنور (المومنون ۲۷) اور پھر جب آ پہنچا ہمارا حکم اور تنور تو تو ڈال کشتی میں ہر ایک جوڑا
نقذ	ینقذ	وہ چھڑاتا ہے	افانت تنقذ من في النار (الزمر ۱۹) سو تو کیا نکال لے گا اسے جو آگ میں ہے
نسل	ینسلون	پھسلتے آتے ہیں	وهم من كل حدب ينسلون (الانبياء ۹۶) اور وہ ہر گھاٹی (اونچائی) سے پھسلتے چلے آتے ہیں

طوی	یطوی	وہ لپیٹ دے گا	یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب (الانبیاء ۱۰۴) جسدن ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے ایسے جیسے طومار میں کتابیں لپٹی ہوں
لعبوا	یلعبون	وہ کھیلتے ہیں	بل ھم فی شک یلعبون (الدخان ۹) بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل میں لگے ہیں
لعبن	یلعبن	وہ کھیلتی ہیں	واذا نادیتم الی الصلوۃ اتخذوھا ھزوا و لعبا (المائدہ ۵۸) اور جب تم ان کو نماز کے لئے بلاؤ تو وہ اسے کھیل کود سمجھتے ہیں
قصم	یقصم	اس نے توڑ دیا	وکم قصمنا من قریۃ کانت ظالمۃ (الانبیاء ۱۱) اور ہم نے کتنی بستیاں توڑ دیں جو ظالم تھیں
زکی	یزکی	وہ سنور گیا	ولولا فضل اللہ... ما زکی منکم من احد (النور ۲۱) اور اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بچ نہ پاتا
قتر	یقتر	وہ تنگی کرتا ہے	و وجوہ یومئذ علیھا غبرۃ ترھقھا قترۃ (عبس ۴۱) اور کتنے چہرے ہیں جن پر اس دن غبار ہوگا ان پر سیاہی چڑھ رہی ہوگی
ذھل	یذھل	وہ بھول گیا	یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت (الحج ۲) جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی بھول جائے گی اسے جسے اس نے پلایا
رمی	یرمی	وہ نشانہ باندھتا ہے	وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (الانفال ۱۷) اور آپ نے تیر زنی نہیں کی جب آپ نے کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تیر پھینکے
اربی	یربی	ابھرا	یمحق اللہ الربوٰ ویربی الصدقات (البقرہ ۲۷۶) اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے سود کو اور اٹھاتا ہے ابھارتا ہے صدقات کو

صعر	یصعر	وہ گال پھیلاتا ہے	ولا تصعر خدك للناس (لقمان ۱۸) اور اپنے گال نہ پھلا لوگوں کی تحقیر میں
مرح	یمرح	وہ اتراتا ہے	ولا تمش فی الارض مرحا (لقمان ۱۸) اور نہ چل زمین پر اترا کر (غرور میں)
صهر	یصهر	گل کر نکل جاتا ہے	یصهر به مافی بطونهم والجلود (الحج ۲۰) جو انکے پیٹ میں ہے اسے گلا کر نکال دیا جاتا ہے اور انکی کھالوں کو بھی
دراء	یدرئو	ٹل جائے	ویدرون بالحسنة السیئة (الرعد ۲۲) وہ دور کرتے ہیں برائی کو اچھائی کے ساتھ
لفح	یلفح	جھلس دے گی	تلفح وجوههم النار وهم فیها کالحون (المومنون ۱۰۴) ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی اور اس میں بد شکل ہو رہے ہونگے
جئر	یجئر	وہ چلاتا ہے	اذا مسکم الضر فالیه تجئرون (النحل ۵۲) جب پہنچتی ہے تمہیں کوئی تکلیف تو تم اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو (چلاتے ہو)
غض	یغض	وہ نظر نیچی کرتا ہے	وقل للمومنات یغضضن من ابصارهن (النور ۳۱) اور آپ ان مومن عورتوں کو کہہ دیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں
وجب	یجب	وہ گر پڑا	فاذا وجبت جنوبها فکلوا منها واطعموا (الحج ۳۶) پھر جب وہ اپنی کروٹوں کے بل گر پڑیں تو تم اس میں سے کھاؤ بھی اور کھلاؤ بھی
ذرکم	یذرا	پھیلایا تم کو	وهوالذی ذراء کم فی الارض (المومنون ۷۹) اور وہی ذات ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلا رکھا ہے

طیرنا	یطیر	ہم نے نحوست کی	قالوا طیرنا بک وبمن معک (النمل ۴۷) انہوں نے کہا ہم نے تجھ سے اور تیرے ساتھیوں سے نحوست ہی پائی ہے
بوانا	نبوی	مقرر کردیا ہم نے	ولقد بوانا بنی اسرائیل مبوا صدق (یونس ۹۳) اور بیشک ہم نے جگہ دی بنو اسرائیل کو سچائی کا ٹھکانہ (پسندیدہ جگہ)
دمرنا	یدمر	اکھاڑا ہم نے	فحق علیها القول فدمرنها تدمیرا (الاسراء ۱۶) سو ان پر بات پوری اتری اور ہم نے انہیں اکھاڑ کر رکھ دیا
مرج	یمرج	وہ چلاتا ہے	مرج البحرین یلتقین بینهما برزخ لا یبغیان (الرحمن ۱۹) اس نے ملایا ہے دو سمندروں کو دونوں کے درمیاں ایک حد ہے مجال ہے کہ وہ ایک دوسرے پر چڑھیں
عباء	یعبوء	وہ پروا کرتا ہے	قل ما یعبوء کم ربی لولا دعاؤکم (الفرقان ۷۷) آپ کہہ دیں پروا نہیں کرتا تمہاری میرا رب اگر تم اس کو نہ بھی پکارو
عتوا	یعتی	وہ سرچڑھے	وکاین من قریته عتت عن امر ربها ورسله (الطلاق ۸) اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو اپنے رب کے اور انکے رسولوں کے حکم سے نافرمان ہوئیں
تبرنا	یتبرا	ہم نے کھودیا	ولیتبروا ما علوا تتبیرا (الاسراء ۷) اور تاکہ خراب کردیں جہاں غالب ہو پوری خرابی
لقف	یلقف	وہ نگل لے	فاذا هی تلقف ما یافکون (الاعراف ۱۱۷) پھر وہ نگلنے لگا انہیں جو انہوں نے جھوٹ کے ساتھ بنائے تھے
ضاق	یضیق	تنگ ہوتا ہے	وضاقت علیهم الارض بما رحبت (التوبه ۲۵) اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ تھی

ماضی	مضارع	معنی	مثال
وکزہ	یکز	اسے مکا مارا	فوکزہ موسی فقضی علیہ (القصص ۵) سو موسیٰ نے اسے مکا مارا اور اسکا فیصلہ کر دیا
تظاہر	یظاہر	اسنے مدد کی	قالوا سحران تظاهرا وقالوا انا بکلّ کافرون (القصص ۴۸) انہوں نے کہا دو جادو ایک دوسرے کی تائید کر رہے ہیں اور انہوں نے کہا ہم دونوں کا انکار کرتے ہیں
بطر	یبطر	وہ اترایا	خرجوا من دیارهم بطرا ورياء الناس (الانفال ۴۷) وہ سب نکلے اپنے گھروں میں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھا کر
بطرت	تبطر	وہ اترائی	وکم اهلکنا من قرية بطرت معیشتها (القصص ۵۸) اور ہم نے کتنی بستیوں کو ہلاک کیا جو اپنی معیشت پر اترا رہی تھیں
حطم	یحطم	وہ روندتا ہے	لونشاء لجعلناه حطاما فظلتم تفکهون (الواقعہ ۶۵) اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اسے روندا ہوا سو تم رہ جاؤ باتیں بناتے
بطش	یبطش	اس نے پکڑا	ان بطش ربک لشدید (البروج ۱۲) بیشک تیرے رب کی پکڑ بہت شدید ہے
عدل	یعدل	راہ سے مڑتا ہے	ثم الذين کفروا بربهم یعدلون (الانعام۱) پھر وہ لوگ جو کافر ہوئے اپنے رب سے پھرتے ہیں
سقی	یسقی	وہ پلاتا ہے	قالتالا نسقی حتی یصدر الرعاء وابونا شیخ کبیر (القصص ۲۳) انہوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں گی جب تک چرواہے چل نہ دیں (پھیر نہ لے جائیں) اور ہمارا باپ بوڑھا ہے
تمنی	یتمنی	اس نے خیال باندھا	اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته (الحج ۵۲) جب اس نے خیال باندھا شیطان نے اس کے خیال میں اپنی بات ملا دی

اذن	یوذن	وہ آواز دیتا ہے	فاذن موذن بینهم (الاعراف ۴۴) پس آواز دی آواز دینے والے نے ان میں
بیّت	یبیت	وہ رات کو باتیں کیں	بیت طائفة منهم غیر الذی تقول (النساء ۸۱) ان میں سے کچھ لوگ رات مشورہ کرتے رہے خلاف اسکے جو تجھے کہہ چکے تھے
نبیت		ہم نے رات باتیں کیں	والله یکتب ما نبیتون فاعرض عنهم (النساء ۸۱) اور اللہ تعالیٰ لکھ رہے ہیں جو وہ رات باتیں کرتے ہیں سو آپ ان کی طرف دھیان نہ کریں
اثار	تثیر سحابا	اٹھاتی ہیں بادل	فتثیر سحاباً فسقنه الی بلد میت (فاطر ۹) سو وہ ہوائیں اٹھاتی ہیں بادل کو پھر ہانک لے گئے ہم اسکو ایک مردہ دیس کی طرف
غشی	یغشی	اسپر غشی وارد ہوگئی	یغشی علیه بالموت اس پر موت کی بے ہوشی وارد ہو
زحزح	یزحزح	وہ دور ہٹاتا ہے	فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز (آل عمران ۱۸۵) سو جو آگ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا ہو وہ مراد کو پہنچ گیا
حنك	یحنك	چبا کر نرم کیا	
راود	یراود	اسے پھسلایا	وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه وغلقت الابواب (یوسف ۲۳) اور پھسلایا اسے اس عورت نے وہ جس کے گھر میں تھا اور اس نے دروازے بند کر لئے
عاقب	یعاقب	بدلہ لیا	وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به (النحل ۱۲۶) اور اگر تم بدلا لو تو اتنے برابر رہو جتنی تکلیف تمہیں دی گئی
توکأ	یتوکأ		هی عصای اتوکأ علیها (طه ۱۸)

زاور	یزاور	اسنے ہٹایا	وتری الشمس اذا طلعت تزاور عن کھفھم (الکھف ۱۷) اور تو دیکھتا ہے دھوپ کو جب وہ انکے غار سے نکلتی ہے تو ہٹ کر جاتی ہے
فادی	یفادی	اس نے فدیہ دیا	ان یاتوکم اساری تفادوھم (البقرہ ۸۵) اور اگر وہ آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر تو تم ان کا فدیہ لیتے ہو
داول	یداول	وہ دوسرے حال میں آیا	وتلک الایام نداولھا بین الناس(آل عمران ۱۴۰) اور وہ دن ہیں ہم باری باری ان کو بدلتے ہیں لوگوں میں
واری	یواری	وہ چھپاتا ہے	یتواری من القوم من سوء مابشر به (النحل ۵۹) اور وہ چھپتا پھرتا ہے لوگوں سے اسکے برے اثر سے جسکی اسے خبر دی گئی ہے
ضاھه	یضاھه	وہ ریس کرتا ہے	یضاھئون قول الذین کفروا من قبل (التوبہ ۳) وہ ریس کرتے ہیں ان کی بات کی جو اس سے پہلے کفر میں جا چکے
طوف	یطوف	وہ طواف کرتا ہے	فلا جناح علیه ان یطوف بھما (البقرہ ۱۵۸) سو اسے کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان کے درمیان پھرے
حاور	یحاور	اس نے باتیں کیں	فقال لصاحبه وھو یحاورہ انا اکثر منک مالا (الکھف ۳۴) اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے ہمکلام تھا کہ میں مال میں تم سے آگے ہو
تاذن	یتاذن	اس نے خبر دی	واذتاذن ربک لیبعثن علیھم (اعراف ۱۶۷) اور جب تیرے رب نے خبر دی تھی کہ وہ ان پر بھیجے گا (برا عذاب)

	یتوکأ	اس نے ٹیک لگائی	ھی عصای اتوکوا علیھا واھش بھا علی غنمی (طہ ۱۸) یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنے ریوڑ کے لئے پتے بھی جھاڑتے ہیں
اضرب	اضربی	تو مار (اپنی لاٹھی)	اضرب بعصاك الحجر فانفجرت منه (البقرہ ۶۰) اور تو ضرب لگا اپنے عصا سے پتھر پر سو پھوٹ پڑے اس سے چشمے پانی کے
اعبد	اعبدوا	تم عبادت کرو	یا ایھا الناس اعبدوا ربکم (البقرہ ۲۱) اے لوگو تم عبادت کرو اپنے رب کی
بشر	بشروا	تو بشارت دے	وبشر عبادی الذین یستمعون القول . فیتبعون احسنه (الزمر ۱۸) اور تو بشارت دے میرے ان لوگوں کو جو بات سنتے ہیں اور اس کے پیچھے ہوتے ہیں جو اس بات کا بہتریں پیرایہ ہو
انبئھم	انبانا	توان کو خبر دے	یا آدم انبئھم باسمائھم فلما انباھم (البقرہ ۳۳) اے آدم توان کو انکے ناموں کی خبر دے سو جب اس نے انہیں انکی خبر دی
انبونی	انبئت	تم مجھے خبر دو	انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صادقین (البقرہ ۳۱) تم مجھے ان چیزوں کے ناموں کی خبر دو اگر تم سچے ہو
انزلنی	انزله	تو مجھے اتار	رب انزلنی منزلا مبارکا وانت خیر المنزلین (المومنون ۲۹) اے میرے رب تو مجھے اتار برکت کا اتارنا اور تو ہے بہتر اتارنے والا
اھبط	اھبطوا	تم اترو	اھبطوا مصرا فان لکم ما سالتم (البقرہ ۶۱) تم سب کسی شہر میں اترو بس تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا
قل	قلن	تو کہہ	قل: انتم اعلم ام اللہ (البقرہ ۱۴۰) تو کہہ دے تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو

قولوا	قولی	تم کہو	قولوا للناس حسنا واقیموا الصلوۃ (البقرہ ۸۳) تم لوگوں کو اچھی بات کہو اور تم سب نماز قائم کرو
اجعل	اجعلی	تو بنا دے	رب اجعل هذا بلدا امنا (البقرہ ۱۲۶) اے رب تو کر اسے امن والا شہر
وارزق	وارزقوا	اور تو رزق دے	وارزق اهله من الثمرات (البقرہ ۱۲۶) اور رزق دے اسکے رہنے والوں کو پھلوں سے
اسلم	اسلموا	تو مان لے	اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین (البقرہ ۱۳۱) جب کہا اسے اسکے رب نے تو مان لے تو اس نے کہا میں نے اپنے آپ کو خدا کے آگے جھکایا
اسلم	اسلمی	تو اسلام لے آ	ولکن وقولو اسلمنا (الحجرات ۱۴) لیکن تم یہ کہو ہم اسلام لے آئے (ہم نے اپنے آپ کو بچا لیا ہے)
اسجد	اسجدوا	تو سجدہ کر	ومن اللیل فاسجد له وسبحه لیلا طویلا (الانسان ۲۶) اور رات کو تم اسکے حضور سجدہ کرو اور لمبی رات اسکے حضور تسبیح پڑھو
ارضعی	ارضعت	تو اسے دودھ پلا	واوحینا الی ام موسی ان ارضعیه (القصص ۷) اور ہم نے موسی کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تو اسے (اس بچے کو) دودھ پلا
اقلع	اقلعی	تھم جا	ویاسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر (ھود ۴۴) اور اے آسمان تو تھم جا اور پانی سکھا دیا گیا اور کام ہو چکا
ابلع	ابلعی	نگل جا	وقیل یا ارض ابلعی مائک (ھود ۴۴) اور کہا گیا اے زمیں تو اپنا پانی نگل لے

اجلب	اجلبی	لے آ	واجلب علیهم بخیلک ورجلک (الاسراء ۶۴) اور تو لے آ ان پر اپنے سوار اور اپنے پیادے
استفزز	استفززی	گھیرا لے	واستفزز من استطعت منهم بصوتک (الاسراء ۶۴) اور گھیرا لے ان میں سے جس کو تو گھیرا سکے اپنی آواز سے
انذر	انذر	تو ڈرا	انذر به الذین یخافون ان یحشروا الی ربهم (الانعام ۵۱) اور تو ڈرا ان لوگوں کو جو خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے ہاں اکٹھے کیے جائیں گے
ارج	ارجوا	تو مہلت دے	وارجو الیوم الآخر (العنکبوت ۳۶) اور تم یوم آخر کا انتظار کرو
انظر	انظرونا	مہلت دے	انظرنی الی یوم یبعثون (الاعراف ۱۴) تو مجھے مہلت دے اس دن تک کہ جس دن یہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے
امن	امنو	تو ایمان لے آ	ویلک آمن ان وعد الله حق (الاحقاف ۱۷) تیری بربادی تو ایمان لے آ بیشک وعدہ الٰہی حق ہے
صل	صلوا	تو نماز پڑھ	خذ من اموالهم ....وصل علیهم (توبہ ۱۰۳) تو انکے مالوں سے صدقہ وصول کر .... اور تم ان پر نماز پڑھنا تیرا انکی نماز پڑھنا انکے لئے سکون ہوگا
صم	صوموا	تو روزہ رکھ	الی نذرت للرحمن صوما (مریم ۲۶) بیشک میں نے اللہ کے لئے روزے کی نذر کر رکھی ہے
ارسل	ارسلن	تو پیغام دے	فارسل الی هارون (الشعراء ۱۳) ارسل معنا بنی اسرائیل (الشعراء ۱۷) سو تو ہارون کی طرف پیغام اتار ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے
اسر	اسری	تو رات چل دے	فاسر باهلک بقطع من اللیل (ھود ۸۱) تو رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کی رات سے نکل (رات چل دے)

ارجه	ارجهم	اسے ڈھیل دے	ترجی من تشاء منهن (احزاب ۵۱) توان کو ڈھیل میں رکھے جسے چاہے
امکثوا	امکثی	تم ٹھہرو	فقال لاهله امكثوا انی انست نارا (طٰہٰ ۱۰) سو آپ نے اپنی اہلیہ سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے
القوا	الق	تم ڈالو	قال لهم موسى القوا ما انتم ملقون (یونس ۸۰) موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم پھینکو جو تم نے پھینکنا ہے
القوا	القی	انہوں نے ڈال دیں	فلما القوا قال موسى ما جئتم به السحر (یونس ۸۱) سو جب انہوں نے ڈال دیں (رسیاں) موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو یہ سحر ہے
هلم	اسم فعل بمعنی امر	لاؤ۔ آؤ	والقائلين لاخوانهم هلم الينا (الاحزاب ۱۸) اور اپنے بھائیوں کو کہنے والے چلے آؤ ہماری طرف
هيت	اسم فعل بمعنی امر	لاؤ	
هيت لك		جلدی کرو	وغلقت الابواب و قالت هيت لک (یوسف ۲۳) اور اس نے دروازے بند کر دیے اور کہا جلدی ہے واسطے تیرے
وامر اهلك		اپنے گھر والوں کو حکم دے	وامر اهلک بالصلوة و اصطبر عليها (طٰہٰ ۱۳۲) اور تو حکم دے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور اس پر صبر اختیار کر
لا تحرك		حرکت نہ دے	لا تحرك به لسانک لتعجل به (القیامہ ۱۶) نہ دے حرکت اپنی زبان کو کہ تو اسے جلدی لے لے

لا تمسك	تو اسے نہ روک	لا تمسکوا بعصم الکوافر (الممتحنہ ۱۰) اور نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے (نہ روکے رکھو اپنے ہاں)
لا تنکح	تو نکاح نہ کر	لا تنکحو ما نکح اباؤکم (النساء ۲۲) تم نکاح نہ کرو ان سے جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے
لا تقعد	تو نہ بیٹھ	ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین (الانعام ۶۸) اور تو نہ بیٹھ یاد آجانے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ جو ظالم ہو چکے
لا تلبس	تو نہ ملا	لاتلبسوا الحق بالباطل (البقرہ ۴۲) تم نہ ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور نہ چھپاؤ حق کو
لا تقل	تو نہ کہہ	لا تقل لھما اف ولا تنھرھما (بنی اسرائیل ۲۳) تو نہ کہہ ان دونوں میں سے کسی کو اف تک اور نہ انہیں کسی بات میں جھڑکنا
لا تجعل	تو نہ کر۔ نہ رکھ	ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک (بنی اسرائیل ۲۹) اور تو نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ
لا تکفر	تو کفر نہ کر	وان تکفروا فان للہ مافی السموات وما فی الارض (النساء ۱۳۱) اور اگر تم نہ مانو گے تو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب اللہ کا ہی تو ہے
لا تفسد	تو فساد نہ کر	لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا (الاعراف ۵۶) تم زمین میں اسکے درست ہونے کے بعد فساد نہ کرو
لا تاکل لا تاکلوا	تم نہ کھاؤ	لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (النساء ۲۹) تم اپنے مال آپس میں نہ کھاؤ ناحق

لفظ	معنی	مثال
لا تخافی	نہ ڈر۔نہ غم کر	لا تخافی ولا تحزنی انارادوہ الیک (القصص ۷) اور تو نہ ڈر نہ غم کر بیشک ہم اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں
ولاتحزنی	تو غم نہ کر	
لا تبتئس	تو غمگین نہ ہو	فلا تبتئس بما کانوا یفعلون (ھود ۳۶) سو غمگین نہ ہو ان کاموں پر جو وہ کر رہے ہیں
لا تنیا	تم کوتاہی نہ کرو	لا تنیا فی ذکری (طہ ۴۲) تم دونوں میری یاد میں کوتاہی نہ کرنا
لا تعدلوا	تم بے انصافی نہ کرو	الا تعدلو ۔ اعدلو ھواقرب للتقوی (المائدہ ۸) کہ تم بے انصافی کرو انصاف کرو یہی تقوی کے زیادہ قریب ہے
لا تقتلوا	تم قتل نہ کرو	لا تقتلوا انفسکم (النساء ۲۹) تم اپنے آپ کو نہ قتل کرو
لا تمار	تو جھگڑا نہ کر	فلا تمار فیھم الا مراء ظاھرا (الکھف ۲۲) سو تو انکے بارے میں کسی جھگڑے میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سرسری بات ہو
لا تسرفوا	تم فضول خرچی نہ کرو	کلوا واشربوا ولاتسرفوا (الاعراف ۳۱) تم کھاتے رہو اور پیتے رہو اور فضول خرچی نہ کرو
لا تعبد	تو عبادت نہ کر	لا تعبد الشیطن انہ لکم عدو مبین (یٰس ۶۰) تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بیشک تمہارے لئے ایک کھلا دشمن ہے
لا تعبدوا	تم عبادت نہ کرو	لا تعبدون الا اللہ (البقرہ ۸۳) تم ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے (یہ خبر ہے امر نہیں)
لا تعبدیؔ	تو عورت عبادت نہ کر	تو (ایک عورت) عبادت نہ کر (یہ نہی ہے خبر نہیں)

لا تصل	تو نماز نہ پڑھ	لا تصل علی احد منہم مات (التوبہ ۸۴) تم ان میں سے کسی کی نماز (جنازہ) نہ پڑھنا جب وہ فوت ہو جائے
لا تغلوا	تم غلو نہ کرو	یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم (النساء ۱۷۱) اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو (مبالغہ نہ کرو)
لا تعد	پھر نہ کرنا	ومن عاد فینتقم اللہ منہ (المائدہ ۹۵) اور جو کوئی پھر سے ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیں گے
لا تعد	نہ ہٹیں	ولا تعد عیناك عنہم ترید زینة الحیوة الدنیا (الکہف ۲۸) اور تیری آنکھیں ان سے نہ ہٹیں کہ تو دنیا کی زندگی کی زینت چاہے
لا تقربوا الصلوة	تم نماز کے قریب نہ جاؤ	لا تقربوا الصلوة وانتم سکاری (النساء ۴۳) تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو
لا تضحیٰ	تجھے دھوپ نہ لگے	انک لا تظمؤا فیہا ولاَ تضحی (طہٰ ۱۱۹) تو نہ اس میں پیاسا ہو اور نہ تجھے وہاں دھوپ لگے

عصبه	قوت والے	جماعت عصب۔ پٹھا اعصاب۔ باپ کی جانب سے رشتہ دار عصب یعصب پٹی باندھنا
ولیخه	بھیدی	باہر سے داخل ہوا۔ رازدار تولج ۔ تو داخل کرتا ہے ولج ۔ یلج داخل ہوتا ہے
سقایه	پیالہ	مشک سقا ۔ مسقا بانے ہلانے کی جگہ ۔ سقی یسقی
نحله	خوشی سے	شہد کی مکھی نحل ۔ عطیہ انتحل دوسرے روپ میں آیا نحل وہ دبلا ہوا
قارعه	مصیبت	قرع کھٹکھٹایا ۔ قرعہ میں غالب آیا اقرعہ گنجا۔ یقرع کوڑا
حمئة	گرم چشمہ	حمیم رشتہ دار۔ ج احم ۔ محموم بخار والا۔ حما کیچڑ نکالا
بحیره	وہ اونٹنی جو دس بچے دے اور آخری نر	بحر الارض اس نے زمین کو شق کیا
سائبه	تھان پر چھوڑی گئی اونٹنی	ساب یسیب پانی کا ہر طرف بہنا
وصیلة	مادہ بچے جننے والی	تواصل الرجلان ایک دوسرے سے ملنا جلنا رکھنا
ظله	سائبان	ج ظلل ۔ مظله چھتری
بضاعه	مال تجارت	ج بضائع ۔ بضع تین سے زیادہ تعداد ۔ بضع یبضع اس نے بات سمجھی
امنیه	امید	المنوی آرزو ۔ منی اس نے آرزو کی ۔ المنیه امید المنیة موت

نطیحه	سینگ سے مرا	نطح ینطح اس نے سینگ مارا ۔ ناطح وحشی جانور
حفده	پوتے	حفید ج حفداء ۔ حافد خادم۔ احفد اس نے جلدی کی
اکنة	پردے	اکنه گھونسلا جننے کی جگہ
وقر	بوجھ	وقیر الرجل آدمی باوقار ہوا
قتر	سیاہی	گردوغبار ۔ قتر علی عیاله روزی میں تنگ ہوتا
دبر	شہد کی مکھیوں کی جھنڈ	دبر براحال ۔ دبور ہلاکت
وبر	اونٹ کی اون	وبر یوبرد بہت اون والا ہوا
حبر	عالم	ج احبار ۔ حبر سیاہی
قطر	تانبا	پگھلا ہوا تانبا ملمع کی سی چادر
عیر	قافلہ	عائر ۔ مزدور چکر لگانیوالا
حذر	پرہیز	حذر یحذر محذور لازم آتا ہے
رجز	گندگی عذاب	میدان جنگ میں شعر پڑھنے کو رجز پڑھنا کہتے ہیں
قرد	بندر	ج قراد ۔ قرداون کا ردی حصہ
نکد	ناقص	نکد العیش زندگی تنگ ہوگی
عصد	مددگار	ج اعصناد معصند تھیلی بنوه
امد	مدت	ج آماد ۔ امدی اس نے مہلت دی
رغد	سیر ہو کر	رغد عیشه اس کی زندگی آسودہ ہوگئی

مقعد	سیٹ	ج مقاعد ۔ قعدوہ بیٹھا۔ قعدہ نماز میں بیٹھنا
اِد	سخت بات	تادد الامر بات سخت ہو گئی۔ ادید شور
ھد	ٹکڑے ہو کر گرنا	دھماکے سے گرنا ۔ھد الرجل آدمی بوڑھا ہو گیا
بوار	تباہی	البائر غیر مزروعہ زمین ۔ البوریاء چٹائی۔ بورق سوڈا
زفیر	چیخ	زفرہ لمبی سانس۔ زفر شیر بہادر
نقیر	کھجور کی گٹھلی کا گڑھا	منقار چونچ ۔ نقرہ اس نے اسپر نشانہ لگایا
جدار	دیوار	ج جدر ۔ جدیر لائق ۔جدر یجدر لائق ہونا
بدارا	پہلے سوچے ہوئے	بدر الی الشئی اسنے جلدی کی۔ بدر چودھویں کا چاند
قنطار	ڈھیر	ج قناطیر پل۔ بلند عمارت
متبر	برباد ہونے والی	تبرہ اس سے اسے ہلاک کر دیا۔ تبر سونے کی ڈلی
اجدر	لائق	جدیر لائق ۔ اجدر زیادہ لائق
مواخر	چیرنے والے	ماخر
معز	بکری	ضان بھیڑ کو کہا جاتا ہے
رکب	قافلہ	مرکب سواری۔ رکاب رکب یرکب وہ سوار ہوا
نصب	محنت	نصیب لنصب وہ تھک گیا۔ زبر کی علامت
جب	کچا کنواں	ج اجباب۔ گڑھا۔ جبہ زرہ
جنب	پہلو	الجنیب گوشہ نشین۔ الجنیب کوتل گھوڑا

حوب	گناہ	احوب گناہگار مونث حوباء ۔حوبۃ ماں کی ممتا
حقب	سال	ج احقاب ۔ حقیبہ سامان۔ ج حقائب
واصب	دائمی	وصب یصیب ہمیشہ رہنا ۔ وصب بیماری ۔ توصب درد محسوس کی
دائب	چلنے والا	داب یداب لگاتار کام کرنا۔ داب عادت
سارب	چرنے والا	السروب چراگاہ میں چلنے والا ہرن۔ السرب جانور۔ سربہ جھنڈا
داب	جم کر	ج دواب آہستہ چلنے والا رینگنے والا جانور
حاصب	آندھی پتھروں کی	ج حواصب ۔ الحصب پتھر سنگریزہ ۔ کنکریوں کو اڑانے والی تیز ہوا
نقیب	سردار	قوم کا گواہ ترازو کی زبان ج نقباء بانسری
رقیب	نگران	رقبہ گردن۔ ج رقاب رقب یرقب ۔ مَرقب دور بین
عصیب	سخت	ج عصب عصابۃ جماعت عصب یعصب ۔ عصائب پٹیاں
تتبیب	ہلاکت	تب ہلاک ہوا تبت یدا ابی الھب ۔ تباب کی ۔ تیب ہلاک شدہ
تثریب	بازپرس	کسی فعل کی مذمت کرنا ۔ ثرب یثرب ملامت کرنا
کسف	ٹکڑے	واحد کسفہ کسف یکسف کپڑا کاٹنا ۔ کسیفہ ٹکرا
خلائف	جانشین	ج خلیف خلف یخلف

جرف	کھائی	جراف تمام کھانا کھا جانے والا۔ جریاف تیز بہا لے جانے والا۔ جرف یجرف اکثر حصہ لے گیا
زخرف	رونق چمک	جھوٹ سے آراستہ۔ زخارف الماء پانی کے راستے
عجاف	دبلی گائیں	عجیف لاغر ج عجفی عجف یعجف کمزور ہونا
دف	سخت گرمی	ارض مدفا گرم زمین ۔ دفدف اس نے جلدی کی
دف	ڈھولک	دفف الرجل اس آدمی نے دف بجائی
قاصف	سخت جھونکا	گرجنے والا بادل۔ قصف یقصف کھانے اور کھیل میں لگا رہنا
متجانف	جھکنے والا	جنف ظلم ۔ج جنف ۔ یجنف علیحدہ ہونا
صفصفه	چٹیل میدان	صفصف الرجل بیابان میں اکیلا چلا
فواد	دل	عقل ج افئده ۔ فئید بزدل ۔ جند الجزف اسپر خوف آگیا ۔ یفئد
جراد	ٹڈیاں	واحد جرادة ۔ جرید ٹہنی مجرد دانتوں کا برش الجرد
کساد	سردبازاری	کسید گھٹیا چیز۔ کسد یکسد مندا ہونا
حصاد	کاٹنا	محصد درانتی حصید یحصد مضبوط بناوٹ کا ہوتا
مرصاد	گھات	رصد یرصد گھات میں بیٹھنا۔ راصد نگہبان

آصفاد	زنجیریں	ج صفد کی ۔ صفاد رسی ۔ صفدہ اس نے اسے قید کیا
ملتحد	پناہ کی جگہ	لاحد گورکن۔ لحد بغلی قبر۔ الحاد ایک طرف ہو جانا علیحدہ ہو جانا
صدید	پیپ	صداد پردہ ۔ج اصد ۔ صداد چھپکلی۔ صدود روکنے والا
منضود	تہ بہ تہ	نضد ترتیب سے رکھا ہوا ڈھیر ۔ نضدید تکیہ ۔ج نضائد
اکل	پھل	کشادہ۔ رزق۔ اکلہ لقمہ اکل یاکل
وجل	ڈرنے والا	ج وجلون ۔ مونث وجلہ ۔ ارجلہ اس نے ڈرایا
رجل	پیادہ	رجل پاؤں ۔ج ارجال۔ رجل یرجل پیدل چلنا
معزل	کنارے پر ہونا	معزال علیحدہ چرنے والا۔ اعزل ایک طرف کو ہو گیا معتزلہ
ملی	بھراو	ج املاء ۔ ملا و قوم کی جماعت۔ ملاء الارض اس نے زمین بھر دی برتن بھرنے کی مقدار
کل	بوجھ	فقیر جسکا کوئی عزیز نہ ہو۔ یتیم۔ ج کلول
غل	کینہ	دھوکہ۔ فریب ۔ غلول خیانت سے حاصل کردہ
خلال	دوستی	خلیل دوست۔ ج خلان ۔ خل سرکہ ۔ خلال سرکہ بیچنے والا
خیال	ڈراوا	گمان۔ وہم ۔خیال ۔فراست سے خبر معلوم کرنا

نکال	عذاب	نکل پاؤں کی بیڑی ۔ ج انکال۔ نکل ینکل سخت سزا دینا
مختال	اترانے والا	اختال یختال تخایل وہ اکڑ کر چلا
بغال	خچر	واحد بغل ۔ بغال خچر والا۔ بغل وہ تھک گیا
سربال	کرتا	تسربل اس نے کرتا پہنا
بقل	ساگ	باقلہ لوبیا سبزی ترکاری۔ بقال سبزی فروش
طول	مقدور	عرصہ۔ مدت۔ دلال۔ قدرت۔ طاقت۔ فضل و عطا
منزل	مہمان خانہ	ج منازل ۔ نزل ینزل
موئل	پناہ کی جگہ	الوائلۃ اونٹ یا بکریوں کی مینگنیاں ۔ وأل یئل نجات ڈھونڈنا ۔
سھول	نرم زمین	السھلہ ریت جیسی مٹی ۔السھول دست آور دوا۔ اسہال دست
قمل	جوئیں	واحد قملہ ۔ قمل القوم قوم زیادہ ہوئی ۔ اقمل الراعی چراگاہ اگی
فتیل	دھاگہ	واحد فتیلہ ۔فتال بہت بٹنے والا۔مفتل بٹنے کا آلہ
معزل	کنارا	کنارے پر ہونا ایک طرف ہو جانا
تاویل	انجام	تال مالا۔لوٹنے کی جگہ۔ تاویلہ اس کا مصداق۔ نتیجہ سے پھرنا ال یوؤل الیہ
عجول	جلدباز	عجلت جلدی۔ عجل یعجل عجیل ناشتہ پانی جو جلدی میں ہوسکے

ضان	بھیڑ	معز بکری۔ اضان بہت بھیڑوں والا
خدن	چھپادوست	خدین دوست ۔الخدنہ بہت دوستوں والا
قنوان	گچھا	قنو کھجور کا گچھا۔ اسکی جمع قنوان قنی یقنی مال حاصل کرنا
شنان	دشمنی	بشانئک تیرا دشمن شناعت بغض دشمنی برائی
ثعبان	بڑا سانپ	ج ثعابین عجب اس نے لوٹ (تباہی) ڈالی
عوان	درمیان کا	ادھیڑ عمر کا ج عون
قطران	گندھک	کولتار کی طرح کی ایک چیز ۔قاطر ٹپکنے والا گوند
فتیان	خدمت گزار لڑکے	فتی نوجوان ۔جمع فتیان ۔ تثنیہ فتیان ۔ فتات نوجوان عورتیں
صنوان	جنکی جڑیں ملی ہوں	صنو حقیقی بھائی۔ ایک جڑ سے دو درخت
مھطعین	دوڑتے ہوئے	معطع ڈرتے ہوئے دوڑا ۔ محطع عاجزی سے ایک طرف نظریں جمانے والا
مقرنین	جکڑے ہوئے	قران قیدی کے باندھنے کی رسی
متوسمین	اہل بصیرت	توسم اس نے بصیرت سے معلوم کرلیا۔ وسیم خوبصورت چہرے والا
مسومین	نشان زدہ	السیمة السومة علامت اور نشانی
ممترین	شک کرنے والے	مریہ شک۔ لا تکن فی مریہ من العقائد
ماکثین	رہنے والے	مکث ٹھہرنا۔ مکث یمکث
مترفین	مالدار لوگ	ترف یترف وہ خوشحال ہوا

قائلون	قیلولہ کرنے والے	کہنے والے قالی بغض رکھنے والا
مرجون٭	ڈھیل پائے ہوئے	ارجا الامراس نے کام کو موخر کردیا
مسنون	سڑا ہوا	کیچڑ جس میں سے بو آرہی ہو۔ مسنون منجن
اکنان	چھپنے کی جگہ	الکن گھر چھپا ہوا ۔ ج اکنان ۔ اکنه
افنان	شاخیں	فنن سیدھی شاخ قسم۔ حال افانین الکلام
مدحور	دھکیلا ہوا	دحریر حر (دور کرنا) ۔ دحور دھتکار ۔داحر دھتکارنے والے
مثبور	غارت ہوا	ثبوت القرحہ زخم پھٹ گیا۔ مثیر بوچڑ خانہ ۔ ثبرۃ صاف کیا ہوا غلہ
میسور	نرمی کی بات	ج میاسیر۔ یسیر جو ۔ ایسار دولت۔ یسی بایاں ہاتھ ۔ یاسر گوشت تقسیم کرنے والا
محسور	ہارا ہوا	حسیر تھکا ہوا۔ محسرہ جھاڑو ۔تحاسیر بلائیں حسر یحسر کھول دینا
قتور	تنگ دل	جو نان و نفقہ میں تنگی کرے۔ اقتر علی عیاله قتر یقتر
حصور	بچنے والا	عورتوں سے کنارہ کش۔ ۔ حصیر چٹائی۔ حصر یحصر تنگی ڈالنا ۔احصر اس نے اسے روک دیا
موبق	ہلاکت کی جگہ	قید خانہ وبق ۔ یبق ہلاک ہوا ۔موبقات ہلاکت کے اسباب
مرتفق	آرامگاہ	رفاق اونٹنی کے بازو باندھنے کی رسی ۔ مرفق کہنی جس سے سہارا لیا جائے ۔ج مرافق

لفظ	معنی	تفصیل
خلاق	حصہ	بھلائی کا حصہ ۔ اخلق الثوب کپڑا پرانا ہو گیا۔ تخلق وہ عادی ہوا
إملاق	مفلسی	تملق چاپلوسی کرانا۔ ملق درستی ۔ مہربانی ۔دعا ۔کم رفتار گھوڑا
سرادق	قناتیں	سنردق ۔ شامیانہ ۔ دھواں جو بلند ہوا۔ خیمے لگے
شمیق	دھاڑنا	گدھے کا چیخنا ۔ شمقه چیخ ۔تشمق علیه اس پر نظر جمادی
صواع	کٹورا	ج صیعان صاع ایک پیائش کا پیانہ ۔ صوع الریح ہوا نے حرکت دی۔ تصوع الشعر بال پراگندہ ہوئے
دمع	آنسو	واحد دمعة دمع الاناء برتن بہہ پڑا
رمح	نیزہ	ج رماح ۔ رمح البرق بجلی آہستہ آہستہ چمکنے لگی
قرح	زخم	جسمیں پیپ پڑ جائے قراح خالص پانی ۔قریح زخمی
جرح	زخم	ج جوارح ۔ جروح اعضاء۔ جریح زخمی۔ اجترح اس نے کمایا
مرح	اتراتا ہوا	مراح نشاط و شادمانی۔ راحت
مرج	چراگاہ	ج مروج ۔ مرج الرابة چوپائے کو چرنے دیا
باخع	ہلاک کرنے والا	غم و غصہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا۔ بخع یبخع ۔ حق کے سامنے جھک جانا
لواقح	بادلوں سے بھری ہوئیں	واحد لاقعه لقوح وہ اونٹنی جو نر کو قبول کرے۔ حاملہ عورتیں

حوت	مچھلی	ج حیتان ۔ آسمان کے ایک برج کا نام ہے
رفات	پورا پورا	رفت یرفت توڑنا جو چیز بوسیدہ ہو جائے
صامت	چپکے	صمت یصمت صمات خاموشی۔ صموت بھاری زرہ
مثلت	کئی عذاب	ج مثلثہ آفت ناک کان کاٹنا۔ امثولہ جو شعر تال میں پیش کیا جائے
مثوی	ٹھہرنے کی جگہ	الثوی مہمان خانہ ۔مثوی منزل ۔ ثوی الرجل آدمی ٹھکانہ کر گیا ' مر گیا
مضجع	سونے کی جگہ	ضنبعة کروٹ۔ ضبجعة صابن ۔ضاجع وادی کی ڈھلوان
منسك	قربانی	ناسک عبادت گزار۔ مناسک افعال حج۔ نسک نذر جو؟ کے لئے پیش کی جائے
محیص	بچنے کی جگہ	حاص یحیص علیحدہ ہونا بچ نکلنا۔ حیوص بدکنے والا جانور
متكاء	مجلس ٹھہرنے کی	تکی یتکاء توکا علی عصاء لاٹھی کا سہارا لیا۔ داکاء علی یدیه دونوں ہاتھوں کا سہارا لیا (دعا)
مغلوله	بندھے ہوئے	غلول خیانت کرنا ۔ غلہ اس نے اسکے ہاتھ باندھے ۔ غل دھوکا۔ غلالہ پیاس۔ اغلت -الارض زمین نے غلہ دیا
مصرخ	فریادرس	صرخ یصرخ اس نے فریاد کی۔ چلایا ۔ صارخ

مستودع	جہاں امانت رکھی جائے	ودیعة (امانت) ج ودائع ودع یدع (چھوڑنا)
جاثم	اوندھا	سینہ کو زمین سے لگانے والا ۔ جثمہ راکھ کا تودہ ۔ جثمان بدن ۔ مجثم بیٹھنے کی جگہ
غارم	تاوان والا	غرم یغرم قرض ادا کرنا ۔ الغرامة والغرم تاوان ضرر مشقت
مغرم	تاوان	اغرمه قرض کی ادائیگی کو لازم کرنا
سم	سوئی کا ناکہ	سم الخیاط سوئی زہر ۔ سم الفار چوہوں کا زہر ۔ سموم گرم ہوا
ردم	مضبوط دیوار	اردم ماہر ملاح پیوند لگائی جگہ
ھشیم	ریزہ ریزہ	ھشام سخاوت ۔ کلا ھشوم نرم گھاس ۔ اھتشم الناقته اونٹنی کا دھنا
واق	بچانے والا	وقایه بچاؤ کا ذریعہ ۔ وقی یقی وقایتة رجل وقاء
حرض		حرضة گھٹیا قسم کا آدمی ۔ احرضه اس نے اسے گرایا
بث	پریشانی	غبار بث ۔ یبث خبر پھیلانا
فرجاه	معمولی	
ذرعا	دل میں	وعد خان الذرع اس کا دل رنج سے خالی ہے ۔ امرك على ذراعك (تیرا معاملہ تیرے سپرد)

شفا	کنارہ	الشفاء نئے چاند کا بقیہ حصہ ہر چیز کی حد اور کنارا۔ تثنیہ شفوان
حما	گارا	حمی کیچڑ والی چیز اسم صفت
ظما	پیاس	ظمء ج اظماء فعل کی؟ظمی۔ یظما (وہ پیاسا ہوا)
تقاہ	بچاؤ	پرہیز گاری۔ وقاہ اللہ اللہ نے اسے بچالیا وقی یقی
اواہ	نرم دل	بہت آہیں بھرنے والا آهته آہ تاوہ وہ درمند ہوا
اِلاّ	قرابت داری	ج الل زاری کرنے کی هیئت۔ال نالہ وزاری کرنا
آلاء	انعامات	الی نعمت۔ الہ یالو کوتاہی کرنا۔ الیرا چکی۔ ایلاء قسم کھانا
دکاء	ریزہ ریزہ	ہموار جگہ ج دکوك فعل کی صورت دك۔ یدك دیوار کر زمین کے برابر کرنا
هواء	اڑے ہوئے	فضا آسمانی ج اهویة بزدل خالی چیز
تلقاء	سامنے	لقا کا اسم ملاقات کی جگہ ۔من تلقاء و نفسه اپنی طرف سے
حوایا	انتڑیاں	ج حویة کٹی ہوئی آنت ۔جیسے جیہ کی جمع بنایا
حلی	زیورات	ج حلیه حلیت الامراس نے زیور پہنا
ضفدع	مینڈک	ج ضفارع فعل کی صورت ضفدع الرجل سکڑا گر زمارا
مثیثا	تیز دوڑتا	ولی مثیثا وہ تیز بھاگا۔ حثوث تیز

نسی	آگے پیچھے کرنا	بھولی ہوئی چیز۔ اپنی قوم میں شمار نہ ہونے والا۔ معمولی چیز جسے آگے پیچھے کیا جا سکے
عفو	آسان۔درگزر	العفو بہت معاف کرنے والا۔ عافی درگزر کرنے والا۔ فعل کی صورت عفا یعفو
بغی	ضد	ظلم فساد بغیه۔ مطلوب چیز پونجی۔ بغیه بدکار عورت
غواش	اوڑھنا	غشی یغشی اس نے ڈھانپ لیا۔ غاشیه ڈھانپ لینے والی قیامت
مجذوذ	ختم ہونے والے	توڑے ہوئے ٹکڑے جذ۔ یجذ اسنے کاٹا۔ جذارات ٹکڑے
تبیع	پیروی کرنے والا	تباعات تاوان۔ لهذا العمل تبعة اس کام میں بازپرس ہے
شاکله	طرز ڈھنگ	شاکل کا مونث طریقہ۔مذهب شواکل شاہراہ سے نکلے راستے
ینبوع	چشمہ	ج ینابیع المنبع ج منابع النسیع پینہ نبع ینبع
ارائك	مخت	اریکہ کی جمع ارك الجرح زخم اچھا ہوگیا۔ اراك پیلو کا درخت
فارض	بوڑھا	مفرض کاٹنے کا ہتھیار۔ فعل کی صورت فرض یفرض فراضة گائے کا عمر رسیدہ ہونا
شرعا	سطح بھرے ہوئے	ابل شرع پانی میں داخل ہونے والے اونٹ
الورد	گھاٹ	وہ پانی جس پر لوگ۔ ورد زعفران شیر بہادر

زبد		جمع زبد ۔ زبدہ مکھن ۔ ازبد الرجل اس کا غصہ جوش میں آگیا
رابی	پھولا ہوا جھاگ	الربا زیادتی اور احسان کہتے ہیں۔ ربوہ ٹیلہ ج ربی فعل ربی یربو رباء
مرسی	ٹھہراؤ	رسی یرسو ایک جگہ ٹھہرنا ۔ قدور الراسیات ایک جگہ ٹھہری دیگیں
من البدو	گاؤں سے	باہر سے من البادیة البدوہ ۔ وادی کا کنارہ
اربی	بڑھا	رباء زیادتی اکثر دوسروں سے زیادہ
طائر	بدشگونی	پرندوں کے اڑنے سے شگون لیتے تھے طیر طائر کی جمع ہے
مکث	ٹھہراؤ	ماکث ٹھہرنے والا ۔ مکیث ٹھہرنے والا ۔ مکث یمکث
عز	مددگار	عز علیہ عزا کریم ہونا ۔ عزہ اس نے اسے عزت دی
جرز	چٹیل میدان	بنجر زمین اجرز البعیر اونٹ لاغر ہو گیا ۔ جرز کاٹنا
رکز	بھنک	دھیمی آواز زمین کے اندر کی دھاتیں فعل کی صورت رکز ۔ یرکز زمین میں گاڑا
معز	بکری	ماعز بکری۔ معزا بکری ۔ ج مواعز بکری کی کھال
الضان	بھیڑ دنبہ	فعل کی صورت میں ضان اس نے بھیڑ کو بکریوں سے جدا کیا
زلق	چٹیل میدان	پھسلنے کی جگہ زلق راسہ اس نے سر مونڈا

شطط	بیجا بات	سمندر کا کنارا شطا۔ یشطا کنارے پر چلنا۔ شطط اس نے زیادتی کی۔
سرب	سرنگ	پرندوں کی ڈار۔ تہ خانہ۔ سراب ریگستانی عمارت جو پانی نظر آئے
رحم	محبت	رحم بچہ دانی ۔ ذوی الارحام رشتہ دار
زبر	تختے	زبرہ لوہے کا بڑا ٹکڑا ۔ زبر کتاب ۔ج زبور پتھر تحریر
صدفین	کنارے	پہاڑ کا کنارا۔ صدف سیپی۔ تصادف دوسرے کے مقابل ہوا
موالی	رشتہ دار	مولی دوست۔ مالک۔ آزاد کردہ غلام
عاقر	بانجھ	عقار گھر کا سامان ۔ عقار جڑی بوٹی سے علاج کرنے والا ۔ عقور کاٹنے والا
هین	آسان	نرم کمزور اھون ہلکا سکون سے چلنا ۔ھون رسوائی
مخاص	دردزہ	مخص اللبن اس نے دودھ بویا اسے خوب ہلایا تمخصت الحامل
جزع	جز	ج جزوع جزعة چھوٹا بچہ اچھا پلا ہوا
امت	ٹیلہ	ج اموت فعل کی صورت۔ امتہ اس نے اس کا اندازہ کیا قصد کیا
سحت	رشوت	ج اسحات فعل کی صورت ۔ سحتہ اس نے ہلاک کیا ۔ جڑ سے اکھاڑ دیا
همس	پاؤں کی آہٹ	پست آواز همس الصوت چپکے سے بات کی ۔ ھمس [illegible] رات کو چلنے والا

نہی	عقل	النحیة عقل کی جمع۔ النھی کامل العقل۔ نھی شیشہ
عصی	جمع عصا	لاٹھی جماعت فعل کی صورت میں عصی۔ یعصی لاٹھی لینا ۔عصی یعصو لاٹھی سے مارنا
درك	گہرائی	فعل کی صورت میں لاحق ہونا ۔ پکڑے جانا ۔وقت پر پہنچنا
ریشا	آرائش کے کپڑے	پرندے کے پر فعل کی صورت راش ۔ یریش اس نے مال جمع کیا کھلانا پلانا
سیما	نشانی	الوسمة علامت ھئیت
فرادی	ایک ایک کرکے	جمع فرد کی فاردہ اکیلی بکری
سواة	لاش	بری عادت شرمگاہ اسواء ۔مساة گلا گھونٹ کر مار ڈالنا
مرفق	کہنی	وہ چیز جس سے سہارا لیا جائے۔ مرافق کہنیاں۔ یہ رفق نرمی سے ہے
کعب	ٹخنہ	جمع کعاب قدم کے اوپر کی ابھری ہوئی ہڈی ہر بلند چیز کعب الاحبار
نعم	چوپایہ	جمع انعام ۔ کلمہ ایجاب یعنی ہاں نعم۔ افعال مدح میں سے غیر منصرف
خلف	ناخلف جانشین	خلاف چلنے والا ۔خلوف منہ کی بو۔ خلف صحیح جانشین
سری	چشمہ	چھوٹی ندی جمع اسریہ۔ سریہ دستہ فوج کا۔ جمع سرایا

جنی	پکی کھجور	چنا ہوا پھل ۔ جنی الثمر درخت سے پھل توڑا
فری		امر فری گھڑی ہوئی بات۔ فراء جنگلی گدھا
ملی	ایک مدت	زمانہ طویل ملاء کشادہ زمین ۔ملوان رات دن
حصی	بڑا عقلمند	بہت سوال کرنے والا ۔ پورا علم رکھنے والا ۔ حصاہ اس نے منع کیا
نجی	مشورے کی بات	رازدار۔ وصف نجوی مناجات
ماتی	پورا ہونے والا	اتی الامر من ماتاہ اس نے معاملے کو ٹھیک کر دیا
نسی	بھولنے والا	نسی ینسی ایک رگ کا نام ۔ منساء لاٹھی
جثیی	گرم ہوا	جثی زانو کے بل بیٹھنا ۔ الجثوہ پتھروں کا ڈھیر
عتی	سرکش	جمع اعتاء ۔ عتا یعتو (تکبر کرنا) ۔ عتی یعتی سرکش کرنا
ندی	محفل	سبز گھاس رجس جمع اندیہ مجلس جب تک اس میں لوگ رہیں
ری	غور	ریا حقیقت کے خلاف دکھاوا الرئۃ پھیپڑا
مبصرہ	سمجھانے کو	مبصر نگہبان البصر کنارہ موٹائی چھال
عتیاء	انتہا کو	نافرمانی کی جرات میں۔ خوشگوار
مغیاء	مزیدار	ھنوء یھنو بغیر مشقت کے حاصل ہونا۔ ھناہ یھنا (کھانا تیار کرنا)

قرآنِ حکیم کے متعلق غیر مسلموں کے تاثرات

Opinions of Non Muslims inrespect of the Holy Quran

قرآنِ حکیم کے متعلق غیر مُسلموں کے تاثرات

F.F. Arbuthnot

ایف. ایف. آر بتھناٹ

From the literary point of view, the Quran is regarded as a specimen of the purest Arabic, written in half poetry and half prose. It has been said that in some cases grammarians have adopted their rules to agree with certain phrases and expressions used in it, and that though several attempts have been made to produce a work equal to it as far as elegant writing is concerned, none has yet succeeded.

ادبی نقطہ نظر سے قرآن کریم خالص عربی زبان کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے جس کی عبارت آدھی نظم اور آدھی نثر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ماہرین صرف ونحو نے اس کی آیات کی روشنی میں گرامر کے بیشتر قواعد وضع کیے ہیں اور جہاں تک اس کی شستہ زبان وعبارت کا تعلق ہے۔ کئی کوششوں کے باوجود آج تک کوئی شخص بھی اس کے مقابل عبارت بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

It will thus be seen, from the above, that final and complete text of the Quran was prepared within twenty years after the death (A.D. 632) of Muhammad, and that this has remained the same, without any change, or alternation by enthusiasts, translators, or interpolators, up to the present time. It is to be regretted that the same cannot be said of all the books of the old and new testaments.

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ قرآن حکیم کو مکمل طور پر (یک جا) کتابی صورت میں ۶۳۲ء میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بیس برس بعد ترتیب دیا گیا تاہم اس کی صحت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی مترجم یا کوئی جوشیلا شخص یا بدنیت آدمی آج تک اس میں کوئی ردّ و بدل کر سکا ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت بڑے افسوس کے ساتھ ماننا پڑے گی کہ دوسری (آسمانی) کتابوں کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

(The construction of the Bible and the Koran. London 1885 Page 5)

(دی کنسٹرکشن آف دی بائبل اینڈ دی قرآن ص۵ مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء)

John William Draper — جان ولیم ڈریپر

The koran abounds in excellent moral suggestions and precepts; its composition is so fragmentary that we cannot turn to a single page without finding maxims of which all men must approve. this fragmentary construction yields texts, and mottos and rules complete in themselves , suitable for common man in any of the incidents of life.

قرآن حکیم بلند پایہ اخلاقی مضامین اور پند و نصائح سے بھرپور ہے۔ اس کی ترتیب کچھ اس طرح جامع انداز کی ہے کہ ہمیں اس کا کوئی صفحہ ایسا نہیں ملتا جس میں ایسی آیات موجود نہ ہوں جنہیں ہر مکتبۂ فکر کے اشخاص کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو۔ اس کی اجزائی ترتیب، اس کے واضح عقائد، قوانین اور متن کی طرف نشاندہی کرتی ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہر آدمی کے تمام مسائل سے یکساں مطابقت نظر آتی ہے۔

(A history of the intellectual development of Europe Vol I pp. 343-344 London 1875)

(اے ہسٹری آف دی انٹلیکچوئل ڈیویلپمنٹ آف یورپ جلد ۱ ص ۳۴۳ ۳۴۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۵ء)

Hartwig Hirschfield

ہارٹ وگ ہرشس فیلڈ

We must not be surprised to find the Quran the fountain head of the sciences. Every subject connected with heaven or earth, human life, commerce and various trades are occasionally touched upon, and this gave rise to production of numerous monographs forming commentaries on parts of the Holy Book. In this way the Quran was responsible for great discussion, and it was indirectly due to marvellous development of all branches of science in the Muslim world. This again not only affected the Arabs but also induced Jewish philosophers to treat the metaphysical and religious questions after Arab methods. Finally, the way in which Christian scholasticism was fertilised by the Arabian theosophy need not be further discussed.

ہمیں یہ جان کر حیرت نہیں ہونی چاہیئے کہ قرآن حکیم تمام سائنسی علوم کا منبع ہے۔ ہر مسئلہ خواہ اس کا تعلق زمین سے ہو یا آسمان سے، انسانی زندگی سے ہو یا صنعت و تجارت سے قرآن کے اوراق میں کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ضرور ملتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے مختلف عنوانات پر اب تک بے شمار تحقیقی مضامین لکھے جا چکے ہیں جو اس متبرک کتاب کے مختلف حصوں کی تفسیر بن چکے ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم کئی مباحث و مناظر کا ذریعہ بھی بنا ہے اور دنیائے اسلام میں سائنسی علوم کی تمام شاخوں

میں بے مثال کامیابی اس کی مرہونِ منت ہے۔ اس حقیقت سے نہ صرف یہ کہ عرب قوم ہی متأثر ہوئی بلکہ قرآن حکیم نے یہودی فلسفیوں کو بھی یہ ماننے پر مجبور کر دیا کہ وہ مذہب اور مابعدالطبیعات جیسے اہم مسائل کو اصولِ عرب کی روشنی ہی میں مانیں جس طریقہ سے عربوں کے مذہبی فلسفہ نے مسیحی مذہب کی منطق کو تقویت پہنچائی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

Spiritual activity once aroused within Islamic bounds was not confined to the theological speculations alone. Acquaintance with the philosophical, mathematical, astronomical and medical writings of the Greeks led to the pursuance of these studies. In the descriptive revelations Muhammad repeatedly calls attention to the movement of the heavenly bodies, as parts of the miracles of Allah, forced into the service of man and therefore not be worshipped . How successfully Muslim people of all races pursued the study of astronomy is show by the fact that for centuries they were its principal supporters. Even now many Arabic names of stars and technical terms are in use. Medieval astronomers in Europe were pupils of the Arabs.

دنیائے اسلام کے جونہی روحانی جذبات اُبھرے تو اس کا اثر صرف دینی تصورات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یونانیوں کے فلسفہ حساب، علم ہیئت اور طب کی تحریرات نے ان کے دلوں میں ان علوم کے سیکھنے کا جذبہ بیدار کیا۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیِ الٰہی کا حوالہ دیتے ہوئے بار بار ہماری توجہ آسمانی حقائق کی طرف مبذول کی ہے جو کہ قدرت کے کرشمہ کا ادنیٰ سا نمونہ ہیں اور یہ سب اعیانِ سماوی آدمی کی خدمت کے لیے وقف ہیں۔ لہٰذا ان کی عبادت و پرستش کی اجازت نہیں۔ مزید برآں مسلمانوں نے جس خوبی اور کمال سے علم ہیئت کی تحقیق کی ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ کئی صدیوں تک صرف وہی اس علم کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے یورپی ہیئت دان عربوں کے شاگرد رہے ہیں۔

In the same manner the Quran gave an impetus to medical studies and recommended the contemplation and study of Nature in general.

بعینہ قرآن حکیم نے طب کی تعلیم پر بھی زور دیا ہے اور مظاہر قدرت میں غور کرنے اور مطالعہ کی تلقین کی ہے۔

(New Researches into the Composition and exegesis of the Quran London 1902)

(نیو ریسرچز ان ٹو دی کمپوزیشن اینڈ ایکسیجیز آف دی قرآن مطبوعہ لندن ۱۹۰۲ء)

Paul Casanova

پال کاسانوا

Whenever Muhammad was asked a miracle , as a proof of the authenticity of his mission, he quoted the composition of the Quran and its incomparable excellence as proof of its Divine origin. And, in fact, even fore those who are non Muslims nothing is more marvellous than its language which with such a prehensile plentitude and a grasping sonority with its simple audition ravished with admiration those primitive peoples so fond of eloquence. The ampleness of its syllables with a grandiose cadence and with a remarkable rhythm have been of much movement in the most hostile and the most sceptic

جب کبھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے مشن کے ثبوت میں کوئی معجزہ طلب کیا جاتا تو آپ قرآن حکیم کی بے مثل اور اعلیٰ تحریر ہی کو اس کے خدائی کلام ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے تھے

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک بھی جو کہ غیر مسلم ہیں اس کی زبان حیرت انگیز شان رکھتی ہے جس نے بے انتہا اثر آفرین اور قابلِ قبول لہجہ سادہ اور دل کو موہ لینے والی آواز نے ان قدیم لوگوں کو بھی جو فصاحت و بلاغت کے دلدادہ تھے تعریف کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ارکانِ تہجی کی فصاحت اس کی نثر کا شاندار وزن اور بحر میں غیر معمولی موزونیت اس کے سخت ترین مخالف اور متشکک کو بھی بات چیت کے وقت اپنی اہمیت کا احساس دلاتی رہتی ہے۔

L 'Enseighnement de I' Arabe au College de France in Lecon d overture for 26th April, 1909

(ل، این سیجمنٹ ڈی عرب اور کالج ڈی فرانس ان لیکان ڈی ورچر برائے ۲۶ اپریل ۱۹۰۹ء)

Sir William Muir

سر ولیم میور

The Coran is the ground work of Islam. Its authority is absolute in the matters of religion ,ethics and science, equally as in matter of religion the Coran is supreme and much of the tendency is so plain as to admit no question, even among contending sectaries.

قرآن کریم اسلام کی اساس ہے۔ قرآن کریم کی حاکمیت، دینی امور، اخلاقیات اور سائنس سب امور میں ایسی ہے جیسے دینی امور میں۔ قرآن کریم ہر چیز سے فائق ہے اور اس کے بارے میں مسلمانوں کا ذہن اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اس کے بارے میں وہ کسی قسم کا کوئی سوال برداشت نہیں کرتے۔

The life of Mahomet. the Coran . VII London 1903

(دی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص۷ لندن ۱۹۰۳ء)

Rev G. Margolluth — آر۔ جی۔ مارگولیتھ

The Koran admittedly occupies an important position among the great religious books of the world. Though the youngest of the epoch making works belonging to this class of literature, it yields to hardly any in the wonderful effect which it has produced on large masses of men. It has created an all but new phase of human thought and a fresh type of character.

اقوامِ عالم کی تمام عظیم الہامی کتب میں قرآن مجید بالاتفاق نہایت اہم مقام رکھتا ہے اگرچہ اپنی نوع کے عہد آفرین شہ پاروں میں یہ سب سے آخر میں منصۂ شہود پر آیا تاہم اس نے بنی نوع انسان کی ایک عظیم آبادی پر معجز نما اثر ڈالا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تمام الہامی کتب میں سب سے آگے ہے۔ اس نے انسانی فکر کو ایک کامل اور اچھوتے لیکن جدید اخلاقی زاویے سے ہمکنار کیا ہے۔

(Introduction to the Koran by Teo J M Rodwell London 1918)

Harry Gaylord Dorman — ہیری گیلارڈ ڈارمین

It (Quran) is literal revelation of God, dictated to Muhammad by Gabriel, perfect in every letter. It is an ever present miracle witnessing to self and to Muhammad , the Prophet of God. Its miraculous quality resides partly in its style, so perfect and lofty that neither men nor jinn could produce a single chapter to compare with its briefest chapter, and partly in its content of teachings, prophecies about the future, and amazingly accurate information such as the illiterate Muhammad could never have gathered of his own accord.

قرآن مجید خدا تعالیٰ کی الہامی کتاب ہے جو جبریل (امین) کے ذریعے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی اور حرف بہ حرف اکمل ہے۔ یہ ایک اٹل اور لافانی اعجاز ہے جو اپنی اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کی شہادت دیتا ہے اس کا اعجاز ایک طرف تو اس کا اسلوب بیان ہے جو اس قدر اکمل و جامع اور اعلیٰ و ارفع ہے کہ جنوں اور انسانوں میں سے کوئی بھی اس کی مختصر ترین سورت کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر نہیں لا سکا اور دوسری طرف اس کا معجزہ، اس کی تعلیمات، مستقبل کی پیش گوئیاں اور معلومات و اخبار ہیں جو اس حد تک ٹھیک ٹھیک ثابت اور ظاہر ہوتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے جو کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے کبھی بھی گھڑ کر یا حاصل کر کے انہیں لا سکتا تھا۔

Towards Understanding Islam p.3 New York 1948

ایچ اے۔ آر گبھ

H.A.R. Gibb

Well, then if the Quran were his own composition , other men could rival it. Let them produce ten verses like it. If they could not (and it is obvious that they could not) then let them accept the Quran as an outstanding evidential miracle.

اگر قرآن مجید اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنی تصنیف ہوتا تو پھر دوسرے انسان بھی اس کے مقابلے میں کوئی کتاب تصنیف کر کے لا سکتے تھے۔ انہیں چیلنج کیا گیا کہ وہ بھی اس کی طرح دس آیات لکھ کر لے آئیں اور اگر وہ نہیں لا سکے (اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ وہ لا بھی نہیں سکتے تھے) تو پھر کیوں نہیں وہ قرآن مجید کو ایک ممتاز اور معجزہ مبین تسلیم کر لیتے۔

Muhammadanism p.33 London 1953

Edward Monteith — ایڈورڈ مونٹٹ

All those who are acquainted with the Quran in Arabic, agree in praising the beauty of this religious book; its grandeur of form is sublime that no translation into any European language can allow us to appreciate it.

وہ تمام لوگ جن کو عربی قرآن کا معمولی سا بھی تعارف حاصل ہے۔ ان سب کو اس کے مذہبی کتاب کے حسنِ بیان کی تعریف پر اتفاق کرنے کے سوا کوئی راہ فرار نہیں ہے اس کی عظمت اسلوب اس قدر اعلیٰ و ارفع ہے کہ کسی بھی یورپی زبان میں ترجمہ کر کے اس کے طرزِ بیان کو دادِ تحسین پیش نہیں کی جا سکتی۔

Tradition Franchise du Coran, Paris 1929, Introduction page 53

James A Michener — جیمز۔ اے۔ مشنر

The Koran is probably the most often read book in the world, surely the most often memorized, and possibly the most influential in the daily life of the people who believe in it. Not quite so long as the new Testament, written in an exalted style it is neither poetry nor ordinary prose, yet it possesses the ability to arouse its hearers to ecstasies of faith.

"دنیا میں غالباً قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سب سے زیادہ حفظ کی جانے والی اور اپنے پیروکاروں کی روزمرہ زندگی میں سب سے زیادہ اثر آفرین

کتاب ہے، عہد نامہ جدید ایسی طوالانی بھی نہیں ہے۔ اس کا طرز بیان نہایت ارفع و اعلیٰ ہے جو نہ تو منظوم ہے اور نہ ہی عام ،بے اثر پھیکی نثر کی مانند ہے۔ لیکن یہ اپنے سامعین کے قلوب کو حلاوت ایمانی سے سرشار کرنے کی بے پناہ تاثیر رکھتی ہے۔

The Koran was revealed to Muhammad between the year 61-632 in the cities of Macca and Median. Devoted scribes wrote it down on scraps of paper, bark and white shoulder blades of animals. the early revelations were dazzling assurances that there was only one God. Merciful and Compassionate . He is Allah, the Creator, the Maker, the fashioner. Whatever is in the Heavens and the earth declares His glory; and He is the Mighty , the Wise.

قرآن مجید حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ۶۱۰ء سے لے کر ۶۳۲ء کے درمیانی عرصہ میں مکہ اور مدینہ کے قیام کے دوران نازل ہوا۔ اس کو کاغذات ، درختوں کی چھال اور جانوروں کے کولہوں کی ہڈیوں پر نہایت ثقہ اور معتمد کاتبین کی ایک جماعت نے کتابت کیا۔ ابتدائی احکام وحی خیرہ کن یقین کامل کے حامل ہوتے تھے یعنی یہ کہ معبودِ حقیقی صرف ایک ہے جو رحمٰن و رحیم ہے اور معبودیت کے سزاوار صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے جو کہ کون و مکان کا خالق ، فاطر اور بدیع ہے اور زمین و آسمان کی ہر شئے اس کی تسبیح و تحمید کرتی ہے اور وہ عزیز و حکیم ہے۔

It was this message that swept away idols, and inspired men to revolutionise their lives and their nations. In later years when Islam began to penetrate large area of Arabia and had acquired much power, the revelation dealt with the organisation of society, in laws, procedures and problems.

یہی وہ طوفانی پیغام ہے جو اصنام و خس و خاشاک کی طرح بہا کرلے گیا اور بنی نوع انسان کو اپنی زندگیوں اور قوموں میں انقلاب آفرینی کے جذبہ سے سرشار کر گیا۔ عہد نبوی کے آخری ایام

میں جب اسلام نے خطۂ عرب کے وسیع علاقے میں نفوذ کرنا شروع کیا اور قوت پکڑی تو نزولِ وحی معاشرے کی تنظیم، مل جل کر رہنے کے قوانین وضوابط اور معاشرتی مسائل کی طرف توجہ دی گئی۔

Many revered names from Christianity and, Judaism appear in the Koran.For example five important chapters are titled Noha, Joseph, Joseph, Abraham and Mary. Lacking specific chapters of their own but playing quite important roles, are Jesus, David, Gliath, Job Moses, Lot and Solomon.

قرآن مجید میں عیسائیت اور یہودیت کی بہت سی مقدس ہستیوں کے اسماء کا ذکر آیا ہے مثلاً پانچ نہایت اہم سورتیں نوح، یونس، یوسف، ابراہیم، مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام کی ہیں۔ اسی طرح اگرچہ عیسیٰ، آدم، داؤد، جالوت، ایوب، موسیٰ، لوط اور سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام کی سورتیں تو نہیں ہیں تاہم ان ہستیوں نے بنی نوعِ انسان کی رشد و ہدایت کے لیے جو عظیم الشان خدمات سرانجام دیں ان کا تذکرہ نہایت شرح و بسط سے آیا ہے۔

The Koran is remarkably down to earth in its discussion of the good life. In one memorable passage it directs "When ye deal with each other in transactions involving future obligations, reduce them to writing and get two witnesses, so that if one of them errs the other can remain him. this is just in the sight of God more suitable as evidence, and more convenient to prevent doubts among yourselves.

نیک زندگی کی بحث میں قرآن مجید غیر معمولی طور پر اوّل تا آخر واضح ہے۔ دنیوی معاملات کے بارے میں کس قدر قابل انداز میں فرمایا:-

"جب معاملہ کرنے لگو اُدھار ایک میعادِ معین تک (کے لیے) تو اس کو لکھ دیا کرو اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ بھی کرلیا کرو۔ تاکہ ان میں سے اگر

کوئی ایک بھول جائے یا غلطی کر جائے تو دوسرا گواہ اس کو یاد دہانی کرا دے
اور یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور
شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا
کہ تم (معاملہ) کے متعلق کسی شبہ میں نہ پڑو۔"

It is this combination of dedication of one God, plus practical instruction that makes the Koran unique. Each Islamic nation contains many citizens who are convinced that their land will be governed well only if its laws conform to the Koran.

ایک طرف خدائے واحد کی پرستش اور دوسری طرف زندگی میں عملی ہدایات کا امتزاج قرآن مجید کو بے مثل کتاب کے رُتبۂ عظیم پر فائز کرتا ہے۔ کرۂ ارض کی تمام اسلامی اقوام کی عظیم اکثریت کا یہ ایمان ہے کہ ان کی اسلامی سلطنتوں کا نظام اسی وقت احسن طریق پر چل سکتا ہے جب کہ وہاں کے قوانین قرآن مجید سے ہم آہنگ ہوں۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کو دنیا کی اقوام نے صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں۔

"Islam — the Misunderstood Religion" The Reader's Digest, American Edition May 1955

E.Denison Ross — ای۔ ڈینی سن۔ راس

It must, however, be borne in mind that the Koran plays a far greater role among the Mohammedans than does the Bible

in Christianity in that it provides not only the cannon of faith, but also the text book of their ritual and the principles of their Civil Laws.

اس بات کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیئے. عیسائی انجیل کو جس قدر عمل دخل حاصل ہے۔
قرآن مجید کو مسلمانوں کی زندگی میں اس سے کہیں بڑھ کر عمل دخل ہے۔ اس میں صرف عقیدۂ ایمان ہی
بیان نہیں کیا گیا ہے. بلکہ اس کو عبادات، امور و فرائض اور معاشرتی قوانین پر مشتمل کتاب الٰہی
کا درجہ بھی حاصل ہے۔

It must not, however, be forgotten that the central doctrine preached by Mohammad was the unity of God, and that the simplicity of his creed was probably a more potent factor in the spread of Islam than the sword of the Ghazis.

اسی طرح اس امر کو بھی ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے تبلیغ کا مرکزی نقطۂ وحدتِ خداوندی تھا. اور آپ کے دین وملت کی اشاعت، غازیوں کی
نوکِ شمشیر کی بجائے اپنی سلاست اور سادگی کی رہین منت تھی.

Islam, although seriously affecting the Christian world, brought a spiritual religion in one half of Asia, and it is an amazing circumstance that the Turks, who on several occasion, let loose their Central Asian hoarders over India and the Middle East, though irresistible in the onslaught of their arms, were all conquered in their turn by the faith of Islam and founded Muhammadan dynasties.

اگرچہ اسلام عیسائی دنیا پر شدید طور پر اثر انداز ہو رہا ہے تاہم اس نے براعظم ایشیا کے
نصف حصہ کو ایک روحانی ملت وکیش سے ہمکنار کیا ہے اور اس واقعے نے دنیا کو مبہوت کر دیا
ہے کہ ترک قوم جس کے وسطی ایشیا کے تاتاری جنھوں نے ہندوستان اور مشرق اوسط پر متعدد بار

یلغار کر کے وہاں غارت گری اور خونریزی کے بازار گرم کیے جس کی یلغار نا قابل مزاحمت تھی جب اس قوم کی طرف اشاعتِ اسلام کا ریلہ آیا تو ملتِ اسلام نے ان کے (پتھر جیسے) قلوب کو مسخر کر لیا اور وہاں مسلمان سلاطین کے کئی سلسلوں کے زیرِ نگین اسلامی سلطنت کی داغ بیل پڑ گئی۔

Thus through all the vicissitudes of thirteen hundred years, the Koran has remained the sacred book of all the Turks and Persians and of nearly a quarter of the population of India. Surely such a book as this deserves to be widely read in the West, more especially in these days when space and time have been almost annihilated by modern invention and when public interest embraces the whole world.

تیرہ سو سال کی گردشِ ایام کے دوران تمام ترک قوم اہل ایران اور ہندوستان کی قریباً ربع آبادی کے نزدیک قرآن کو مقدس کتاب کا درجہ حاصل رہا ہے۔ لاریب، یہ ایسی کتاب ہے جو اس کی حقدار و سزاوار ہے کہ موجودہ مغربی دنیا میں اس کا نہایت وسیع پیمانے پر مطالعہ ہو۔ خاص طور پر موجودہ دور میں جب کہ بنت نئی ایجادات نے کون و مکان کی تمام تمیزیں مٹادی ہیں جب کہ عوامی فلاح کا مفہوم یہ متصور ہونے لگا ہے کہ تمام بنی نوعِ انسان کو فلاح و بہبود کی دولت سے مالا مال کر دیا جائے۔

Introduction to the Koran (by George State, London, pp.v-vii)

A.J. Arberry — اے۔جی آربری

When appreciation rests upon these foundations, the charges of weary some repetition and jumbled confusion become

meaningless. Truth cannot be dimmed by being frequently stated, but only gains in clarity and convincigness at every repetition; and where all is true, in consequence and in comprehensibility are not felt to arise.

جب تحسین و تحمید ان بنیادوں پر مبنی ہو تو ناگوار اور تھکا دینے والی تکرار اور پراگندہ خیالی و بے ربطی کے اعتراضات بے معنی ہو جاتے ہیں. نورِ صداقت کو اگر بار بار بیان کیا جائے تو ماند پڑنے کی بجائے اور زیادہ صیقل ہوتا ہے اور ہر تکرار اس کی اثر آفرینی کو جلا بخشتی ہے. اور جہاں کوئی شئے سراپا صداقت ہی صداقت ہو تو وہاں بے ربطی اور ناقابلِ فہمی ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے.

The Holy Koran, an introduction with selection, London 1953, p.17 and p,p. 25-27